ماہنامہ

معارف قاسم جدید دہلی

کی

خصوصی اشاعت

مسلم پرسنل لا نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَهُمُ البشرى فِی الحیٰوۃِ الدُنیا وَ فی الاٰخرۃِ، لا تَبْدِیْلَ لکلِمَاتِ اللّٰہِ ذالک هُوَالفوز العظیم

(یونس:ر، ۱۱)

جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ کا علمی، دینی، دعوتی فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ معارف قاسم جدید دہلی

بیادگار: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند

جلد نمبر: ۸ — خصوصی اشاعت: جون تا اگست ۲۰۰۹ء — شمارہ نمبر: ۱۱

زیر سرپرستی

- حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، دیوبند
- حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھنؤ
- حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ، گجرات
- حضرت مولانا محمد ابراہیم مظاہری، گجرات

زیر نگرانی

- حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، لکھنؤ
- حضرت مولانا سید نظام الدین، پٹنہ
- حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری، میرٹھ
- حضرت مولانا مفتی عبد اللہ پٹیل، گجرات

مدیر اعلیٰ: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

معاون مدیر
محمد یوسف انور قاسمی

سرکولیشن منیجر:
شاہد عبد اللہ

کمپوز وڈیزائن: محمد ارشد عالم ندوی

سالانہ تعاون

300 روپے
بیرون ممالک کے لیے 70 ڈالر
خلیجی ممالک کے لیے 50 درہم
اس خصوصی شمارہ کی قیمت **300** روپے

خط و کتابت

ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی''
این ۹۳/سیلنگ کلب روڈ لین نمبر ۲/ بٹلہ ہاؤس
جامعہ نگر نئی دہلی -025 110

Address for
Cheques-&-Drafts
Monthly Maarif-e- Qasim
Jadeed Delhi

پرنٹر و پبلیشر، ایڈیٹر محفوظ الرحمٰن نے ایم آر پرنٹرس 2818، گلی گڑھیا دریا گنج نئی دہلی، 2 سے چھپوا کر ''معارف قاسم جدید''

این ۹۳ دوسری منزل، سیلنگ کلب روڈ لین نمبر ۲/ بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

Ph: +91-11- 26981876, Fax: 26982907, Mob: +91-9811125434
E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com / www.jamiatulqasim.com

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il- Islamia
At & Po. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj
Distt: Supaul - 852 125 Bihar (India)
Ph: +91-9931906068, 9771807585, 9852124748

فہرست

اداریہ — مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی — 8

پیغامات — 10

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی، مولانا سید نظام الدین
مولانا مفتی احمد خانپوری، مولانا مفتی احمد دیولا، مولانا سید جلال الدین انصر عمری، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی
مولانا حکیم محمد اسلام انصاری، مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری

باب اوّل

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟ — 27

مسلم پرسنل لاء اور ہماری ذمہ داری — قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ — 32

مسلم پرسنل لاء اور اسلام — مولانا صدرالدین اصلاحیؒ — 41

باب دوم

مسلم پرسنل لا اور ہندوستان — مولانا منت اللہ رحمانیؒ — 49

مسلم پرسنل لا خطرات کے سائے میں — سید احمد قادری — 52

تعدد ازدواج پر پابندی .... — 55

حکومت کو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں — مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ — 57

باب سوم

فقہ الاقلیات اصول وضوابط — ڈاکٹر صلاح الدین سلطان — 67

خاندان کی تشکیل کے اسلامی اصول — مولانا بدرالحسن قاسمی، کویت — 85

اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ — علامہ اقبالؒ — 89

باب چہارم

طلاق کے مسائل اور عدالتوں کے فیصلے — محمد عبدالرحیم قریشی — 97

لازمی نکاح رجسٹریشن ایک بحث — 103

نکاح رجسٹریشن: سپریم کورٹ کی ہدایت ایک ٹیڑھی کھیر — مفتی محمد ارشد فاروقی — 114

بابری مسجد: پھر زخم ہرا ہو گیا دل کا — محمد عبدالرحیم قریشی — 117

لبراہن کمیشن: دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے	عبدالقادر شمس قاسمی	119

باب پنجم

برطانیہ میں اسلامی قانون کی گنجائش موجود	ڈاکٹر رووِن ویمس	123
آرک بشپ ڈاکٹر رووِن ویلمس کا سوانحی خاکہ		132
برطانیہ میں قانون شرعیہ کا اطلاق	انور علی ایڈوکیٹ	134
برطانیہ میں قوانین شرعی کے نفاذ کی تجویز، زعمائے ملت کی بصیرت کا امتحان	مولانا محمد عیسیٰ منصوری	136
برطانوی مسلمانوں میں اسلامی عدالت کا بڑھتا شوق	وسیم احمد	142

باب ششم

بنگال محمڈن میریج ایکٹ قانون (عدالتی) نوٹی فکیشن		147
مختلف ایکٹوں کا تعارف		157
ترمیمات برائے قانون وقف ۱۹۹۵ء		160

باب ہفتم

ایمان ویقین کے متوالوں کا کارواں مسلم پرسنل لا بورڈ	مولانا سید محمد ولی رحمانی	167
آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کا خطبہ صدارت	مولانا قاری محمد طیبؒ	171
مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی تاریخ اور کارکردگی کے چند نمایاں پہلو		189
تحفظ دین وشریعت کے چند ستون	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	194
مسلم پرسنل لا بورڈ ماضی، حال اور مستقبل	نوراللہ جاوید قاسمی	202
راہیں دشوار گزار سہی، منزل آشنا ہیں!	عزیز بلگامی	206
امت کے سامنے درپیش مسائل		210
جہد مسلسل کے عظیم داعی	مولانا محمد یوسف انور	213

وفیات

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، علامہ محمد اکرام علیؒ، مولانا اطہر حسینؒ، والدہ ماجدہ (مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری)		236-221
تعارف وتبصرہ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	237
جامعۃ القاسم کے شب وروز		244
تعارف کتب		251

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

علامہ اقبالؒ

پیشکش

ظفر اقبال مدنی   متعلم معہد الفردوس الرحمانی لکھنؤ

فاتح اقبال مکی

بسم الله الرحمن الرحيم

اداریہ

مسلم پرسنل لاء نمبر

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

ہندوستان کے جمہوری نظام میں مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس بات کی دستوری اجازت حاصل ہے کہ وہ شرعی قوانین پر عمل پیرا ہوں اور اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ عائلی مسائل کے تعلق سے مسلمان جملہ حقوق کی بازیابی بھی شرعی اصولوں کی روشنی میں کریں، لیکن کبھی عدالتوں میں اور کبھی ایوانوں میں مسلم پرسنل لا پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے ہیں۔ شرعی قوانین پر تیشہ زنی کبھی اسلامی قوانین سے عدم واقفیت کی بناپر ہوتی ہے اور کبھی محض بغض وعناد کی بنیاد پر۔ ہر دو حالت میں ہونے والے فیصلوں سے مسلمانوں کو شدید اذیت پہنچتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک اسلامی قوانین کو نہ کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بدلا جاسکتا ہے۔ اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ شرعی اصول وکلیہ کی روشنی میں اجتہادی موشگافیوں کا بھی اختیار علماء محققین کو ہی ہے نہ کہ شریعت سے ناواقف عدالتوں کے ججوں کو۔

مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک کو 1972 میں ہندوستان کے علماء وقائدین نے تیز کیا تھا اور اسی کے نتیجے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا تھا، الحمدللہ مسلم پرسنل لا بورڈ تحفظ دین متین کے نگہبان کے طور پر سرگرم ہے تاہم آئے دن شرعی اصولوں پر سوالات کھڑے کیے جانے کا سلسلہ جاری ہے اور ہر ممکن یہ کوشش کی جارہی ہے کہ قوانین اسلامیہ میں نقص نکالا جائے اور اسے موجودہ عہد کے لیے ناقابل عمل قرار دیا جائے۔ لیکن علماء اسلام جس طرح ماضی میں اسلام کو مٹانے والی ہر طاقت سے ٹکراتے رہے ہیں اسی طرح وہ آج بھی کسی ایسی کوشش کو سبوتاژ کردینے کے لیے تیار ہیں جو شریعت کے خلاف کی جائے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے اولین صدر اور علمائے امت کے سرخیل حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے فرمایا تھا کہ ''اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت ودرایت کے لحاظ سے اس کی ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقل اور امتیازی شان ہے۔ مذاہب کی دنیا دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مذاہب کی مثال ایک ایسی مملکت کی سی ہے جس کی سرحدیں نہیں، اگر ہیں تو وقت کی دھارے سے ادلتی بدلتی رہتی ہیں لیکن اسلام ایک ایسی مملکت ہے کہ جس کی سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں، زمانہ کی کسی ضرب سے نہ وہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔''

حضرت قاری محمد طیبؒ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''ہم اپنے دین ودانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے بلکہ دوربین سے دیکھئے یا خوردبین سے، صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے، سو یہ آپ کی سیاست ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔''

مسلم پرسنل لا پر حملے ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں لیکن امت نے اجتماعیت واتحاد سے ایسی سبھی کوششوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا ہے تاہم ملک کے طول وعرض میں قائم مختلف سطح کی عدالتوں میں آئے دن ایسے فیصلے ہوتے رہتے ہیں جو شرعی اصولوں سے متصادم ہوں۔ دوسری طرف کچھ اسلام مخالف طاقتیں عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی یہ مطالبہ کرتی رہی ہیں کہ اسلامی اصولوں میں سختی ہے، عدم رواداری ہے، بنیاد پرستی ہے، عورتوں پر طرح طرح کی پابندی ہے، اس لیے اس میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ ان حالات میں علماء امت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اسلام کی حقیقی تصویر لوگوں کے سامنے پیش کریں اور ثابت کریں کہ اسلامی قوانین ہر عہد اور حالات کے لیے یکساں مفید اور عملی بنیادوں پر ہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ سے وابستہ علماء نے اسلامی قوانین سے بھی لوگوں کو واقف کرایا ہے اور معترضین کو بھی خاموش کیا ہے لیکن یہ قابل توجہ ہے کہ ہر روز معاندین ومخالفین نئے نئے جال لے کر آتے ہیں اور اسلام کو متہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ اس کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھی چوکس وچوکنا رہنا ہوگا اور روشن خیال عوام کو بھی کہ وہ کہیں ان کے فریب میں نہ پھنس جائیں۔

ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کو خطرہ ان روشن خیال مسلم دانشوروں سے بھی ہے جو شریعت کا گہرا علم تو نہیں رکھتے لیکن معاندین کے اعتراضات کی رو میں بہہ کر شرعی اصولوں پر ہی تنقید کرنے لگتے ہیں اور شریعت میں غیر ضروری اجتہاد کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ یہ وہی طبقہ ہے جو ہر زمانہ میں علماء پر تنقید کرتا رہا ہے اور شرعی اصولوں کو فرسودہ ثابت کرتا رہا ہے۔ ایسے حالات میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی جد وجہد دو محاذوں پر کرنا ضروری ہے۔

معارف قاسم جدید کا یہ خصوصی شمارہ مسلم پرسنل لا نمبر قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اس میں مسلم پرسنل لا کی حقیقت پر وقیع مضامین اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی مختلف تجاویز پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس شمارہ میں جن موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے وہ دراصل آج کے ہندوستان کا جلتا ہوا موضوع ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی ضمانت تو دستوری طور پر حاصل ہے لیکن جب عائلی مسائل کے حل کے لئے دارالقضاء کو تسلیم کرنے کی بات آتی ہے تو اس بات کا واویلا شروع کر دیا جاتا ہے کہ متوازی عدالتی نظام قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکومت کاغذی طور پر حقوق تو دینا چاہتی ہے لیکن جب اس کی عملی شکل پیش کی جاتی ہے تو اسے نامنظور کر دیا جاتا ہے۔ معارف قاسم کے اس شمارے میں ان موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ہم نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ بہت وسیع اور نہایت ہی ہمہ گیر ہے، ظاہر ہے ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم نے موضوع کا مکمل احاطہ کر لیا ہے تاہم اس موضوع کو علماء اور دانشوروں کے غور وفکر کا ایجنڈا بنانے کی سمت میں یہ ایک چھوٹی سی کوشش ضرور ہے۔ اہل علم ونظر اپنی آرا سے ہمیں نوازیں تا کہ ہم آئندہ ان کی روشنی میں مضامین مرتب کر سکیں۔

پیغام

مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد اللّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین، بعد!

مسلمان ہندوستان میں اگر چہ اقلیت میں ہیں، لیکن یہ اقلیت بڑی بھی ہے اور خاص حد تک بااثر بھی ہے، اسی کے ساتھ اس اقلیت کو دو خصوصیات ایسی بھی حاصل ہیں جو اس کو خود کفیل اور ترقی پذیر بننے والی امت بنانے میں بڑی مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ اس کے اسلاف نے اس ملک میں پانچ چھ صدی تک انتظام سنبھالا ہے اور قائدانہ کردار بھی ادا کیا ہے، اس کے قائدانہ کردار سے اس ملک کی تہذیب وتمدن پر بھی اثر پڑا ہے جس سے اس ملک کی خوبیوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے غیر مسلم ہم وطنوں کے ساتھ مغایرت کا نہیں، بلکہ اعلی انسانی سلوک کا ثبوت دیا ہے۔

دوسری خصوصیت اس اقلیت کی اس کا دین ودنیا دونوں کا جامع مذہب ہے، جو اس کو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ ملا ہے، یہ مذہب اپنی رواداری اور اعلیٰ انسانی کردار کے ساتھ ساتھ دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اعلیٰ انسانی قدروں کا لحاظ اور اپنے خالق ومالک کے احکامات کے ساتھ پوری زندگی کو وابستہ کرنے کی ذمہ داری بھی ڈالتا ہے جس کو انجام دینے کا کام اس امت نے اپنی گذشتہ تاریخ میں مخلصانہ انداز سے انجام دیا ہے اور اس کو برابر قائم رہنے والی ذمہ داری سمجھا ہے، اس امت کی یہ خصوصیات ایسی ہیں کہ ان کے ذریعہ یہ امت اپنے کو ہمیشہ ایک فعال اور مؤثر امت بنانے میں مدد لے سکتی ہے، اور اپنے پیش رووں کے معاملہ میں انسانی نسلوں کا ہمیشہ یہ خاصہ بھی رہا ہے کہ ان کی کارگزاریوں کو اپنے لئے نمونہ بناتی ہیں اور اس کی بناء پر ماضی میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتی ہیں۔ اس طرح ہماری اس امت کے لئے جو اس ملک میں اقلیت میں ہے، لیکن اپنے اسلاف کی شاندار تاریخ رکھتی ہے، سبق حاصل کرنے کا بڑا موقع ہے، جس سے بہت فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

اس امت کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کے افراد ساری دنیا میں بھی پھیلے ہوئے پائے جاتے ہیں اور ان سب کا ایک بڑا دینی وفکری مرکز ہے لیکن اس ملک کے مسلمان اپنے اس مرکز مرکز اسلام سے تعلق قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی دینی وعلمی صلاحیت دین اور علم دین کے معاملہ میں ممکنہ حد تک خود کفالتی کا طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں، اور اسی بناء پر اس ملک کے مسلمانوں میں بڑے بڑے جید علماء دین پیدا ہوئے اور انہوں نے اس امت کی دینی وعلمی ضروت کو پورا کیا اور امت کو مرکز اسلام سے دور ہونے سے اگر کوئی خرابی ہوسکتی تھی تو اس سے بچایا ہے اور صحیح طریقہ سے خود کفیل بنایا ہے۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو اپنا کر یہ امت اس ملک میں اپنے لئے بڑا مقام بناسکتی ہے اور اس ملک میں مصلحانہ وقائدانہ کردار کا ثبوت دے سکتی ہے، لیکن سب سے بڑی ضرورت یہ کہ یہ امت اپنے کو ان خصوصیات کی حامل امت سمجھے اور اس سلسلہ میں متحد الفکر ہو کر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے۔ اس طرح کا احساس ہی وہ قوت ہے جو کسی بھی کام کو اعلیٰ سطح سے انجام دینے میں مددومعاون ہوتا ہے، اس سلسلہ میں اس امت سے اس کی تاریخ میں جب جب کوتاہی ہوئی تو اس امت کو بہت نقصان پہنچا ہے، خاص طور سے متحد و بامقصد ہوکر کام کرنے میں۔ حالانکہ اس امت کو جو دین ملا ہے اس میں آپسی اخوت اور اتحاد پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس میں انسان کے جائز تقاضوں کی پوری رعایت رکھی گئی ہے، وہ تنگی کا دین نہیں ہے، وہ وسعت کا اور آسانی کا دین ہے، وہ دین انسانی معاشرہ کی مختلف الجہات ضرورتوں کو بہت اچھے طریقہ سے اور بہت اچھے انداز سے پورا کرتا ہے اور مزید کام کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔

اس کی تاریخ بتاتی ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں اور سخت دشواریوں میں اس دین کے ماننے والوں نے جب بھی مقصد کی لگن اور کام میں یکجہتی اور مستعدی دکھائی ہے تو حالات کو بدلا ہے اور یہ اس کی تاریخ میں بار بار ہوا ہے۔ اس کے ہر دور میں اس کی رہبری کے لئے علماء اور اہل فکر ضرورت کی تعداد میں موجود رہے ہیں اور وہ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق مختلف طریقہ ہائے کا اختیار کرتے رہے ہیں موجودہ دور میں بھی ایسے باصلاحیت لوگ ہیں مختلف جماعتوں اور اداروں کا اختلاف اگر مقصد کے لحاظ سے یکجہتی اور تعاون کے ساتھ عمل میں آتا ہے تو امت کی ضروت پوری ہوسکتی ہے، اور یہ صفت جس حد تک بھی اس امت میں ہے اس کے مطابق فائدہ ہورہا ہے، لیکن اگر ان کے اس تنوع میں گروہی عصبیت کا عمل دخل ہو جائے تو یہ ایسا مرض ثابت ہوسکتا ہ جو امت کو سخت نقصان پہنچانے والا اور اس کی طاقت کو توڑنے والا ہوگا۔ یہ مرض صرف اسی امت ہی کے لئے نہیں بلکہ کسی بھی امت میں پیدا ہو جائے تو اس امت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے۔

امت کے مسائل کو خصوصاً شرعی مسائل کو متحدہ طور پر حل کرنے کے لئے ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام ملت اسلامیہ ہندیہ کے تمام طبقات اور مختلف مکتبہ ہائے فکر ومسالک، یہاں تک کہ اسی امت کی طرف انتساب کرنے والے دوسرے فرقے بھی اکٹھا ہوئے اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب دیوبندیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی قیادت اور امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی زبردست تحریک پر جمع ہوئے۔ حضرت قاری صاحب کی وفات کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اور پھر فقیہ ملت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے قافلہ سالاری کی اور ہر موقع پر پوری امت نے متحد ہوکر پورا ساتھ دیا، اور بڑے مسائل حل ہوئے۔ آج الحمدللہ ہمارا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ امت کی غرض وغایت اور اس کی مقصدیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کام انجام دینے کی طرف توجہ دیتا ہے اور امت کی گروہ بندی وگروہی عصبیت سے اپنے کو علیحدہ رکھتے ہوئے کام انجام دیتا ہے، وہ امت کے سب کارگزار گروہوں کے ساتھ یکساں معاملہ رکھتا ہے اور اس میں بڑی حد تک الحمدللہ کامیاب ہے۔

اس نے امت کو ملی ہوئی آسمانی شریعت کے تحفظ کو اپنا اصل مقصد عمل بنایا ہے اور شریعت کی مشترک و بنیادی ضرورتوں اور اس

کی خصوصیات کو قائم رکھنے کی فکر کرتا ہے۔ وہ اپنی کارکردگی میں اس بات کی فکر رکھتا ہے کہ کم سے کم امت کے بنیادی مقصد اور بنیادی تقاضوں کے سلسلہ میں امت کے سارے کارگزار افراد اور جماعتیں اتحاد و اتفاق کا ثبوت دیں تا کہ امت کو مضبوطی حاصل ہو جائے اور امت اپنے دینی وملی تقاضوں کو آپس کے تعاون اور یکجہتی کے ساتھ پورا کر سکے، جس کی زیادہ ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ امت کی ملی اور دینی ضرورتوں کے لئے اس کو اقلیت میں ہونے کی وجہ سے حکومتی سر پرستی حاصل نہیں ہے، وہ اگر اپنے بنیادی مقاصد میں یکجہتی اور وحدت کو اختیار نہ کر سکے گی تو اس کو اپنے ملی اور دینی تحفظ کا فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ ہمارا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اسی عیب سے بچانے کے لئے اپنی ذمہ داری کو مشترکہ اور بنیادی تقاضوں تک محدود رکھتا ہے کہ جن میں سب کا تعاون حاصل کر سکتا ہے، اور یکجہتی کے ساتھ خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔ لیکن بورڈ اس سلسلہ میں پوری کامیابی اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب اس کو سب کا تعاون حاصل ہو، اور جن وسائل کی ضرورت ہے وہ وسائل بھی مہیا ہوتے رہیں، یہ وسائل کارگزار افراد کی صورت میں اور مالی تقاضوں کی صورت میں مطلوب ہیں۔ کارگزار افراد کے معاملہ میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ملت کی خاطر اپنی صلاحیت اور وقت امت کی ضرورت میں حسب استطاعت لگا سکیں، اس سلسلہ میں بورڈ کو ابھی تک کمی کا سامنا ہے، جس کے لئے اس کو خیر خواہان ملت کو توجہ دلانے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ اسی طرح مالی وسائل کے سلسلہ میں بھی اہل فکر اور امت کا درد رکھنے والوں کو توجہ کی ضرورت ہے۔

اس وقت ملک کے جو حالات ہیں، اور ملت اسلامیہ کو جو مسائل درپیش ہیں ان کو حل کرنے کے لئے اور جو خطرات ہیں، ان سے امت کو بچانے کے لئے ملت کے دانش وروں کو بہت توجہ کرنے کی ضرورت ہے، امت کی ضرورت اور اس کی صورت حال اس بات کی بہت طالب ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس طرح کے مواقع پر بے توجہی اور کوتاہی کا امتوں کو بڑا نقصان پہنچا ہے، جس سے سابقہ امت مسلمہ کو بھی پڑا ہے، اس سے محفوظ رہنے کے لئے خیر خواہان ملت کو پوری توجہ کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ ہمارے مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ و مدیر ماہنامہ ''معارف قاسم'' سپول بہار اس سلسلہ میں فکر مندی اور حوصلہ مندی سے کام لیتے ہوئے مختلف جہتوں سے خدمت انجام دے رہے ہیں، جس کے لئے مجلّہ معارف قاسم بھی مفید ذریعہ ہے، ہم ان کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اس کا خصوصی شمارہ مسلم پرسنل لا بورڈ سے متعلق شائع کرنے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے اور قبول فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۱۴۲۹/۱۰/۳۰ھ

۲۰۰۸/۱۰/۳۱ء

پیغام

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف) و نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گونا گوں مسائل و مشکلات میں الجھی امت کے لئے نجات کی راہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور شریعت پر عمل پیرا ہوں۔ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کو دستوری طور پر تحفظ حاصل ہے، لیکن امت کو شریعت پر عمل کر کے یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ خود پر شرعی اصول وقانون کی بالا دستی پر فرحاں و نازاں ہیں۔ معاشرہ میں درآئیں خرابئ بسیار کو ختم بھی اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب مسلمان خود کو شرعی اصولوں کا پابند کر دیں۔ جہاں تک مسلم پرسنل لا پر آئے دن مختلف راستوں سے حملوں کی بات ہے تو اس کے تدارک کے لیے جو کوششیں مسلم پرسنل لا بورڈ کر رہا ہے وہ قابل قدر و ستائش ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ نے اتحاد امت کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ لائق تقلید ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بورڈ کی آواز پر لبیک کہیں اور اعتماد و اتحاد کا مظاہرہ کریں۔

جواں سال عالم دین عزیز مکرم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ ''**معارف قاسم جدید**'' کا خصوصی شمارہ ''مسلم پرسنل لا نمبر'' شائع ہونے جا رہا ہے اس کے لیے مدیر موصوف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ شمارہ مسلم پرسنل لا کی حقیقت سے بھی عوام کو آگاہ کرے گا اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات پر بھی روشنی ڈالے گا۔

محمد سالم قاسمی

(مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف)

۳ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ بمطابق یکم رجنوری ۲۰۰۹ء

پیغام

شیخ الادب حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، رئیس التحریر البعث الاسلامی و مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بخدمت عالی حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن صاحب عثمانی

بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' نئی دہلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی کہ آنجناب اپنے ماہنامہ ''معارف قاسم'' کا خصوصی شمارہ شائع کر رہے ہیں، اور اس خاص شمارہ کے ذریعہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی حقیقت، شرعی حیثیت اور اس کے تحفظ پر روشنی ڈالی جائے گی نیز مسلم پرسنل لا کی جملہ خدمات اور پیش رفت کا جائزہ لیا جائے گا اور بورڈ کی قانونی اور اجتماعی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بورڈ سے وابستہ تمام اہم شخصیات کی بایوگرافی بھی شائع کی جائے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کا متحدہ شرعی اور اجتماعی ادارہ ہے، اس کے ذریعہ ہم زندگی کے تمام پہلوؤں کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں پیش کر کے آئین میں دیئے گئے حقوق کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے ہیں، اور جن مسائل میں شریعت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ان میں ہم اپنا اسلامی موقف اپنا کر کسی ایسی بات پر راضی ہونے کا اختیار نہیں رکھتے جس میں ایمان وعقیدہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، ہمارا اسلامی موقف بالکل واضح ہے اور یہ ادارہ اس موقف کو ہر جگہ سامنے لانے اور اس کو کسی قسم کی ٹھیس پہنچنے سے روکنے کا ذمہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے اس خصوصی نمبر کو زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل ہو اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے ادارے کا ترجمان اور زبان حقیقت ثابت ہو۔

والسلام

آپ کا مخلص

(سعید الرحمٰن الاعظمی)

مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلما لکھنؤ

۱۶رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۴رفروری ۲۰۰۸ء

پیغام

امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین، جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ پورے ملک کے مسلمانوں کی جملہ تنظیموں مختلف مسالک کے لوگوں علماء و قانون دانوں اور دوسرے طبقوں کے با اثر لوگوں کا ایک متحدہ و متفقہ پلیٹ فارم ہے جس کا مقصد شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کا تحفظ ہے اور اس ملک میں مسلمانوں کو اپنے دینی و اسلامی تشخص کے ساتھ زندہ رہنے کا حوصلہ دیتا ہے اس کے خلاف کوئی بات باہر سے آئے یا خود مسلمانوں کے اندر پائی جائے تو اس کا معقول اور مؤثر جواب دینا اور حکومت کے ساتھ مسلمانوں میں اصلاح معاشرہ کی تحریک چلانا ہے۔

یہ بورڈ ۱۹۷۲-۷۳ء میں قائم ہوا اور الحمدللہ آج تک یہ اپنی بنیادی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے۔ ملک کے مختلف بڑے شہروں میں اس کے ۲۰ ر بڑے اجلاس ہو چکے ہیں۔

علماء وائمہ کو چاہئے کہ وہ جمعہ کے خطبہ میں شریعت اسلامی کی اہمیت اور مسلم پرسنل لاء سے متعلق مسائل وضروریات عوام کے سامنے بیان کریں۔ نکاح میں سادگی سے کام لیا جائے، طلاق میں جلدی نہ کی جائے، وراثت میں شریعت کی پوری پوری پیروی کی جائے۔ اسلام میں عورتوں کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں، مردوں کی جو ذمہ داریاں ہیں ان کو بیان کیا جائے۔ صالح مسلم معاشرہ کیسے وجود میں آسکتا ہے اس کی تلقین کیا کریں۔

ایک بات یہ ضرور بتائی جائے کہ اگر میاں بیوی یا خاندان کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو اس کو سرکاری عدالت میں لے جانے کے بجائے آپس میں علماء کے مشورہ سے یا دارالقضاء میں قاضی شریعت کے سامنے پیش کر کے فیصلہ کرالیں یہ آسان ہے اور اس میں مسلمانوں کی عزت بھی قائم رہتی ہے۔

ہمارے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ارکان اور مدعوئین کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلک، برادری یا علاقہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو آپس میں تفریق پیدا کرنے سے روکیں اور کلمہ واحدہ کی بنیاد پر متحد و منظّم رہنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ ایک اور بات جس کا بالواسطہ مسلم پرسنل لاء کے مسئلہ سے گہرا تعلق ہے وہ دینی تعلیم ہے۔ ہمارے پانچ فی صد

بچے ہی مدرسوں اور دینی مکاتب میں پڑھتے ہیں۔ باقی بچے اور بچیاں اسکول میں تعلیم حاصل کرتی ہیں اوران کے والدین خاص کر انگلش میڈیم اسکول اور عیسائی مشنریوں کے اسکولوں کو ترجیح دیتے ہیں۔اس لئے اگر خصوصیت کے ساتھ تمام بچوں کو چھ سال سے گیارہ سال کی عمر کے درمیان دینی تعلیم سے آراستہ نہیں کیا گیا تو وہ شریعت اسلامی سے واقف ہی نہیں ہوں گے اور وہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود دینی تعلیم سے قطعی محروم رہ جائیں گے۔ جیسا کہ آپ بہت سارے مسلم مرد و عورتوں کو جو صرف جدید تعلیم یافتہ ہیں، دیکھ رہے ہیں کہ وہ محض چند رسمی عبادتوں کو ہی اسلام سمجھتے ہیں اوران کی پوری زندگی پر غیر اسلامی تہذیب چھائی ہوئی ہوتی ہے۔

الحمدللہ اس کا احساس ملک میں پایا جارہا ہے۔مگر ہم چاہتے ہیں کہ ارکان بورڈ و مدعوئین کرام اور دوسرے علماء کرام، مسلمانوں میں دینی شعور کی بیداری کے لئے کام کرنے والے حضرات زیادہ متوجہ ہوں۔

میں مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنے رسالہ ''معارف قاسم'' کا خصوصی شمارہ ''مسلم پرسنل لانمبر'' شائع کررہے ہیں، اس سے مسلم پرسنل لا اور مسلم پرسنل لا بورڈ سے عوام واقف ہوسکیں گے اور سماجی بیداری آئے گی۔

سید نظام الدین
پھلواری شریف پٹنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
بمطابق یکم؍فروری ۲۰۰۹ء

پیغام

فقیہ گجرات حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری خلیفۂ مجاز فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند
مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبّ مکرم ومحترم مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن صاحب عثمانی زیدت مکارمکم بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، سپول بہار
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، یہ معلوم ہوکر بڑی مسرت ہوئی کہ ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' ایک خصوصی شمارہ مسلم پرسنل لانمبر شائع کررہا ہے جس میں اس موضوع پر مختلف حیثیتوں سے روشنی ڈالنے والے وقیع مضامین شائع کئے جائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس نمبر کی اشاعت کو آسان فرمائے، اس کی راہ کی رکاوٹیں دور فرمائے، اس کے لئے جو اسباب و وسائل مادی اعتبار سے مطلوب ہیں مہیا فرمائے اور اس اشاعت کو حسن قبول عطا فرما کر اس سے امت مسلمہ کو بے حد فائدہ پہنچائے، دل سے دعاء کرتا ہوں۔

فقط والسلام
احمد خانپوری
۲؍جمادی الآخر ۱۴۲۹ھ
ڈابھیل، گجرات

پیغام

تحفظ مدارس گجرات کے پاسبان حضرت مولانا مفتی احمد دیولا، بانی و مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر بھروچ، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ایک مکمل دستورِ حیات ہے جس میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہدایات وقوانین موجود ہیں، اسلامی تعلیمات کا وہ حصہ جس کا تعلق انسان کی ذاتی اور شخصی زندگی سے ہے یا جس کا تعلق مسلمانوں کی عائلی اور خاندانی زندگی سے ہے اسی کا نام مسلم پرسنل لاء ہے۔ یہ شخصی اور عائلی قوانین ہی وہ روحانی تحفہ ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنا ملی تشخص قائم رکھ سکتا ہے اور یہ پرسنل لاء ہی اسلامی تہذیب کا وہ قیمتی اثاثہ ہے جس سے مسلم معاشرہ دوسرے معاشروں سے ممتاز ہوسکتا ہے، جس پر عمل کرنے کے نتیجے میں ایسا معاشرہ تیار ہوسکتا ہے جس کا وجود خدا کی وحدانیت اور ربوبیت سے سرشار ہوگا جس میں پیغامات محمدیؐ اور سنن احمدی کا جلوہ قدم قدم پر نمایاں ہوگا۔ یہ تعلیمات اب ایسی اہم اور ضروری ہے تو پھر اس کی جانب کامل توجہ ہر صاحب ایمان کے دل کی دھڑکن ہونی چاہئے، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اصلاح معاشرہ کی کوششوں کو تیز تر کیا جائے جو بعد کے اہم ترین اور بنیادی مقاصد میں داخل ہے، وقفہ وقفہ سے ملک گیر دورے اور وسیع پیمانے پر اعلانات ہوں اور ائمہ مساجد کو بھی اپنے خطبات کا موضوع بنانا چاہئے تاکہ عام زندگی پر اس کے اثرات پڑے۔

اس وقت ملک کے جو حالات ہیں اور ملت اسلامیہ کو جو مسائل درپیش ہیں ان سے نپٹنے کے لئے اور جو خطرات منڈلا رہے ہیں ان سے امت کو بچانے کے لئے قوم کے دانشوروں کو بڑی فکرمندی اور ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں تمام مکاتب کے اربابِ حل وعقد کو اپنے مسلکی تعصّبات سے بالاتر ہوکر اور گروہی عصبیتوں سے اوپر اٹھ کر کوئی ٹھوس اور مضبوط قدم اٹھانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سارے افراد اور جماعتوں کو باہم متحد و متفق ہونا اور ایک دوسرے کا تعاون کرنا، یکجہتی بنائے رکھنا انتہائی ضروری ہے تاکہ درپیش خطرات کا صحیح طور پر مقابلہ کیا

جا سکے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے کرم فرما مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ ومدیر ماہنامہ ''معارف قاسم'' سپول، بہار اس سلسلہ میں بڑی فکرمندی اور مستعدی کے ساتھ کام کررہے ہیں، بالخصوص مذکورالذکر ماہنامے کے صحافتی پلیٹ فارم سے اس جانب لوگوں کو مسلسل متوجہ کررہے ہیں، ہم ان کو مسلم پرسنل لاء سے متعلق خصوصی شمارہ شائع کرنے پر مبارک باد دیتے ہیں۔

فقط والسلام

(مولانا مفتی) احمد دیولوی

خادم، جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

۲۴ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ، بروز جمعرات

بمطابق ۲۲ر جنوری ۲۰۰۹ء

پیغام

حضرت مولانا سید جلال الدین انصر عمری، امیر جماعت اسلامی ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امر باعث مسرت ہے کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ اور باشعور طبقہ میں اب مسلم پرسنل لاء اور اس کے مسائل سے دلچسپی بڑھ رہی ہے اور اس کی آواز شہروں سے نکل کر دیہاتوں تک پہنچ رہی ہے جس کا اندازہ کلکتہ کے حالیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس سے کیا جاسکتا ہے جس میں لاکھوں فرزندانِ توحید کا جم غفیر، علماء کرام اور دانشورانِ ملت کی رہنمائی سے مستفید ہونے کے لیے امنڈ پڑا تھا۔

ایسے حالات میں آج اس کی سخت ضرورت ہے کہ: (۱) مسلمان اپنے پرسنل لاء کے احکام سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس سلسلہ میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تیار کردہ لٹریچرس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے عائلی قوانین اور اسلام کے خاندانی نظام پر جو لٹریچر تیار کیا ہے وہ بھی اس سلسلہ میں بہت مؤثر اور کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ (۲) مسلمانوں کو اپنے پرسنل لاء پر ملکی دستور کے مطابق عمل کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس کے باوجود بعض اوقات ملک کی عدالتیں مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کرتی ہیں، اس کے خلاف فیصلے دے دیتی ہیں جب کہ مسلم پرسنل لاء کی ترجمانی کا حق مسلمان علماء کو ہونا چاہیے اور عدالتوں کو اس کی روشنی میں فیصلے کرنے چاہئیں۔ یہ آواز پریس اور پلیٹ فارم سے بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ (۳) مسلم پرسنل لاء کے احکام ومسائل نکاح، خلع، طلاق، وراثت وغیرہ مسائل پر مسلمان عوام وخواص کو ٹھوس اور مستند معلومات پہنچانے کا انتظام شہروں، اور دیہاتوں میں وسیع پیمانے پر کیا جانا چاہئے۔ اس کے لیے خطبات جمعہ، مسئلے مسائل پر مشتمل مستند دینی کتابیں، ٹی وی پروگرام، آڈیو، ویڈیو کیسٹ، سی ڈی، ڈی وی ڈی، اصلاحی اور تبلیغی جلسے، دینی نشستیں، حلقے اور تعلیم بالغان کے مراکز مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ مراسلاتی اسلامی کورس چلانے والے مسلم ادارے، مسلم پرسنل لاء سے متعلق مسائل کو بھی اپنے نصاب میں شامل کرکے اہم دینی

اور ملی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔(۴) مسلمانوں کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ اپنے نزاعی مسائل مروجہ عدالتوں کے بجائے شرعی عدالتوں رپنچایتوں میں لے جائیں اور وہاں سے اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے حاصل کرائیں۔ (۵) جہاں دارالقضاء پنچایتیں قائم نہ ہوں وہاں دارالقضاء یا شرعی پنچایت قائم کرنے کی کوشش کی جائے اور اس سلسلہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مرکزی دفتر سے تعاون اور رہنمائی حاصل کی جائے۔(۶) مسلمان اپنے طور پر مسلم پرسنل لاء کے تحت زندگی گزارنے کا عہد کریں اور دینی احکام و مسائل سے واقفیت اور آگاہی کے لئے مخلصانہ اور سنجیدہ کوشش کی جائے۔یہی اس مسئلہ کا اصل حل ہے اس کے بغیر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی، گرامی قدر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ و مدیر ماہنامہ ''معارف قاسم'' قابل مبارک باد ہیں جنہوں نے حالات کو بروقت سمجھا اور معارف قاسم کا خصوصی شمارہ ''مسلم پرسنل لانمبر'' شائع کرنے کا ارادہ کیا جو امت مسلمہ کے لئے اصلاح معاشرہ کے موضوع پر اہم رول ادا کرے گا۔دعا ہے کہ مسلم پرسنل لاء پر آپ کا یہ خصوصی شمارہ کامیاب ہو اور عامۃ المسلمین کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

مخلص

سید جلال الدین عمری

(امیر جماعت اسلامی ہند)

۱۴۲۹/۱۰/۲۵ھ

بمطابق ۲۰۰۸/۱۰/۲۶ء

پیغام

پاسبانِ ملت کے جانباز سپاہی حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

محبّ مکرم حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' کا خصوصی شمارہ ''مسلم پرسنل لانمبر'' شائع ہونے جارہا ہے۔اس کے لیے مدیرمحترم قابل مبارک باد ہیں۔ ہندوستان میں مسلم پرسنل لاکوآئینی درجہ حاصل ہےاسی کی روشنی میں یہاں کے مسلمان شرعی اصولوں پر زندگی گذارنے کے لیےآزاد ہیں۔امارت شرعیہ نے آٹھ دہائی سے مسلم پرسنل لا کے نفاذ کی جدوجہد کی ہےاوراس سلسلہ میں کامیاب تجربہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ جب یہ محسوس کیا گیا کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کوآئینی حیثیت کے باوجودطرح طرح کےخطرات درپیش ہیں تومسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کا خاکہ سب سے پہلے امارت شرعیہ ہی نے پیش کیا تھااور بورڈ کومضبوط ومستحکم کرنے میں بھی امارت شرعیہ سرگرم اورپیش پیش ہے۔مسلم پرسنل لا کے تحفظ کویقینی بنانے کے لیے مسلمانوں کو دارالقضاء کے نظام سے مربوط ہونا ہوگا۔اگر پوری امت مسلمہ اپنے تنازعات اور عائلی مسائل کودارالقضاء سے حل کرائیں تو بہت سے مسائل ازخودحل ہوجائیں گےاورمسلم پرسنل لا پر منڈلاتے خطرات کے سائے کالعدم ہوتے چلے جائیں گے۔میں امید کرتا ہوں کہ اس نہایت اہم موضوع پر شائع ہونے والاخصوصی نمبراہل علم خرد کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

انیس الرحمٰن قاسمی

ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ

۱۵رشوال المکرّم ۱۴۲۹/ھ

بمطابق ۱۴/۱۰/۲۰۰۸ء

پیغام

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری خلیفۂ اجل حکیم الاسلامؒ ومہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام میرٹھ

الحمد اللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد، وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین، بعد!

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ عزیز القدر حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ اپنے ماہنامہ معارف قاسم جدید کا خصوصی شمارہ مسلم پرسنل لا کے عنوان سے شائع کرنے جارہے ہیں۔ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا پر خطرات کے سائے ہر عہد میں منڈلاتے رہے ہیں لیکن اکابر علماء کرام اور دانشوران امت ہر موقع پر مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور شریعت اسلامیہ کی بقا کی جد جہد کرتے رہے ہیں۔ چاہے عدالتی سطح پر یا معاندین اسلام کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے اساسی عقیدہ پر جب جب سوالات کھڑے کئے گئے ہیں علماء نے اس کے دفاع میں اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کردی ہیں۔ فی زمانہ بھی مسلم پرسنل لا پر کئی طرح کے اعتراضات ہو رہے ہیں اور ملک میں وشو ہندو پریشد جیسی تنظیمیں آئے دن مسلمانوں کے شعائر پر انگشت نمائی کررہی ہیں ایسے میں ملت اسلامیہ کا ایک ہونہار فرزند مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی اپنی قلمی صلاحیت کے ساتھ آگے آرہا ہے اور حتی المقدور دفاع کی کوشش کررہا ہے جو مبارک اور اطمینان کا باعث ہے، میں موصوف کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعاء کرتا ہوں کہ اس خصوصی شمارے کو قبول عام حاصل ہو۔

محمد اسلام انصاری

مہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام میرٹھ یو۔پی

۵؍شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ

بمطابق ۲۶؍۱۰؍۲۰۰۸ء

پیغام

شیخ زکریا کے علوم ومعارف کے ترجمان

(مولانا) سید محمد شاهد سهارن پوری
نواسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی
امین عام (سکریٹری) جامعہ مظاہر علوم سہارن پور
بانی: شیخ محمد زکریا ٹرسٹ سہارن پور (یوپی)
ناظم: مدرسۃ الشیخ محمد زکریا لتحفیظ القرآن الکریم سہارن پور (یوپی)

(Maulana)
MOHAMMAD SHAHID
(Secretary)
Jamia Mazahir Uloom
SAHARANPUR 247001 (U.P.)India
Ph. (R) 0132-2655712 (O) 0132-2650389

تاریخ .... حواله............................

محترم المقام حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن صاحب عثمانی مظاہری زادمجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوگی۔

یہ معلوم ہوکر مسرت وخوشی ہوئی کہ علمی ودینی مؤقر مجلہ ماہنامہ القاسم مسلم پرسنل لاء جیسے انتہائی اہم نازک لیکن ضروری موضوع پر اپنا ایک خاص نمبر شائع کر رہا ہے۔

دلی دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اسکو بیحد مفید اور نافع فرمائے اور اسمیں شامل تمام مضامین کو ملت اسلامیہ ہندیہ کیلئے نشان راہ اور فقہی معلومات کیلئے ایک عمدہ اور منتخب موسوعہ بنائے۔ آمین

نیز بندہ کو اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے یہ بھی قوی توقع ہے کہ یہ خاص نمبر جناب والا کی ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات کی بھی ایک منہ بولتی تصویر ہوگا۔

محتاج دعوات

بندہ محمد شاہد غفرلہ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

باب اوّل

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

مسلم پرسنل لا کیا ھے؟

انسانی زندگی کومختلف حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک تو اس کی شخصی اور خاندانی زندگی ہے جس کا دائرہ محدود ہے، اس میں انسان کے ذاتی معاملات آتے ہیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو اس کے اور اس کے خاندان کے درمیان معاملات اور حقوق وفرائض سے متعلق ہوتی ہیں مثلاً ازدواجی تعلق، ماں باپ اور اولاد کا تعلق، وراثت، ایک دوسرے پر نفقہ اور حق پرورش وغیرہ، اس زندگی کو ہم شخصی اور خاندانی زندگی (Personal & Family Life) کا عنوان دیتے ہیں، دوسری زندگی شہری اور اجتماعی زندگی ہے جس کا دائرہ خاندانی تعلقات کے حدود سے آگے بڑھ کر شہر، ملک اور بین الاقوامی امور تک کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے، اسے ہم اجتماعی اور شہری زندگی کا نام دیتے ہیں۔

اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ کے لئے (خواہ اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو یا انفرادی زندگی سے) اصول بتائے ہیں جن پر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں اور اس کے بعد بھی عمل ہوتا رہا ہے۔

قرآن پاک کی تعلیمات، حضور اکرم ﷺ کی ہدایتوں اور صحابہ کرامؓ کی تشریحات کی روشنی میں فقہائے اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کے لئے قوانین مرتب کردیئے جنہیں اصلاح میں ہم 'فقہ' کہتے ہیں یہ پوری 'فقہ' قرآن وحدیث کی بنیادوں پر مرتب ہوئی ہے۔ اور جس طرح انفرادی زندگی کے قوانین پر عمل کرنا ہمارا فریضہ ہے، اسی طرح ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اجتماعی زندگی کے قوانین پر بھی عمل کریں۔

لیکن ہوا یہ کہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا اور مسلم حکومتوں میں شخصی رجحان اور خدا کے حکم کے بجائے بادشاہ کی خواہش کے احترام کا جذبہ آتا گیا، اجتماعی قوانین جن کی روشنی میں حکومت چلائی جاتی تھی، عملاً ختم ہوتے رہے اور آہستہ آہستہ اسلام کے بہت سے اجتماعی قوانین کتابوں میں محفوظ ہوتے چلے گئے اور عملی زندگی سے اس کا واسطہ کم ہوتا گیا۔

ہندوستان میں جب انگریزوں کا غلبہ ہوا تو انہوں نے حکومت چلانے کیلئے اپنا قانون نافذ کیا، جس کے نتیجہ میں اسلام کا ''اجتماعی قانون زندگی'' غیر متحرک ہوکر محض کتابوں میں رہ گیا اور صرف 'انفرادی زندگی' کے قوانین عملاً باقی رہ گئے جس کے نفاذ کے لئے حسب سابق قاضی مقرر ہوئے، بعد میں یہ قضاء کا نظام بھی ختم ہوگیا اور شخصی وعائلی زندگی سے متعلق اسلامی قوانین کے نفاذ کا اختیار بھی عام سرکاری عدالتوں کے حوالہ کردیا گیا۔ انفرادی زندگی کے یہ اسلامی قوانین جنہیں برطانوی حکومت نے اپنے قانون میں جگہ دی، 'مسلم پرسنل لا' کہلائے اور 'مسلم پرسنل لا' کا دائرہ صرف وراثت، نکاح، حضانت، خلع وطلاق، فسخ، مہر،

نفقہ اوراوقاف وغیرہ تک محدود رکھا گیا...... گویا 'مسلم پرسنل لا' کی اصطلاح انگریزوں کا عطیہ ہے جو انفرادی اور خاندانی زندگی سے متعلق اسلامی قوانین کا ایک حصہ ہے...... یہی 'مسلم پرسنل لا' اب تک چلا آرہا ہے۔ یہ گفتگو اس نتیجہ تک پہنچائی کہ 'مسلم پرسنل لا' قوانین اسلامی کا ہی ایک حصہ ہے جن کی تفصیلات فقہاء اسلام کے ہاتھوں مرتب ہوئی تھیں، اور جن کی بنیادی قرآن وحدیث پر ہے۔

نئے مسائل اوران کا حل

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ 'مسلم پرسنل لا' دراصل شریعت اسلامی کے ایک خاص حصہ کا نام ہے، جو مسلمانوں کی شخصی وعائلی زندگی پر نافذ ہے تو اب اس کا کتنا اور کہاں تک امکان باقی ہے کہ موجودہ دور کے علماء اس میں تبدیلی لائیں اور اسے بدل کر کوئی ایسا 'پرسنل لا' مرتب کریں جو ایک خاص قسم کے دانشور طبقہ کے مزاج کے موافق ہو، اس طرح کی تبدیلی حکومت کی خواہش کے مطابق تو ہوسکتی ہے، اسلام کے دستور کے مطابق نہیں ہوسکتی۔

یہ صحیح ہے کہ جدید ترقی نے معاشرہ کو بالکل نئی صورت حال سے دوچار کردیا ہے۔ یہ نئی صورت حال یقیناً اسلامی ہدایت کی طلب گار ہے۔ علماء کو نئے مسائل کا اسلامی حل دریافت کرنا ہوگا اوران نئے سوالات کا جواب دینا ہوگا جن پر فقہ کی قدیم کتابوں میں بحث نہیں کی گئی ہے لیکن ایک تو یہ ایسے مسائل بہت زیادہ نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ ایسے مسائل کی تعداد جتنی بھی ہو، ان کا حل حکومت کی متعین کردہ راہوں پر تلاش نہیں کیا جاسکتا، نہ ان معاملات میں مخصوص قسم کے دانشوروں کے مزاج کو بنیادی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ بلکہ ان کے لئے وہی طریقہ اپنانا ہوگا جو طریقہ کار ماضی میں علماء کرام نے نئے نئے مسائل کے حل کیلئے اختیار کیا تھا، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کو بنیادی حیثیت دینا ہوگی، اصول فقہ کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اور فقہ اسلامی کے عظیم خزانہ سے مدد لینی ہوگی، اس طرح نئے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے اور اسلام ان کا حل بھی پیش کرتا رہے گا۔ (1)

اس موضوع سے واقفیت کے لئے ملاحظہ فرمائیے'' قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل''

کیا حکومت مسلم پرسنل لا میں تبدیلی چاہتی ہے؟

حالات اور واقعات کی جو ترتیب ادھر چند برسوں میں سامنے آئی ہے، انہیں دیکھتے ہوئے حکومت کے ارادوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

جب ہندوستان آزاد ہوا اور اس ملک کا دستور بنا تو اس ملک کو ایک 'جمہوری ملک' بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس میں فرد کے ذاتی رجحانات، افکار وعقائد، مذہب وثقافت اور تہذیب وتمدن کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور ایک عنوان 'سیکولرزم' کا اختیار کیا گیا جس کی وضاحت یہ کی گئی کہ ہندوستان کا نظام حکومت کسی خاص مذہب کا پابند نہیں ہوگا اور ہر شہری کو اپنے طور پر مذہبی امور میں آزادی حاصل رہے گی۔ اس طرح ایک مذہب کے ذریعے دوسرے مذہب کا استحصال نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایک خوش آئند تصور تھا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ہندوستان کے جمہوری نظام حکومت کے تحت سکون کی زندگی گذاریں گے، لیکن ارباب سیاست نے اب 'سیکولرزم' کا مطلب 'رواداری' اور 'غیر مذہبی' کے بجائے 'مذہب کی نفی' طے کرکے ایسے معاشرہ کے قیام کی جدوجہد شروع کردی ہے جس میں مذہب کے اثرات ختم ہوجائیں۔

یہی ذہنیت مسلم پرسنل لا کی جگہ '' یکساں شہری قانون'' (Uniform Civil Code) نافذ کرانا چاہتی ہے......اور اس سلسلہ میں دستور ہند کے بجائے رہنما اصول (Directive Principle) دفعہ 44 کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں یکساں شہری قانون نافذ کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیئے۔ جس وقت دستور ہند بنا تھا، رہنما اصول کی یہ دفعہ زیر بحث آئی تھی اس وقت مسلم زعماء کو اطمینان دلایا گیا تھا کہ دستور ہند کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی دفعات کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور بنیادی حقوق کی دفعات رہنما اصول سے زیادہ اہم ہیں...... یہ ساری بحث دستورساز اسمبلی کی پرسیڈنگ میں موجود ہے۔

عدالتیں اب بھی رہنما اصولوں کے مقابلے میں بنیادی حقوق کو زیادہ اہمیت دیتی رہی ہیں لیکن سیاسی رہنما مختلف عوامل کی وجہ سے رہنما اصولوں پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ان رہنما اصولوں کے سہارے 'مسلم پرسنل لا' میں ترمیم و تنسیخ کا مطالبہ کبھی واضح اور کبھی مبہم الفاظ میں کیا کرتے ہیں۔

حکومت نے اب تک براہ راست تو نہیں لیکن بعض عمومی قوانین کے ذریعہ 'مسلم پرسنل لا' میں تبدیلی کی کوشش کی ہے اور کچھ ایسے احکام اور ہدایتیں جاری کی جا چکی ہیں جن کے باعث ملک میں مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ 'مسلم پرسنل لا' پر عمل نہیں کرسکتا......مثلاً یہ حکم جاری کیا گیا کہ حکومت کا کوئی ملازم اجازت حاصل کئے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا، اس حکم سے مسلمان مستثنیٰ نہیں ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تعدد ازدواج جو 'مسلم پرسنل لا' کا اہم مسئلہ ہے، کو حکومت نے مسلمانوں کے ایک حلقہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا، اور اب آسانی کے ساتھ اس حلقہ کو وسیع کیا جاسکتا ہے اور اس حکم کو فیکٹریوں، مختلف قسم کے نیم سرکاری اداروں اور دوسرے سیکٹروں میں کام کرنے والوں پر نافذ کیا جاسکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اہم قدم متبنیٰ بل (Adoption of Children Bill) کی شکل میں اٹھایا گیا(1)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس 'بل' کے خلاف آواز بلند کی جس کا اثر حکومت پر ہوا، اور حکومت نے اس بل کے متعلق رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اسے پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کر دیا بورڈ نے متبنیٰ بل کے سلسلے میں عام مسلمانوں کو صحیح صورت حال سے واقف کرانے کے لئے اردو انگریزی میں رسالے شائع کئے، اخبارات میں مضامین لکھوائے، بورڈ کے معزز ارکان نے جلسوں اور تقریروں میں اسے موضوع بحث بنایا۔ اور جب پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی نے ملک کا دورہ کر کے رائے عامہ جاننے کی کوشش کی تو بورڈ کے ارکان اور پڑھے لکھے مسلمانوں نے ہر مقام پر اس بل کے خلاف شہادت دی، پارلیمنٹ کی کسی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے کبھی اتنے زیادہ افراد نے اتنے واضح اور مدلل طور پر شہادت نہیں دی تھی۔ مسلمانوں کی اتنی واضح رائے سامنے آنے کے باوجود اس کمیٹی نے نہ فراموش کی جانے والی زیادتی کی ہے کہ اس نے بل کی حمایت میں اپنی رائے دی۔ کمیٹی کے تین مسلم ممبران نے مشترکہ طور پر بل کے خلاف نوٹ لکھا اور یہ مطالبہ کیا اس بل سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ حکومت نے مسلمانوں کی رائے عامہ کے پیش نظر 'بل' کو سرد خانے میں ڈال دیا۔

1978 میں یہ بل پھر راجیہ سبھا میں آیا، اس وقت وزیر

قانون مسٹر شانتی بھوشن نے یہ اعلان کیا کہ ''یہ بل مسلمانوں کے عام جذبات کے خلاف ہے اس لئے 'بل' کو واپس لیا جاتا ہے۔''اس طرح ایک غیر اسلامی قانون سے مسلمان محفوظ رہے۔متبنیٰ بل کے سلسلہ میں بورڈ کی یہ دوسری کامیابی تھی۔اب پھر چند نام نہاد مصلحین اور'بچوں کے ہمدردوں' کی طرف سے یہ کوشش ہورہی ہے کہ بل دوبارہ پیش کیا جائے۔

اس بل میں تبنیت کو اختیاری اور انفرادی فعل قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے بظاہر اس کا ٹکراؤ ''مسلم پرسنل لا'' سے نہیں معلوم ہوتا۔لیکن اس کے اثرات بہت دوررس تھے۔جس کی وضاحت خود وزیر قانون نے پارلیمنٹ میں ان الفاظ میں کی تھی 'یہ مسودہ یکساں سول کوڈ کی طرف مضبوط قدم ہے'۔

اس طرح کے اقدامات ہمیں یہ سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا کے معاملہ میں حکومت کے ذمہ داروں اور سیاسی رہنماؤں کی نیت صاف نہیں رہی ہے،اور مفکرین قانون یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

یہاں اس منطقی امکان سے بحث نہیں کہ اگر اسلامی قوانین شخصی کو ملک کے تمام باشندوں پر نافذ کردیا جائے تو یکساں سول کوڈ کے باوجود'مسلم پرسنل لا' پورے پورے طور پر پر باقی رہ جائے گا۔کیوں کہ یہاں ایسے کسی اقدام کو عملاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ساتھ ہی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے جذبات بھی اس سے مجروح ہوں گے اور اس طرح کی شخصی اور عائلی زندگی میں مداخلت شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

خدانخواستہ اگر یکساں سول کوڈ لایا گیا تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی بڑی الجھنوں میں مبتلا ہوجائے گی اور بہت سے معاملوں میں ہمیں قانون کے ذریعہ مجبور کیا جائے گا کہ ہم جائز چیزوں کو چھوڑ دیں اور حرام کو قبول کرلیں۔

تفصیلی واقفیت کیلئے ملاحظہ فرمائے'یونیفارم سول کوڈ' شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ۔

ہندوستان کے قانون سازوں کا ذہن مغربی سانچوں میں ڈھلا ہوا ہے اور قانون بناتے وقت ان کے سامنے کسی مغربی ملک کا کوئی نہ کوئی قانون رہا کرتا ہے،اس لئے یکساں سول کوڈ پورے طور پر مغرب طرز کا ہوگا،جس کی ایک مثال'ہندو کوڈ' ہے میرا خیال ہے کہ اگر حکومت نے یہاں یکساں سول کوڈ بنایا تو وہ موجودہ ہندو کوڈ کو یونیفارم سول کوڈ کا نام دے گی،یا اسے تھوڑی بہت ظاہری تبدیلی کے ساتھ سول کوڈ بنادیا جائے گا۔ہندو کوڈ کی بنیاد ہندو مذہب کی تعلیمات نہیں بلکہ مغربی نظریات ہیں مثلاً ہندو کوڈ کی رو سے شادی کے بعد تین سال تک میاں بیوی میں علیحدگی کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔اور دونوں میں سے کوئی اگر علیحدگی چاہے تو اسے شادی کے بعد کم سے کم تین سال تک انتظار کرنا ہوگا۔ہندو کوڈ نے طلاق کا اختیار بھی مردوں سے ختم کردیا ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ مرد اور عورت میں سے جو بھی علیحدگی چاہے عدالت میں دراخواست دے،عدالت اگر علیحدگی کے مطالبہ کو درست سمجھے گی تو علیحدگی کردے گی۔یہ سسٹم خدا کے بتائے ہوئے قانون سے صاف طور پر ٹکراتا ہے۔شریعت (مسلم پرسنل لا) نے اس کا پابند نہیں کیا ہے کہ نباہ ہورہا ہے یا نہیں،بہر حال تین سال تک میاں بیوی ایک دوسرے کو برداشت کرتے رہیں، شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے،خلع اور فسخ کا حق عورت کے لئے مخصوص کیا ہے اس لئے اس طرح کے قوانین ایک مسلمان کی عائلی زندگی کیلئے ناقابل برداشت ہیں۔

ہندو کوڈ میں وارثت کے متعلق بھی دفعات موجود ہیں۔یہ

دفعات بھی اسلام کے قانون وراثت سے ٹکراتی ہیں۔مثلاً ہندو کوڈ نے ماں، بیوی، بیٹا اور بیٹی کو برابر کا درجہ دیا ہے۔اگر مرنے والے کے یہ چاروں وارث موجود ہوں تو جائداد برابر تقسیم کی جائے گی اور سبھوں کو برابر حصہ ملے گا۔ جب کہ اسلام نے ان چاروں کے لئے چار الگ درجات متعین کئے ہیں اور ہر ایک کے حصہ کی مقدار بتادی ہے، اس طرح ہندو کوڈ کا وہ پورا حصہ جو میراث سے متعلق ہے اسلام کے قانون میراث سے بالکل الگ ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو اسلامی قانون کے لحاظ سے حقدار یا زیادہ کے حقدار ہوا کرتے ہیں ہندوکوڈ کی نظر میں ان کا حصہ کم ہوگا یا نہیں ہوگا اور بہت سے وہ لوگ جو اسلامی قانون کے لحاظ سے کم کے مستحق ہیں یا جنہیں کچھ نہیں ملنا چاہئے وہ ہندوکوڈ کے مطابق زیادہ پاسکتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس طور پر کچھ لوگوں کی حق تلفی اور کچھ لوگوں کو بے جا نفع پہنچتا ہے جو غلط ہے۔

اسلامی تعلیمات کے جو عالمگیر اثرات مرتب ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دنیا کی مختلف قوموں اور دستوروں میں وراثت کا نظام جاری کیا گیا ہے، اور مرنے والے کے مال کو خاندان کے مختلف افراد میں تقسیم کرنے کا تخیل ابھرا ہے، ہندوستان میں بھی ماضی میں تقسیم وراثت کا تخیل موجود نہیں تھا، اسلامی قانون سازی کی افادیت اور تقسیم دولت کے اصول نے پڑھے لکھے لوگوں کے ذہن کو متاثر کیا، اور ان میں وراثت کے قانون کو مرتب کرنے کی تحریک ہوئی، لیکن جب انہوں نے قانون سازی کی تو اساتذہ مغرب کی نقالی کی، جب کہ خود مغرب میں یہ تخیل اسلامی ہدایات کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا، جسے اساتذہ مغرب نے اپنے انداز پر ڈھال لیا۔

دونوں قوانین کے درمیان جو فرق ہے اس کی یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مغرب سے برآمد کیا ہوا یہ ہندوکوڈ مسلم پرسنل لاء سے بالکل الگ اور مخالف قانون ہے۔ یکساں سول کوڈ موجود ہندوکوڈ سے زیادہ مختلف نہیں ہوگا اس لئے اگر مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں سول کوڈ کونافذ کیا گیا، تو مسلمانوں کی عائلی زندگی کی پوری عمارت ڈھہ جائے گی۔

❁❁❁❁

"مسلم پرسنل لاء جس کا دوسرا نام شریعت ہے، نکاح، خلع، طلاق اور وراثت جیسے معاملات میں قرآن حکیم میں سبھی احکام موجود ہیں اور ان کی پابندی کی سخت تاکید کی گئی ہے مثلاً پابندی حکم کے بارے میں کہا گیا" کِتٰبَ اللّٰہِ علیکم" تم پر اللہ کے احکام کی پابندی لازم ہے، سورۂ بقرہ میں نکاح و طلاق کے احکام کے بعد یہ فرمایا گیا " حدود اللّٰہ فلا تعتدوھا و من یتعد حدود اللّٰہ فاولئك ھم الظالمون" یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں ان کو مت پھاندو جو ان کی حد توڑے گا تو یقینا وہ ظالم قرار پائے گا۔"

مولانا منت اللّٰہ رحمانیؒ

خطاب: اتحاد ملت کانفرنس ممبئ ۱۹۷۲ء

مسلم پرسنل لاء

اور ہماری ذمہ داریاں

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

منظّم قانون

اس سلسلے میں بہت مختصر الفاظ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی بھی سوسائٹی اور کوئی بھی سماج قانون کے بغیر منظّم نہیں رہ سکتا۔ قانون لوگوں کے حقوق وفرائض متعین کرتا ہے۔ سڑک پر ہر شخص کو چلنے کی اجازت ہے، لیکن اگر ٹریفک کا کوئی قانون متعین نہ ہو، ہر شخص کو ہر سمت سے چلنے کی اجازت ہو اور سگنل کا نظام نہ ہو تو یقیناً روزانہ سینکڑوں حادثات ہوں گے اور نہ جانے کتنی جانیں اس بدنظمی کی نذر ہو جائیں گی، اسی کے سدباب کے لئے قانون ایک محافظ کا رول ادا کرتا ہے اور زندگی کی تنظیم اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔

قانون کون بنائے گا؟

اب سوال یہ ہے کہ انسان کے لئے قانون بنانا کس کا حق ہے؟ اس سلسلے میں یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی شخص کسی مشین کو بناتا ہے، یا کسی نئی چیز کو وجود میں لاتا ہے تو وہی اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتاتا ہے اور اس کی رہنمائی کے مطابق اس مشین کا استعمال کیا جاتا ہے، انسان ظاہر ہے کہ خود اپنا خالق نہیں، انسان نے خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا بلکہ وہ پیدا کیا گیا ہے اور یہ پیدا کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔(انتم تخلقونہ ام نحن الخالقون۔ الواقعۃ 59) ''کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنیوالے ہیں۔'' (سورہ واقعہ 59)

اس لئے ظاہر ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ ہی کا حکم چلے گا، اسی کا بنایا ہوا قانون انسان کے لئے موزوں اور مناسب ہوسکتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بار بار اس کی صراحت فرمائی ہے کہ حلال وحرام کے فیصلے کرنا اللہ ہی کا حق ہے (ان الحکم الا للّٰہ۔ الانعام 57) ''حکم صرف اللہ کا'' کیوں کہ جو خالق ہو وہی صاحب امر بھی ہوگا۔(الا لہ الخلق والامر ۔الاعراف 54) ''سن لو اسی کو پیدا کرنے اور حکم دینے کا حق ہے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ قانون بنانے والی شخصیت کے لئے ضروری ہے کہ اس میں دو باتیں پائیں: علم اور عدل۔ علم اس لئے ضروری ہے کہ جو انسان کی ضروریات، انسان کے مفادات وجذبات اور انسان پر پیش آنے والے حالات سے آگاہ نہ ہو، وہ اس کی زندگی کے بارے میں کیسے رہنمائی کرسکتا ہے؟ اور عدل اس لئے ضروری ہے کہ قانون کا مقصد ظلم کو روکنا اور تقاضائے انصاف کو پورا کرنا ہے، کہ جو خود عادل نہ ہو اور انصاف کرنے کی صلاحیت یا اس کا مزاج نہ رکھتا ہو، اس سے اس بات کی امید کیوں کر رکھی جاسکتی ہے کہ وہ تمام انسانی طبقات کے بارے میں عدل سے کام لے گا؟

غور کیا جائے تو انسانوں کا کوئی طبقہ، ایک فرد یا مجموعہ قانون وضع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی ضروریات سے واقف نہیں بلکہ وہ خود اپنے مفادات سے بھی آگاہ نہیں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کسی کام کو مفید سمجھ کر شروع کرتا ہے لیکن وہ آخر میں اس کے لئے مضر ثابت ہوتا ہے، نفع بخش سمجھ کر ایک قاعدہ وضع کرتا ہے لیکن کچھ ہی دنوں کے تجربہ کے بعد ٹھوکر کھاتا ہے اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔

اللہ کا قانون ہی انسانیت کے لئے باعث رحمت ہے

اللہ ہی وہ ذات ہے جو ساری کائنات کا خالق ہے، انسان مرد ہو یا عورت، باپ بیٹے ہوں، یا بھائی بہنیں، گورے ہوں یا کالے، کوئی سا بھی خاندان ہو یا قبیلہ، بلکہ انسان ہو یا جانور، بہائم ومویشی

> انسان کسی کام کو مفید سمجھ کر شروع کرتا ہے لیکن وہ آخر میں اس کے لئے مضر ثابت ہوتا ہے نفع بخش سمجھ کر ایک قاعدہ وضع کرتاہے لیکن کچھ ہی دنوں کے تجربہ کے بعد ٹھوکر کھاتا ہے اور اسے اپنی غلطی احساس ہوتاہے۔

ہوں یا کیڑے مکوڑے سب کا پیدا کرنیوالا وہی ہے، وہ جانتا ہے کہ کس شئی کو اس نے کس لئے پیدا کیا ہے اور کس شئی کے اندر کس بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت ہے، غرض یہ کہ ہر شئی کی بناوٹ، اس کی تخلیق کے مقصد اور اندرونی صلاحیت کو پوری طرح جاننے والا وہی خالق ہے، وہ کسی چیز کا محتاج وضرورت مند نہیں، اس لئے مخلوقات سے خالق کا کہیں ٹکراؤ نہیں ہوسکتا، اسی لئے وہ پوری انسانیت کے ساتھ عدل اور انصاف کا برتاؤ کرسکتا ہے، پس چونکہ اللہ تعالیٰ علیم ہیں خبیر ہیں، سمیع ہیں، بصیر ہیں، اور علم وعدل ان کی ذاتی صفت ہے جو کبھی ان سے جدا نہیں ہوسکتی، اس لئے قانون بنانے کا اختیار بھی انہیں کو ہے اور انہیں کا بنایا ہوا نظام بہتر اور خیر ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے" ان الدین عنداللہ الاسلام" ۔ آل عمران 19) ''بیشک دین جو ہے اللہ کے یہاں سو یہی اسلام ہے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں کے لئے جو قانون مفید اور جو نظام زندگی معتبر ہے، وہ صرف ''اسلام'' ہے۔

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو قانون ہمیں عطا فرمایا ہے، اس کے مختلف شعبے ہیں، ان میں سے ایک شعبہ اس قانون کا ہے جو انسانی سماج اور معاشرہ سے متعلق ہے، جس پر خاندانی نظام کی بنیاد واساس ہے، جو سماجی تعلقات کے اصول بتاتا ہے، جس میں خاندان کے مختلف افراد کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو متعین کیا گیا ہے، انہی قوانین کو آج عرب علماء ''قوانین احوال شخصیہ'' یا اردو میں ''عائلی قوانین'' اور انگریزی میں پرسنل لا یا فیملی لا (Family Law) کہتے ہیں۔

مسلم پرسنل لا برطانوی عہد میں

آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں صدیوں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے، گو عام طور پر ان حکمرانوں کو اسلام سے وہ تعلق نہیں تھا جو ہونا چاہئے تھا اور جو ایک مسلمان سے اس کے دین کا مطالبہ ہے، لیکن اس کے باوجود زندگی کے بہت سے شعبوں میں

اسلامی قانون نافذ تھا، جب انگریز اس ملک پر مسلط ہوئے تو آہستہ آہستہ قانون اسلامی کے مختلف شعبوں کو ختم کر دیا تھا، سب سے پہلے 1866 میں حکومت برطانیہ نے فوجداری قانون کو ختم کر دیا تھا، پھر قانون شہادت اور قانون معاہدات منسوخ کئے گئے، بالآخر نوبت ''معاشرتی قوانین'' جن میں نکاح وطلاق، خلع، میراث وغیرہ داخل ہیں، کے بارے میں غور کرنے کی آئی کہ کیا ان قوانین میں بھی تبدیلی کی جاسکتی ہے؟ اس مقصد کے لئے حکومت برطانیہ نے ''رائل کمیشن'' (Royal Commission) مقرر کیا، اور غالباً چار بار یہ کمیشن بیٹھا، لیکن ہر بار وہ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ ان قوانین کا مذہب سے گہرا تعلق ہے، اس لئے ان قوانین میں کوئی تبدیلی براہ راست مذہبی امور میں مداخلت اور مذہبی آزادی کو مجروح کرنے کے مترادف ہے، چنانچہ انگریز ایسا کوئی قدم اٹھانے سے باز رہے اور انہوں نے طے کیا کہ ان مسائل میں مسلمان ''قانون شریعت'' پر اور ہندو ''دھرم شاستر'' پر عمل کریں گے۔

شریعت اپلیکیشن ایکٹ

لیکن ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عدالت میں ایک مسلمان لڑکی نے اپنے والد کے ترکہ میں میراث کے لئے مقدمہ دائر کیا، ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی کے نقطہ نظر سے بیٹی لازمی طور پر اپنے باپ کے متروکہ میں وارث ہوتی ہے، بھائی نے اس مقدمے میں جواب دیا کہ چونکہ میں نسلی طور پر فلاں ہندو قوم سے تعلق رکھتا ہوں اور ہندوؤں کے یہاں لڑکیوں کو باپ کے ترکے میں حصہ نہیں ملتا، یہی رواج ہمارے خاندان میں چلا آرہا ہے اس لئے مجھ پر قانون شریعت کا نفاذ نہیں ہونا چاہئے، برطانوی قانون میں رواج کی بڑی اہمیت ہے، کیوں کہ یورپ کے اکثر ملکوں کے قوانین رومن لا (Roman Law) سے ماخوذ ہیں اور Roman Law میں رواج کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اسے قانون کا اہم ترین سرچشمہ تسلیم کیا گیا ہے، چنانچہ عدالت نے رواج کو اصل مانتے ہوئے بھائی کے حق میں فیصلہ دیا اور لڑکی کو اپنے باپ کے ترکہ سے محروم رکھا جو قطعاً قرآنی طریقے کے خلاف تھا۔

> حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ صدر جمعیۃ علماء ہند اور دیگر مشائخ کی مسلسل اور متحدہ کوششوں سے 1937میں ''شریعت اپلیکیشن ایکٹ'' بنا اس قانون کے مطابق ''نکاح ،طلاق، خلع، ظہار، مبارأة ، فسخ نکاح، حق پرورش، ولایت، حق میراث، وصیت، ہبہ اور شفعہ'' سے متعلق معاملات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان کا فیصلہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ عورتوں کے ساتھ نہایت ظلم کی بات ہے کہ محض عورت ہونے کی بنا پر اسے میراث سے محروم کر دیا جائے، یہ وہ وقت تھا کہ تمام علماء چیخ پڑے اور پورے ہندوستان میں آواز اٹھائی گئی، ہمارے اکابر علماء نے بڑی زبردست جدوجہد کے بعد شریعت اپلیکیشن ایکٹ پاس کرایا اور ہمارے اکابر مفکر اسلام مولانا ابوالمحاسن سجادؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ صدر جمعیۃ علماء ہند اور دیگر مشائخ کی مسلسل اور

متحدہ کوششوں سے 1937 میں ''شریعت اپلیکیشن ایکٹ'' بنا اس قانون کے مطابق ''نکاح، طلاق، خلع، ظہار، مبارأۃ، فسخ نکاح، حق پرورش، ولایت، حق میراث، وصیت، ہبہ اور شفعہ'' سے متعلق معاملات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان کا فیصلہ ہوگا، خواہ ان کا عرف اور رواج کچھ بھی ہو اور قانون شریعت کو عرف ورواج پر بالادستی حاصل ہوگی۔

مسلم پرسنل لا دستور ہند میں

یہ شریعت اپلیکیشن ایکٹ ایک اہم اور دوررس نتائج کا حامل قانون تھا، جو ہندوستان میں مسلمانوں کو پرسنل لا کا تحفظ فراہم کرتا تھا، ملک کے آزاد ہونے کے بعد بنیادی حقوق میں ''عقیدہ وضمیر کی آزادی'' ہر مذہب والوں کے لئے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کی دفعات رکھی گئیں، یہ دفعات مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہیں، کیوں کہ مسلم پرسنل لا سے متعلق قوانین کتاب وسنت پر مبنی ہیں، اگر ان میں مداخلت کی گئی تو یہ مذہب پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف ہوگا، نیز بحیثیت مسلمان جو احکام قرآن وحدیث میں موجود ہیں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان پر یقین رکھیں اور اس کے مخالف قانون کو قبول نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے نکاح وطلاق کے جو قوانین مقرر فرمائے ہیں اگر ہم اپنی زندگی کے لئے ان کے مقابلے میں کسی اور قانون کو بہتر اور قابل عمل سمجھتے ہیں، تو یہ بھی کفر ہے، پس گویا مسلمانوں کو ان قوانین میں تبدیلی قبول کرنے پر مجبور کرنا ان کو عقیدہ اور ضمیر کی آزادی سے بھی محروم کرنا ہے، حالانکہ آئین ہند میں بنیادی حقوق کے ذیل میں مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے جس کا لازمی مطلب مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی گارنٹی ہے۔

لیکن بدقسمتی سے دستور کے رہنما اصولوں میں ایک دفعہ (دفعہ 44) یکساں سول کوڈ سے متعلق رکھ دی گئی ہے، دستور ساز اسمبلی کے مسلم نمائندوں نے دستور بننے کے وقت بھی اس پر اعتراض کیا تھا، لیکن بہر حال یہ شق دستور میں باقی رہی، یہ بات قابل توجہ ہے کہ رہنما اصول میں بہت سی ایسی مفید ہدایات بھی موجود ہیں جن کے بارے میں حکومت نے کبھی غور کرنے کی بابت سوچا بھی نہیں، حالانکہ عوامی نقطہ نظر سے ان پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے، اور جو لوگ اپنے آپ کو روشن خیال اور دانشور کہتے ہیں ان کو بھی اس جانب توجہ نہیں ہوئی۔

ملک کے آزاد ہونے کے بعد بنیادی حقوق میں ''عقیدہ وضمیر کی آزادی'' ہر مذہب والوں کے لئے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کی دفعات رکھی گئیں، یہ دفعات مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔

حکومت کے بدلتے تیور

لیکن دستور کے نفاذ کے کچھ ہی سالوں بعد سے یکساں سول کوڈ کی آواز اٹھنے لگی اور ایسے گمراہ فکر لوگوں کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جانے لگا جن کو نہ اپنی قوم میں کوئی اعتماد حاصل ہے اور نہ قانون شریعت سے وہ صحیح طور پر آگاہ ہیں، بالآخر 1972 میں متبنی بل پیش ہوا جس کا مقصد بلا تفریق مذہب ملک کی تمام قوموں کے لئے متبنی کو اپنی اولاد کا درجہ دینا قرار پایا اور ان کو لے پالک لینے والے مرد وعورت کے ترکہ میں وارث قرار دیا گیا، ظاہر ہے کہ یہ قانون نہ صرف اسلام کے خلاف ہے، بلکہ عقل اور خرد کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ والدین اور اولاد کا رشتہ ایسا نہیں ہے کہ صرف زبان سے وجود میں آجاتا ہو، یہ ایک فطری رشتہ ہے اور ایک فطری محبت جو والدین اور اولاد میں ہوا

کرتی ہےاس مصنوعی رشتے کی وجہ سے پیدانہیں ہوسکتی۔

چنانچہ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے تمام ہی مکاتب فکر نے اس قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، ان حالات کے نتیجے میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں ایک اجلاس بلایا، حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے بڑے خطرے اوراس کی نزاکتوں کومحسوس فرمایااوراس وقت کےاکابرعلماءدیوبنداوردانشوراورقانون داں بھی اکٹھا ہوئے، انہوں نے بعض بہت اہم فیصلے کئے، انہی میں سے ایک اہم فیصلہ ممبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے کنونشن کے انعقاد کا تھا جسے وہاں کے علماء دانشوروں، مسلم سماجی کارکنوں اور مختلف جماعتوں کے ذمہ داروں نے حسن وخوبی کے ساتھ 28-27 دسمبر 1972 میں مہاراشٹرا کالج میں منعقد کیا، اس کنونشن کے نتیجے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا قیام عمل میں آیا۔

دوسرا مسئلہ پرسنل لا کی شرعی اہمیت

یادرکھنا چاہئے کہ مسلم پرسنل لا میں جن شعبہائے زندگی کے قوانین شامل ہیں، وہ نہایت اہم ہیں اوران کی جڑیں کتاب وسنت میں پیوست ہیں، بلکہ زیادہ تر احکام وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح تصریحات وہدایات موجود ہیں۔

جواحکام قرآن وحدیث میں موجود ہیں ان کو ماننا مسلمان اور صاحب ایمان ہونے کے لئے بنیادی شرط ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ماكان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم۔الاحزاب36)''کسی مسلمان مرداورعورت کواللہ اوراس کےرسول کے فیصلے کے بعداپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا''۔

گویا جب قرآن وحدیث کے ذریعہ کوئی حکم سامنے آجائے تو اب کوئی اختیارنہیں، ان احکام کے واضح ہونے کے باوجود جواللہ اور رسول کے بجائے ان لوگوں کا طریقہ اختیارکرے جوایمان کی دولت سےمحروم ہیں۔

(ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدىٰ ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولىٰ ونصله جهنم وسائت مصيرا۔النساء115)''اورجوکوئی مخالفت کرےرسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کےخلاف تو موڑ دیں گےاس کواسی طرف جدھروہ مڑگیا ہے اورڈالیں گےہم اس کودوزخ میں اور بہت براٹھکانہ ہے''۔

آج مسلمانوں سے جس یونیفارم سول کوڈ کو قبول کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے، یہ قانون کس طرح کا ہوگا؟ اسپیشل میرج ایکٹ، اورانڈین سکیشن ایکٹ میں اس کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے، جس کے تحت بین المذاہب شادیاں ہوسکتی ہیں، اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت نکاح کرنے والوں پر شریعت کا قانون میراث لاگونہیں ہوگا، اسی طرح انڈین سکیشن ایکٹ کی پہلی دفعہ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہرشخص کو وصیت کرنے کا حق ہے، چاہے جس کے لئے وصیت کرے اورجتنی مقدار کے لئے کردے، لے پالک کے قانون سے مسلمانوں کو استثناء کردیا گیا ہے، لیکن دوسری قوموں کے لئے یہی قانون نافذ ہے کہ متبنیٰ کی حیثیت اصل اولاد کی ہوگی، تو ظاہر ہے کہ یکساں سول کوڈ میں بھی اس طرح کی بات آئے گی، ظاہر ہے کہ یہ تمام احکام قرآن کےصریح احکام کےخلاف ہیں، اس لئے یکساں سول کوڈ ایک مسلمان کے لئے قطعاً ناقابل قبول ہے۔

اوراس سے قوانین کوقبول کرنے کا مطالبہ کرنا نہ صرف مذہب پرعمل کرنے کی آزادی کے حق میں مداخلت ہے بلکہ ان کوعقیدہ وضمیر کی آزادی سے بھی محروم کرنے کے مترادف ہے اور درحقیقت جمہوریت کا قتل اور ملک کے سیکولر کردار کومسخ کردینے کی نہایت مذموم اورناپسندیدہ کوشش ہے۔

ان سطور سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے مسلم پرسنل لا کی کیا اہمیت ہے اور قانون شریعت کس قدر انسانی فطرت اور انسان کی سماجی ضروریات سے ہم آہنگ ہے۔

خطرات اور اندیشے

اب ایک نظر ان خطرات پر بھی ڈالئے جو مسلم پرسنل لا کے گرد منڈلا رہے ہیں، یہ بات پہلے آچکی ہے کہ دستور کے بنیادی حقوق میں مسلم پرسنل لا کو تحفظ دیا گیا ہے، دوسری طرف رہنما اصول کی دفعہ 44 یکساں سول کوڈ کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، بظاہر دستور کی ان دونوں دفعات میں تعارض سا محسوس ہوتا ہے کیوں کہ معاشرتی قوانین کے سوا زندگی کے تمام شعبوں میں پہلے ہی سے یکساں سول کوڈ موجود ہے اور اس پر عمل بھی ہو رہا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ اس دفعہ کا اصل نشانہ یہی عائلی قوانین ہیں چنانچہ جس وقت دستور بن رہا تھا اس وقت بھی ہمارے زعماء نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا، مولانا حسرت موہانی اور جناب محمد اسماعیل مرحوم نیز دستور ساز اسمبلی کے بعض مسلم ارکان نے اس دفعہ میں ترمیم پیش کی تھی کہ جن قوموں کا پرسنل لا ہے، ان کو ہاتھ لگائے بغیر یونیفارم سول کوڈ بنایا جائے گا۔

لیکن ملک ابھی آزاد ہی ہوا تھا اس وقت مسلمان جن حالات سے گزر رہے تھے اس سے ہر شخص واقف ہے، مسلمان اس وقت اس موقف میں نہیں تھے کہ اس کے خلاف کوئی تحریک چلاسکیں، چنانچہ یہ ترمیمات رد کردی گئیں اور ڈاکٹر امبیڈکر کی اس وضاحت پر لوگوں کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا کہ ''کوئی پاگل ہی سرکار ہوگی جو مسلمانوں کے پرسنل لا کو ختم کرے گی، کیا وہ پسند کریں گے کہ مسلمان بغاوت کرجائیں''؟

لیکن جوں جوں حالات بدلتے گئے حکومت کی بدنیتی سامنے آنے لگی، اور انہی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے 1972 میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا، اب حالات پہلے سے زیادہ خراب ہیں، پہلے جو سیاسی پارٹیاں اقتدار میں تھیں وہ کم از کم زبان سے قانون شریعت میں تبدیلی کی بات نہیں کہتی تھیں، بلکہ چور دروازے سے اس کام کو کرنا چاہتی تھیں لیکن اب فسطائی طاقتیں بام اقتدار پر چڑھ چکی ہیں اور انہوں نے اپنے ایجنڈے میں ''یکساں سول کوڈ'' کی بات رکھی ہے، اس لئے اب ہمیں زیادہ قوت، حوصلہ، تدبر اور سمجھداری کے ساتھ یہ لڑائی لڑنی ہے اور ان کا مقابلہ کرنا ہے۔

کیا یکساں سول کوڈ سے قومی یکجہتی پیدا ہوگی؟

جو لوگ یکساں سول کوڈ کی بات کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ یکساں معاشرتی قوانین سے قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہوگی اور تمام قومیں ایک دوسرے سے قریب آئیں گی، لیکن یہ محض ایک غلط فہمی ہے، ہمارے ہی ملک کے صوبہ پنجاب میں ایک عرصے تک سکھ اور ہندو ایک دوسرے سے دست وگریباں رہے ہیں، آسام میں آسامیوں اور بنگالیوں بلکہ خود آسام کے مختلف قبائل میں جس درجہ آویزشیں پائی جاتی ہیں، ان سے کون ناواقف ہوگا؟ حالانکہ ان کے پرسنل لا ایک ہی ہیں، برطانیہ اور جرمنی میں کیسی خونریز جنگیں ہوچکی ہیں جنہیں تاریخ میں ''جنگ عظیم'' کہا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ان سب کا مذہب ایک ہی اور ان کے پرسنل لا بھی ایک ہی تھے، لیکن پرسنل لا کی وحدت نے ان بھیانک جنگوں کو نہیں روکا، ماضی قریب میں عراق اور کویت کی جنگ کل کی بات ہے، حالانکہ دونوں ملکوں کے رہنے والے مسلمان تھے اور ان کے پرسنل لا بھی ایک تھے، تو اگر پرسنل لا کی وحدت قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے میں مؤثر ہوتی تو یقیناً ایسی بھیانک جنگیں نہ ہوتیں۔

اور پھر سوال یہ ہے کہ قومی یکجہتی کے لئے کہاں تک وحدت پیدا کی جاسکتی ہے؟ اگر معاشرتی قوانین یکساں کر بھی دئے جائیں تو تہذیب وتمدن اور ثقافت کا اختلاف ضرور باقی رہے گا، زندگی میں

انسان قدم قدم پر جس چیز سے دوچار ہوتا ہے اور جس سے تعصب اور گروہ بندی پیدا ہوتی ہے وہ ''زبان'' ہے۔ ملک میں کتنی ہی زبانیں بولی جاتی ہیں، بلکہ آج تک جنوبی ہند کی ریاستوں نے رابطہ کی زبان کی حیثیت سے ہندی کو قبول نہیں کیا ہے، تو کیا قومی یکجہتی کے نام پر تمام قوموں پر ایک ہی زبان مسلط کر دی جائے گی؟ اور اگر ایسا سوچا گیا تو کیا اس ملک کی وحدت اور سالمیت باقی رہے گی!؟

اس لئے حقیقت یہ ہے پرسنل لا کی وحدت کی وجہ سے قومی یکجہتی پیدا ہونے کا خیال محض ایک وہم ہے، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے، بلکہ یہ ملک کے لئے سخت نقصاندہ ہے اس ملک کی اساس ہی کثیر مذہبی جمہوریت کے تصور پر ہے، اسی ہمہ رنگی میں اس ملک کی بقاء اس کی سالمیت اور اس کی خوبصورتی ہے اور یہی اس دستور کی روح ہے جسے قوم کے معماروں نے خوب سوچ سمجھ کر بنایا ہے۔

ہماری ذمہ داریاں

ان حالات میں سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح مسلم پرسنل لا کا تحفظ اور جو خطرات ہمارے سامنے ہیں ان کا مقابلہ کریں؟

اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام کے عادلانہ قانون کے نفاذ کے لئے ہم امت کو مشینری اور سسٹم فراہم کریں۔ یعنی نظام قضاء قائم کریں اور مسلمان رضاکارانہ طور پر شریعت کے فیصلوں کو اپنے اوپر نافذ کریں۔

نظام قضاء کا قیام اور اس کی شرعی اور سماجی اہمیت

اس حقیقت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے کہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں اور انہیں جو مقام عطا کیا ہے دنیا کے کسی مذہب اور کسی قانون میں شاید ہی اس کی مثال مل سکے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے ملک کے عدالتی نظام نے ان حقوق کے حاصل کرنے کو بہت ہی دشوار بنا دیا ہے، مقدمات کی طویل کارروائیاں اور اخراجات کے بوجھ کی وجہ سے مظلوموں کو اپنا حق حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اس لئے قانون شریعت سے فائدہ اٹھانے کے لئے دارالقضاء کا نظام نہ صرف شرعی نقطہ نظر سے بلکہ سماجی اعتبار سے بھی نہایت ضروری اور اہم ہے۔

مسلمان خواہ دنیا کے کسی خطہ میں ہوں، انہیں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہی زندگی گزارنی ہے اور کتاب وسنت کے فیصلوں کے سامنے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فلاوربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوفی أنفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔(النساء56) ''سوقسم ہے تیرے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے''۔ اللہ اور رسول کا فیصلہ کیسے معلوم ہوگا؟ قاضی کے فیصلے کے ذریعہ، اس لئے مسلمان خواہ کسی علاقہ میں ہو، نظام قضاء کا قائم کرنا ان پر واجب ہے، متعدد فقہاء نے بار بار اس بات کو لکھا ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''وہ ممالک جہاں مسلمان مغلوب ہیں جیسے قرطبہ، بلنسیہ آج کے زمانے میں، ایسے ملکوں میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک شخص کے امیر ہونے پر متفق ہو جائیں اور وہی امیر ان کے لئے قاضی مقرر کرے، یا خود خصومات کی سماعت کر کے فیصلہ کرے''۔

چنانچہ ہندوستان میں جب انگریزوں نے تسلط حاصل کر لیا تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے فتاویٰ میں ہندوستان کے مسلمانوں پر نظام قضاء کے قیام کو لازم قرار دیا اور مختلف علماء نے اس کے لئے کوششیں کیں، بالآخر اس عظیم

بہت سی معاشرتی بیماریاں ہیں جو کچھ تو جہالت اور خداناترسی کی وجہ سے ہیں، اور کچھ برادران وطن کے رسم ورواج سے متاثر ہوکر ہمارے سماج میں گھس آئی ہیں، اگر ہم نے ان برائیوں کو دور نہیں کیا تو اللہ کی مدد ہم سے اٹھ جائے گی اور ظاہر ہے کہ نصرت خداوندی کے بغیر ہمارا یہ کارواں آگے نہیں بڑھ سکتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے دوسروں کو اس بات کا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ قانون شریعت پر انگلیاں اٹھائیں

فریضہ محکمہ کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو اٹھایا اور انہوں نے بہار واڑیسہ میں نہایت منظم طریقہ پر نظام قضاء قائم فرمایا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو شروع سے نظام قضاء کی اہمیت کا احساس ہے، اجلاس جے پور میں اس کے لئے باضابطہ تجویز منظور ہوچکی ہے اور بورڈ نے بار بار علماء اور ارباب حل وعقد کو اس جانب متوجہ کیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ پورے ملک میں نظام قضاء کا جال بچھا دیا جائے اور مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی جائے کہ وہ اپنے نزاعی معاملات کو قاضیوں کے ذریعہ حل کریں، دار القضاء کے پاس گو پولس کی طاقت نہ ہو، لیکن اس کے ہاتھوں میں اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت ہوگی اور اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول کی مرضیات کا آئینہ دار ہوگا، انشاء اللہ یہی چیز مسلمانوں کو دار القضاء تک کھینچ کر لائے گی، انہیں انصاف بھی ملے گا، وہ عدالتوں میں بار بار حاضری کی ذلت سے بھی بچیں گے، جھوٹی قسموں سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کریں گے، بلاوجہ کثیر رقم کے بے جا خرچ سے بھی اپنے آپ کو بچا سکیں گے، اور اسلام کے سماجی قوانین میں جو راحت، جو عدل، جو رعایت اور عافیت ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے، حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو ان کے جائز حقوق دلانے کی اس سے بہتر کوئی اور صورت نہیں، حقوق خواہ کتنے بھی مقرر کرلئے جائیں، اگر وہ حاصل نہ ہوسکیں اور ان کے حصول کو آسان نہ بنایا جاسکے تو ان کا کچھ فائدہ نہیں۔

قانون شریعت کی افادیت کا ادراک

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ ہم خود قانون شریعت اور اس کی اہمیت سے واقف ہوں اور اپنے آپ کو اتنا باشعور بنائیں کہ نہ صرف دوسرے مسلمانوں بلکہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کو بھی ان قوانین کی افادیت، فطرت انسانی سے ان کی مطابقت اور انسانی زندگی کے لئے ان کی اہمیت بتاسکیں اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کرسکیں، کیوں کہ یہ جمہوریت کو بچانے اور سیکولرزم کی حفاظت کرنے کی لڑائی ہے، اس میں ہمیں دوسری اقلیتوں اور خود اکثریتی فرقہ کے سیکولر اذہان کے حامل اشخاص کو بھی ساتھ لینا ہے اس لئے کہ یہ محض مسلمانوں کا مسئلہ نہیں بلکہ اس ملک میں مذہبی قدروں کی بقا کا مسئلہ ہے، افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی جنہوں نے یا تو اسلام کو پڑھا نہیں یا مستشرقین کی کتابوں میں پڑھا ہے، وہ خود اسلام کے تئیں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

احکام شریعت پر عمل

دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہم قانون شریعت پر عمل کریں، حقیقت یہ ہے ہم خود ہی اللہ اور رسول کے احکام کو توڑتے ہیں،

عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کو روار کھتے ہیں، بیٹی کو میراث نہیں دی جاتی، بیوہ کو اس کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے، شادیوں میں جہیز اور تلک کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو قطعاً ناجائز اور حرام ہے، بڑی تعداد میں بارات لے جائی جاتی ہے، بعض لوگ عورتوں کو لٹکا کر چھوڑ دیتے ہیں نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ انہیں طلاق دے کر اپنے نکاح سے آزاد کرتے ہیں، محض جذبہ عناد کے تحت ایک سے زیادہ نکاح کئے جاتے ہیں اور بیویوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ نہیں کیا جاتا ہے، کسی ضرورت شرعی کے بغیر محض وقتی اشتعال کے تحت طلاق دی جاتی ہے اور وہ بھی ''ایک'' نہیں بلکہ ''تین''۔ غرض بہت سی معاشرتی بیماریاں ہیں جو کچھ تو جہالت اور خدا ناترسی کی وجہ سے ہیں، اور کچھ برادران وطن کے رسم ورواج سے متاثر ہوکر ہمارے سماج میں گھس آئی ہیں، اگر ہم نے ان برائیوں کو دور نہیں کیا تو اللہ کی مدد ہم سے اٹھ جائے گی اور ظاہر ہے کہ نصرت خداوندی کے بغیر ہمارا یہ کارواں آگے نہیں بڑھ سکتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے دوسروں کو اس بات کا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ قانون شریعت پر انگلیاں اٹھائیں اور شریعت مطہرہ کے خلاف زبان کھولیں، اس سے زیادہ بدنصیبی اور بدبختی کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر انگشت نمائی کا ذریعہ بنیں۔

اتحادامت

تیسری ضروری چیز امت کا اتحاد واتفاق ہے، 1972ء میں ہمارے بزرگوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صورت میں ایک ایسا قافلہ ترتیب دیا جس میں حوصلہ تھا، جذبہ اتحاد تھا، قانون شریعت کے تحفظ کا عزم تھا اور ہر قیمت پر راہ کی مشکلات سے گزر کر منزل تک پہنچے کا پختہ ارادہ تھا، یہی وہ چیز تھی جس نے حکومت کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اور اسی وجہ سے مختلف مواقع پر قانون شریعت کی حفاظت کی مہم میں ہم نے کامیابیاں حاصل کیں، اور آئندہ بھی اتحاد ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔

مصیبت اور آزمائش دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر دیتی ہیں، جب سیلاب آتا ہے اور آندھیاں اٹھتی ہیں تو شیر اور ہاتھی اور سانپ اور نیولے سبھی مل کر اپنی جان بچاتے ہیں، آج مسلمان آزمائش کی اسی گھڑی میں ہیں، فرقہ پرست طاقتیں اقتدار کے نشہ میں ہیں اور وہ اعلانیہ مسلمانوں کو قانون شریعت سے محروم کرنے اور ہم پر خود ساختہ قوانین کو مسلط کرنے کے درپے ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ ہمارے صفوں میں انتشار پیدا کریں تاکہ ہمارا شیرازہ بکھر جائے کیوں کہ ایک کمزور اور بکھری ہوئی قوم کو اپنی گرفت میں لینا آسان ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم ہر طرح کے گروہی مسلکی اور جماعتی اختلافات سے اوپر اٹھ کر مشترکہ مسائل میں اتحاد کا ثبوت دیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم (الانفال 46)

''اور آپس میں نہ جھگڑو، پس بزدل ہوجاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا''۔

آخری بات

اگر ہم اپنی صفوں کو متحد رکھیں گے، اشتعال سے بچتے ہوئے تدبر اور حکمت عملی کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں گے، اللہ کے دین کی محبت ہمارا زادِ سفر ہو اور حوصلہ وہمت ہمارا ہتھیار، باہمی اعتماد اور ہر حال میں نظم واجتماعیت کے ساتھ رہنے کا عزم، تو کوئی طاقت نہیں جو ہماری راہ میں رکاوٹ بن سکے اور ہمیں منزل مقصود تک پہنچنے سے روک سکے۔

لتوفيق وهو المستعان.

مسلم پرسنل لاء اور اسلام

مولانا صدرالدین، اصلاحیؒ

'مسلم' نہیں 'اسلامک' لا

حقیقت واقعی یہ ثابت ہوجانے کے بعد کہ 'مسلم پرسنل لا کہے جانے والے احکام اصلاً دین ہی کا ہی ایک جز ہیں اوران کی حیثیت ان دوسری قوموں کے شخصی قوانین سے قطعی مختلف ہے جنہوں نے انہیں خود وضع کررکھا ہے، انہیں 'مسلم پرسنل لا' کہنا بھی امر واقعہ کی اگر غلط نہیں تو غیر محتاط تعبیر ضرور ہے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ قوانین مسلم نہیں بلکہ اسلامی قوانین ہیں، ان کا سرچشمہ مسلمانوں کی اپنی عقل وفہم، اپنی پسند اور اپنی صوابدید نہیں، بلکہ قرآن اور سنت ہیں۔ اس لئے انہیں مسلم پرسنل لا کے نام سے یاد کرنا نادانستہ یا دانستہ کی اصل حیثیت پر پردہ ڈال دینا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ نام بھی دراصل اسی انگریزی دور کا ایک نامبارک عطیہ ہے جس میں مسلمانوں کی تہذیب اوران کے دین کو جراحتیں پہنچانے اور ان کی تصور کو مسخ کرڈالنے کی مسلسل کوششیں ہوتی رہتی تھیں۔ اسی اسلام دشمن یا اسلام ناشناس انداز فکر کے نتیجے میں قرآن اور اسلام کے احکام کو'قرآنک لا' اور'اسلامک لا' کہنے کے بجائے محمڈن کی تعبیر اختیار کی گئی، اور قانون کی کتابوں اور عدالتوں میں اسے رواج دے کر عام زبانوں پراس طرح چڑھادیا گیا گویا اس کے صحیح اور حقیقت کے عین مطابق ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں اور پھراسی کے شاخسانے کے طور پر ان احکام شریعت کو جو مسلمانوں کی شخصی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں 'مسلم پرسنل لا' کا نام دے دیا گیا۔ حالانکہ وہ 'مسلم' نہیں 'اسلامک لا' تھے۔ اس لئے راستی اور حقیقت پسندی ہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان احکام کوان کے اسی اصل نام سے یاد کیا جائے۔ یہ صرف حقیقت پسندی ہی کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ضرورت کا بھی تقاضا ہے۔ آج اسلام سے ناواقفیتی کا یہ عالم ہے کہ اکثر تعلیم یافتہ کہے جانے والے افراد بھی کسی چیز کے'اسلامی' اور مسلم ہونے میں فرق نہیں کرتے۔ ایسی صورت حال میں اگر 'مسلم پرسنل لا' کی اصطلاح اسی طرح جاری رہتی ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہوگا کہ ان احکام شریعت کی اصل تصویر عام نگاہوں کو دکھائی نہ دے سکے گی۔ لوگ یہی خیال کریں گے کہ یہ تو 'مسلم پرسنل لا' ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ تمام تر تعلق اس کا صرف مسلمانوں سے ہی ہے۔ اور یہ مسلمان نامی قوم کے ویسے ہی خالص تمدنی قوانین ہیں جیسے کہ دنیا کی بہت سی قوموں کے شخصی قوانین، مذہب سے

آزاد اور خالص تمدنی وضع کے ہیں۔ کیا اتنی بڑی بنیادی غلط فہمی کو باقی رکھنا اور اسے غذا دیتے رہنا انصاف اور معقولیت کی بات ہے؟

جزو دین ہونے کی منطقی وجہ

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ یہاں ذرا رک کر وہ وجہ بھی سمجھ لی جائے جس کے نتیجے میں اسلامی تعلیمات کا دائرہ عائلی اور معاشرتی مسائل تک وسیع ہے۔

یہ وجہ ان بنیادی تصورات میں پائی جاتی ہے۔ جو قرآن حکیم نے 'اللہ، دین' اور 'عبادت' کے بارے میں ظاہر فرمائے ہیں، اور جن کے سوا ہر تصور اس کے نزدیک یا تو ناقص ہے، یا یکسر غلط جاہلانہ اور باطل ہے۔ ان تصورات کی ضروری وضاحت مختصر لفظوں میں یہ ہے۔

خدا وہ ہستی ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور ہر مخلوق کی پروردگار ہے۔ وہ ربوبیت، عدل، حکمت، رحمت، قدرت اور علم کل وغیرہ ساری اچھی صفات سے کمال کی حد تک متصف ہے۔ وہ جس طرح پوری کائنات کا خالق اور پروردگار ہے اسی طرح اس کا مدبر و منتظم بھی ہے، مالک اور آقا بھی ہے، حاکم اور مقتدر اعلیٰ بھی ہے، شارع اور قانون دہندہ بھی ہے، اور معبود و مسجود بھی ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس کی صفات میں اس کی ان حیثیتوں میں، اس کے اختیارات میں اور اس کے حقوق میں ذرہ برابر شریک نہیں۔ اس لئے پرستش کے لائق بھی صرف وہی ہے اور اطاعت حقیقی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا مستحق بھی وہی ہے۔

پرسنل لا سے محروم ہوجانے کے بعد ملت کی شخصیت کسی طرح برقرار نہیں رہ سکتی۔ کیوں کہ جس پرسنل لا کی یہ اہمیت ہو کہ وہ قوم کی مخصوص شخصیت کا قالب بھی ہوتا ہے اور اس کی روح کا محافظ بھی، اس سے محروم ہوجانے کے بعد بھی اس کی شخصیت کا باقی رہ جانا بالکل غیر منطقی ہوگا۔ اس محروم کے معنے واضح طورپر یہی ہوں گے کہ اس قوم کو اپنی شخصیت سے محروم کردیا گیا اور اس سے اس کی اپنی ہستی چھین لی گئی۔

دین خدا کے اس ہدایت نامے یعنی ان احکام وقوانین کے مجموعہ کا نام ہے جو اس طرف سے انسان کو راہ راست دکھانے، جادۂ حق پر چلانے اور حقیقی فلاح کی منزل تک پہنچانے کیلئے عطا ہوا ہے یہ خدا کے عادل، حکیم، پروردگار اور حاکم ومقتدر اعلیٰ ہونے کا عین تقاضا تھا کہ وہ انسان کو اس کی اخلاقی اور روحانی زندگی کے لئے بھی اسی طرح 'سامان رزق' مہیا کرے جس طرح اس نے اس کی مادی زندگی کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔ ورنہ اس کی ربوبیت ناتمام اور اس کا عدل ناکام، اس کی حکمت بے مغز اور اس کی حاکمیت یکسر بے معنی ثابت ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں پھر خدا خدا کہلانے ہی کا حق دار نہ ہوتا۔ دوسری طرف انسان بھی اس بات کا شدید ضرورت مند تھا کہ اسے اپنی زندگی کے مقصد کے اور اس مقصد کے حصول کی صحیح راہ سے اچھی طرح باخبر کردیا جاتا، اسے اپنے پرودگار کی مرضی اور اپنے حاکم حقیقی کے احکام دے دیا جاتا، تاکہ اس علم کی رہنمائی میں وہ اپنے لئے فکر وعمل کی سیدھی راہ پا سکتا، اور ظن وتخمین کے اندھیروں میں ہی بھٹکتا نہ رہ جاتا۔ چونکہ دین کا منشاء ومدعا یہ تھا، وہ انسان کی پوری اخلاقی زندگی کی ضرورت کی چیز تھی، وہ خدا کی صفات ربوبیت وحاکمیت کا فطری مقتضا تھا، اس

لیے وہ حیات انسانی زندگی کا کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں جس کے سلسلے میں اخلاقی پہلو کی، حسن وقبح کی بحث نہ پیدا ہوتی ہو، اس لئے ضروری تھا کہ دین یعنی ہدایت الٰہی بھی کسی معاملے کو نظر انداز نہ کرے اور کوئی شعبہ حیات بھی اس کی رہنمائی سے محروم نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ آخری دین، اسلام بھی ایک ایک کر کے سارے ہی مسائل حیات سے بحث کرتا ہے اور عبادت گاہ سے لے کر اجتماعی زندگی کے آخری زندگی کے سرے تک ہر معاملے میں متعلق ہدایتیں دیتا ہے۔ اور ان سبھی ہدایات کے مجموعے کا نام 'دین' ہے اور اس مجموعے کا ہر حصہ یکساں طور پر دین کا جزو ہے۔

عبادت کا مفہوم اسلام کی نگاہ میں پوجا اور پرستش سے بہت وسیع ہے۔ خدا کی پرستش اور اس کی یاد یقیناً عبادت کی جان ہے، مگر کل عبادت نہیں، کل عبادت یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین کی مکمل پیروی کی جائے، کسی تفریق وتقسیم کے بغیر کی جائے۔ اور پورے اخلاص اور سچے جذبۂ اطاعت کے ساتھ کی جائے جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا، اللہ کا بھیجا ہوا یہ دین، ایک جامع ہدایت نامہ ہے، اور پوری انسانی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس لئے اللہ کی عبادت کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس ہدایت نامے اور اس مجموعۂ احکام خداوندی کے ایک ایک حرف کو دانتوں سے نہ پکڑا جائے اور پوری زندگی اس ہدایت کے حوالے نہ کر دی جائے۔

جب خدا اور دین وعبادت کے صحیح تصورات قرآن اور اسلام کے نزدیک یہ تھے کہ تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ انسان کی شخصی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات سے انہیں کوئی بحث ہی نہ ہوتی؟ یا اگر بحث ہوتی بھی تو وہ نہ دین کا جزو قرار پاتی، نہ عبادت اور خدا پرستی کے لوازم میں شمار ہوتی؟ عائلی اور معاشرتی معاملات بھی تو اسی انسانی زندگی کا ایک حصہ تھے، بلکہ انتہائی اہم اور ہر حال میں ناگزیر حصہ تھے۔ پھر ان کو خدا کا دین کس طرح نظر انداز کر دیتا؟ ان کے بارے میں ہدایتیں نہ دیتا؟ حق، عدل اور راستی کے تقاضے نہ بتایا؟ یا جو احکام ان کے سلسلے میں اس نے دئے ہیں ان کی کوئی دینی اہمیت نہ ہوتی؟ ان کی پابندی ضروری نہ قرار دی جاتی؟ مومن ومسلم ہونے پر ان کی پیروی یا عدم پیروی کا کوئی اثر نہ پڑتا؟

بلاشبہ جن لوگوں کا تصور خدا اور تصور دین اور تصور عبادت کچھ اور ہے۔ اور بلاشبہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ ان کے لئے اسلام کے شخصی قوانین کی دینی حیثیت کو سمجھ پانا اور اسے معقول تسلیم کرنا بڑا مشکل ہے۔ مگر یہاں گفتگو معقولیت اور غیر معقولیت کی بالکل نہیں ہو رہی ہے، بلکہ نفس واقعہ کی ہو رہی ہے۔ اور نفس واقعہ بالبداہت یہی ہے، جس کا انکار کسی طرح نہیں کیا جا سکتا، کہ یہ قوانین دینی حیثیت کے مالک اور دین کا جزو ہیں، اور ایسا ہونا قرآنی تصور دین وتصور خدا کے پیش نظر بہر حال ضروری تھا۔

مسلمانوں کے شخصی قوانین کی جو اصل حیثیت اور بنیادی اہمیت ہے وہ اوپر کے مباحث سے پوری طرح واضح ہو چکی ہے، اور اس بارے میں مزید بحث وتمحیص کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن حالات کا تقاضا پھر بھی یہ ہے کہ ان قوانین کی اس مسلمہ حیثیت، دینی حیثیت، سے ہٹ کر خالص تہذیبی اور ملی پہلو سے بھی ان کی قدر وقیمت کا جائزہ لے لیا جائے۔ تا کہ جن لوگوں کا ذہن، کسی نہ کسی وجہ سے ان کی دینی حیثیت کو سمجھ پانے سے قاصر ہے وہ بھی یہ محسوس کر لینے کے قابل ہو سکیں کہ مسلمان اگر اپنے پرسنل لا کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں تو انہیں ایسا کرنا ہی چاہئے۔

اگر ملی اور تہذیبی مصالح کو نظر میں رکھ کر مسلم قوانین شخصی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی اہمیت کے درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔

پرسنل لا......ملی شخصیت کا قالب

پہلی بات تو یہ کہ مسلمانوں کے شخصی قوانین ان کی ملی شخصیت

کے لئے اتنے ہی ناگزیر ہیں جتنا کہ کسی زندہ جسم کے لئے اس کے اعصاب ضروری ہوتے ہیں۔ اس امر کی وجہ یا اس دعوے کی صداقت معلوم کرنے کے لئے ملتوں اور تہذیبی گروہوں کی ساخت پر غور کیجئے اور یہ دیکھئے کہ وہ تہذیبی گروہ کس طرح بنا کرتے ہیں؟ وہ کون سے مخصوص عناصر ہوتے ہیں جو کسی مجموعہ افراد کو، دوسرے تمام افراد اور گروہوں سے الگ ایک منفرد شخصیت رکھنے والے گروہ اور ایک مستقل ملت کی حیثیت دے دیتے ہیں۔ اس غور وفکر کے نتیجے میں آپ دیکھیں گے کہ اس معاملے میں اگر چہ اولیں اہمیت بنیادی عقائد وتصورات ہی کو حاصل ہوتی ہے اور وہی اس ملت کی انفرادیت کا حقیقی سرچشمہ ہوا کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ان احکام وضوابط اور آداب ورسوم کی اہمیت بھی اس باب میں کچھ کم نہیں ہوتی جن کے تحت اس ملت کے افراد کی پوری زندگی بسر ہوا کرتی ہے۔ یہ اس لئے کہ عقائد وافکار آنکھوں کو دکھائی دینے والی شئے نہیں ہوتے، کہ وہ کسی ملت کی شخصیت کا مظہر اور اس کی انفرادیت کی علامت فارقہ بن سکیں۔ عملاً تشخص اور انفرادیت کی علامت تو اس کے وہ ظاہری طور طریقے اور قوانین وضوابط ہی بنا کرتے اور بن سکتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے بنیادی عقائد وتصورات کے تحت اختیار کئے ہوتی ہے، اور جن کے مطابق اس کی زندگی کا پورا کاروبار چل رہا ہوتا ہے۔ پھر چوں کہ ان قوانین وضوابط کے مختلف شعبے قوم کی عملی ضرورت اور اس کی عام زندگی سے عملی ربط کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے، اس لئے اس کی شخصیت کی تشکیل میں بھی ان کا عمل دخل برابر نہیں ہو سکتا جن قوانین کا ربط، افراد قوم کی زندگی سے جتنا ہی زیادہ ہوگا ان کا عمل دخل بھی اس اس کی تشکیل ذات میں اتنا ہی بڑا ہوگا۔ اب ہر شخص جانتا ہے کہ اس پہلو سے شخصی قوانین ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ رجاعت، حضانت اور کفالت، نکاح، مہر اور نفقہ، ازدواجی حقوق اور فرائض، طلاق، خلع، فسخ نکاح، وراثت، وصیت اور وقف ایسے مسائل ومعاملات ہیں جن کا عملی تعلق سبھی لوگوں سے ہوتا ہے اور تقریباً فرد فرد کی زندگی ان سے گھری ہوتی ہے۔ جب کہ دوسرے مسائل حیات کا عملی رابطہ نسبتاً محدود افراد ہی زندگی سے ہوتا ہے، یا محدود پیمانہ پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی بات ہے کہ معاملات زندگی کو منضبط کرنے والے مقدم الذکر قوانین کی ملی اہمیت بھی بہت زیادہ اور نمایاں تر ہوگی اور ملت کی انفرادیت اور مخصوص شخصیت کا انحصار جتنا ان پر ہوگا دوسرے قوانین پر ہرگز نہ ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عام حالات میں یہی قوانین اس انفرادیت اور مخصوص شخصیت کے آئینہ دار ہوں گے۔ یہی وہ قالب ہوں گے کہ جس کے اندر یہ شخصیت پائی جا سکے گی، جس کے ذریعے اسے پہنچانا جا سکے گا، جو اس کے وجود وبقا کا ضامن بن سکے گا۔

عبادت کا مفہوم اسلام کی نگاہ میں پوجا اور پرستش سے بہت وسیع ہے۔ خدا کی پرستش اور اس کی یاد یقیناً عبادت کی جان ہے۔ مگر کل عبادت نہیں، کل عبادت یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین کی مکمل پیروی کی جائے، کسی تفریقی وتقسیم کے بغیر کی جائے۔ اور پورے اخلاص اور سچے جذبۂ اطاعت کے ساتھ کی جائے

پرسنل لا......روح ملت کا محافظ

دوسری بات یہ کہ شخصی قوانین ملت اسلامیہ کی ملی روح کے محافظ بھی ہیں۔ کیوں کہ ملتوں کی زندگی اور موت کے مسئلے پر اگر گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ کسی بھی ملت کے شخصی قوانین کی بقا سے ان عقائد وافکار تک کی زندگی وابستہ ہوتی

ہے جن کی اساس پر اس کی تشکیل ہوئی ہوتی ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ قوانین اگر چہ اس کی اصل واساس نہیں ہوتے لیکن اس کی اصل واساس کے لئے ناگزیر بہر حال ہوتے ہیں۔ اس کی مثال درخت کی سی ہے۔ درخت کی شاخیں اور پتیاں اگر چہ اس کی جڑ ہی سے نکلتی ہیں، اور یہی جڑ ان کو زندگی اور شادابی بخشتی رہتی ہے، لیکن خود یہ جڑ بھی اپنی زندگی اور تازگی کے بارے میں اپنی ان شاخوں اور پتیوں سے یکسر بے نیاز نہیں ہوتی، چنانچہ جہاں جڑ کے کٹ جانے یا سوکھ جانے سے شاخیں اور پتیاں بھی سوکھ کر رہ جاتی ہیں۔ وہیں دیکھنے میں یہ بھی آتا ہے کہ جس درخت کی پتیاں اور شاخیں کسی چیز کا شکار ہوگئی ہوں یا کاٹ ڈالی گئی ہوں اس کی جڑ بھی زیادہ دنوں تک اپنی قوت اور تازگی باقی نہیں رکھ پاتی، اور آہستہ آہستہ خشک ہوکر گل سڑ جاتی ہے۔ ٹھیک یہی حال ملتوں کے بنیادی افکار وتصورات کا بھی ہے۔ جب تک ان تصورات کے عملی تقاضے اور مظاہر، زندگی کے میدان میں کارفرما رہتے ہیں اس وقت تک ان تصورات میں بھی زندگی اور توانائی موج زن رہتی ہے جونہی یہ عملی مظاہر میدان حیات سے غائب ہوئے ان تصورات کی نبض بھی کمزور پڑنے لگتی ہے اور آخر کار ڈوب کر رہ جاتی ہے۔ اگر چہ بنیادی تصورات کے عملی مظاہر وہ سارے ہی قوانین ہوتے ہیں جن کے تحت قوم اپنی زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے، لیکن چوں کہ اس کی شخصیت کے لئے اس کے شخصی قوانین کی عملی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا، اس لئے ان قوانین سے اس کی عملی وابستگی یا عدم وابستگی کا نتیجہ بھی اس کے اپنے بنیادی تصورات کے حق میں سب سے زیادہ نمایاں مرتب ہوتا ہے۔ ان قوانین پر مضبوطی سے کاربند رہنے کی شکل میں ان تصورات سے ذہنی رابطہ لازماً برقرار رہتا ہے۔ اور اگر ان سے عملی رشتہ منقطع ہو جائے تو پھر اس رابطے کا، کمزور، نیم اور بالآخر بے جان، ہو جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ ان قوانین سے عملی رشتہ کاٹ لینے کے معنی ہی یہ ہوں گے کہ اب وہ اس قوم کی نظر میں معقول اور قابل قبول نہیں رہ گئے تھے، اور ان کو نامعقول اور ناقابل قبول ٹھہرا دینے کے معنی لازماً یہ ہوں گے کہ وہ جن اساسی افکار وتصورات کی پیداوار ہیں فی الواقع خود ان تصورات ہی کی معقولیت اور صداقت اب اس کے نزدیک تسلیم شدہ اور یقینی نہیں رہ گئی ہے یہ دوسری بات ہے کہ اسے اپنی اس بے یقینی کا خود بھی اعتراف یا شعور نہ ہو۔

پھر یہ ذہنی تبدیلی اسی حد پر رک نہ جائے گی، بلکہ لازماً آگے بڑھے گی اور قوم کچھ دوسرے ہی افکار وتصورات سے متاثر ہونے لگے گی۔ کیوں کہ جب وہ اپنے شخصی قوانین سے عملی رشتہ کاٹ لے گی تو ضروری ہوگا کہ ان کی جگہ کوئی دوسرا مجموعۂ قوانین اپنائے۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرے قوانین کسی اور ہی تصور اور نظریے کے تحت بنے ہوں گے۔ اس لئے بالکل فطری بات ہوگی کہ جن تصورات کی بنیاد پر بنے ہوئے شخصی قوانین کو وہ اپنا چکی ہے۔ خود ان کے لئے بھی اس کے دروازے کھل جائیں۔ ادھر چوں کہ اس کا تعلق اپنی انفرادیت سے کمزور پڑ چکا ہوگا۔ اس لئے وہ اس حملے کا مقابلہ کرنے میں سنجیدہ نہ رہ جائے گی۔ بات بالآخر یہاں تک پہنچ کر رہے گی کہ اس کے اپنے بنیادی افکار وتصورات کی چولیں لازماً ہل جائیں گی، اور شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ ان کے اندر رد وبدل قبول کر لینے پر آمادہ ہو رہے گی۔ اس لئے یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی ملت کا پرسنل لا جہاں اس کی شخصیت کا قالب ہوتا ہے وہاں اس کی روح کا محافظ بھی ہوتا ہے۔

اس امر کی شہادت سے قوموں اور ملتوں کی تاریخ بھری پڑی ہے، اور سب سے قریب کی شہادت خود ملت اسلامیہ کی اپنی ہی تاریخ میں موجود ہے۔

پرسنل لا سے محرومی تشخص کی موت

تیسری بات یہ کہ اپنے پرسنل لا سے محروم ہو جانے کے بعد ملت کی شخصیت کسی طرح برقرار نہیں رہ سکتی۔ کیوں کہ جس پرسنل لا

کی یہ اہمیت ہو کہ وہ قوم کی مخصوص شخصیت کا قالب بھی ہوتا ہے اور اس کی روح کا محافظ بھی، اس سے محروم ہو جانے کے بعد بھی اس کی شخصیت کا باقی رہ جانا بالکل غیر منطقی ہوگا۔ اس محروم کے معنے واضح طور پر یہی ہوں گے کہ اس قوم کو اپنی شخصیت سے محروم کر دیا گیا اور اس سے اس کی اپنی ہستی چھین لی گئی۔ یہ اس لئے کہ جب اس کے پرسنل لا کو کالعدم کر کے اس کی شخصیت کے امتیازی خطوط مٹا دئے گئے اور اسے ایک دوسرے ہی قالب میں ڈھال دیا گیا ہو، یہاں تک کہ اس 'کایا پلٹ' کے باعث اس کی فکری اور تصوراتی بنیادیں بھی ہلتی اور کھوکھلی ہوتی چلی گئی ہوں، تو آخر ابھی اس کا بدستور زندہ برقرار رہ جانا ممکن ہوگا؟ اس انقلاب حال کے بعد تو کسی دوسرے تہذیبی گروہ کے اندر بارش کے قطروں کی طرح جذب ہو رہنا ہی اس کا مقدر بن جائے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس قوم یا ملت کے افراد بھی اب باقی نہ رہ جائیں گے۔ نہیں، وہ باقی رہیں گے اور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ زندگی کے میدان میں ترقیوں پر ترقیاں بھی کرتے چلے جائیں، مگر مطلق افراد کا نام قوم یا ملت نہیں ہوتا۔ ایسے لاکھوں اور کروڑوں افراد کے موجود ہوتے ہوئے بھی قوم کی اپنی شخصیت بالیقین ماضی کی داستاں بن چکی ہوگی۔

پرسنل لا کی تنسیخ ایک خطرناک اقدام

قوموں اور ملتوں کے پرسنل لا کی یہی وہ غیر معمولی اہمیت ہے جس کے باعث کوئی بھی ملت، جس کے اندر خودداری اور خودشناسی کی رمق بھی باقی ہو، اپنے پرسنل لا کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے، اور ہر قیمت پر اس کی حفاظت کرنا چاہتی ہے۔ اس سے اس کا نظریاتی رشتہ تو ہوتا ہی ہے، گہرا جذباتی لگاؤ بھی ہوتا ہے۔ اور معلوم ہے کہ جس چیز سے انسان کو گہرا جذباتی لگاؤ ہو، اس کے بارے میں اس کے احساسات بڑے نازک ہوتے ہیں، اور اس کی حرمت کی پامالی اس کے لئے بالکل ہی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ وہ اپنی دوسری چیزوں سے محرومی چاہے گوارہ کرلے مگر ایسی کسی عزیز ترین متاع سے محرومی کی وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی کی عظیم ترین اور طاقت ور سے طاقت ور شہنشاہیتوں نے بھی اپنی زیر دست قوموں کا اگرچہ سب کچھ چھین لیا تھا مگر ان کے شخصی قوانین پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کی تھی۔ رومن امپائر اور برطانوی شہنشاہیت اس کی سب سے نمایاں مثالیں ہیں۔ انگریزوں نے ہندوستان پر حاکمانہ تسلط قائم کرنے کے بعد ان عام اسلامی قوانین کو جواب تک یہاں نافذ چلے آرہے تھے، بتدریج ختم کر کے اپنا وضع کردہ قانون جاری کر دیا، مگر جہاں تک یہاں کے باشندوں پر پرسنل لا کا تعلق ہے، انہیں منسوخ نہیں کیا اس کی وجہ ان کے سامنے کی یہی حقیقت تھی کہ یہاں کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو اپنے اپنے شخصی قوانین سے جو گہری جذباتی وابستگی ہے اس کے باعث وہ جان دے دیں گے مگر اپنے ان قوانین کی منسوخی ہرگز گوارہ نہ کریں گے۔ اس لئے ان کے اس نازک ترین جذبے کو چھیڑنا انجام کے لئے لحاظ سے سخت مضر ہوگا۔

یقیناً جو بات اب تک ایک حقیقت رہی ہے وہ آج بے حقیقت نہیں بن جائے گی۔

پرسنل لا کی یہ تہذیبی اہمیت جس طرح دوسری قوموں اور ملتوں کے بارے میں ناقابل انکار ہے، اسی طرح ملت اسلامیہ کے سلسلے میں بھی ناقابل انکار ہی رہے گی۔ اس کا پرسنل لا بھی اس کی شخصیت کے لئے قالب کی، اور اس کی اجتماعی روح کے لئے محافظ کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسے محروم ہو جانے کا نتیجہ بھی اس کے ملی تشخص کے لئے موت ہی کی شکل میں نکل سکتا ہے۔ اس لئے اگر اس کا رشتہ اس کے دین وایمان سے نہ جڑا ہوتا تو بھی وہ اس کے لئے جان سے کم عزیز نہ ہوتا۔

❁ ❁ ❁ ❁

باب دوم

مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ

مسلم پرسنل لا
اور
ہندوستان

امیر شریعت مولانا منت اللّٰہ رحمانیؒ
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

انسانی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک تو اس کی شخصی اور خاندانی زندگی ہے، جس کا دائرہ محدود ہے، اس میں انسان کے ذاتی معاملات آتے ہیں، یا پھر وہ چیزیں جو اس کے اور اس کے خاندان کے درمیان معاملات اور حقوق وفرائض سے متعلق ہوتی ہیں۔ مثلاً ازدواجی تعلق، ماں باپ اور اولاد کا تعلق، وراثت، ایک دوسرے پر نفقہ اور حق پرورش وغیرہ، دوسری زندگی شہری اور اجتماعی زندگی ہے جس کا دائرہ خاندانی تعلقات کی حدود سے آگے بڑھ کر شہر، ملک اور بین الاقوامی امور تک کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے۔ اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خواہ اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو یا انفرادی زندگی سے، اصول بتائے ہیں جن پر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد میں اور اس کے بعد بھی عمل ہوتا رہا ہے۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا اجتماعی قوانین، جن کی روشنی میں حکومت چلائی جاتی تھی عملاً ختم ہوتے رہے اور کتابوں میں محفوظ ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ ہندوستان میں جب انگریزوں کا غلبہ ہوا تو صرف ''انفرادی زندگی'' کے قوانین عملاً باقی رہے، جسے بعد میں عام سرکاری عدالتوں کے حوالے کردیا گیا، انفرادی زندگی کے یہ اسلامی قوانین ''مسلم پرسنل لا'' کہلائے، گویا مسلم پرسنل لا کی اصطلاح انگریزوں کا عطیہ ہے، جو قوانین اسلامی کا ہی ایک حصہ ہے جن کی تفصیلات فقہاء اسلام کے ہاتھوں مرتب ہوئی تھیں اور جن کی بنیاد قرآن وحدیث ہے۔

آزاد ہندوستان میں مسلم پرسنل لا:

جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس ملک کو ایک ''جمہوری ملک'' بنانے کا فیصلہ کیا گیا، جس میں فرد کے ذاتی رجحانات، افکار و عقائد اور تہذیب وتمدن کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور دستور کے بنیادی حقوق کی دفعات کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو محفوظ کردیا گیا، مگر کچھ مریض ذہنیت مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں شہری قانون

نافذ کرانا چاہتی رہی ہے، حکومت بھی بعض عمومی قوانین کے ذریعہ ''مسلم پرسنل لا'' میں تبدیلی کی کوشش کرتی رہی ہے اور کچھ اس قسم کے احکام و ہدایات دیتی آئی ہے، مثلاً یہ حکم جاری کیا گیا کہ حکومت کا کوئی ملازم اجازت حاصل کئے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تعدادِ ازدواج جو مسلم پرسنل لا کا اہم مسئلہ ہے، کو حکومت نے مسلمانوں کے ایک حلقہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا، اسی سلسلہ کا ایک اہم قدم متبنیٰ بل کی شکل میں اٹھایا گیا تھا۔ جو اسلام کے مختلف صریح قوانین و ضوابط سے ٹکراتا اور مسلم پرسنل لا کے ایک اہم حصہ کو پورے طور پر مجروح کرتا ہے اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی راہ ہموار کرتا ہے۔ یکساں سول کوڈ سراسر غیر اسلامی چیز ہے اور یہ موجودہ ہندو کوڈ سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے مسلمانوں کی عائلی زندگی کی پوری عمارت ڈھ جائے گی۔

مسلم پرسنل لا اور مسلم ممالک:

مسلم پرسنل لا میں تبدیلی و تنسیخ کے لئے بطور دلیل چند مسلم ممالک کو پیش کیا جاتا ہے۔ خاص کر وہ لوگ جو ہر معاملے میں پاکستان کے نام سے بدکتے ہیں، اس معاملے میں پاکستان کی دہائی دے کر ہندوستانی مسلمانوں کو پاکستانی مسلمانوں کی پیروی کا مشورہ دیتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی مسلم اسٹیٹ کی غلط کارروائی ''اسلامی قانون'' نہیں کہلا سکتی اور نہ اس بنیاد پر اسلامی قوانین میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے، جو چیز قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح ہے اسے ہی صحیح اور اسلام کے مطابق کہا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلم ممالک میں ''پرسنل لا'' کی تبدیلی کا پروپیگنڈہ حقیقت سے دور ہے۔ عام طور پر مسلم ممالک میں ''مسلم پرسنل لا'' نافذ ہے، صرف چند ممالک ایسے ہیں جہاں تبدیلی ہوئی ہے، ماضی بعید میں ترکی اور پاکستان اس کی اہم مثال ہے۔ اگر ہندوستان کی حکومت پاکستان کو سامنے رکھ کر یا ترکی کو مثال بناتے ہوئے ''مسلم پرسنل لا'' کو بدلنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستان میں بھی ان دونوں ملکوں کی طرح آمرانہ اور فوجی نظام اپنایا جا رہا ہے۔ ایک چیز اور بھی لائق توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان مذہبی اقلیت ہیں، اس لئے مذہبی امور میں اگر مسلم ممالک کی کوئی مثال سامنے رکھی جاسکتی ہے تو اس کے لئے سب سے بہتر ان ممالک کی اقلیتی صورتحال ہوسکتی ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی بھی مسلم ملک نے اپنے یہاں کی مذہبی اقلیت کے دینی امور میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی ہے نہ پرسنل لا کو ہاتھ لگایا ہے، ایسے بھی مسلم ممالک ہیں جن کے پڑوس میں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی حکومت ہے اور دونوں میں ایسے شدید ترین اختلافات موجود ہیں جن کی تہ میں کسی نہ کسی درجہ میں مذہبی جذبہ بھی کارفرما ہے، لیکن اس ملک میں پڑوسی ملک کے ہم مذہب کی شکل میں آباد ہیں اور اپنی دینی زندگی اور پرسنل لا کو محفوظ سمجھتے ہیں اور اس پر آزادی کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ مصر میں یہودیوں کی مذہبی آزادی اس کی واضح مثال ہے۔

معاشرتی دشواریاں:

کہا جاتا ہے کہ ''مسلم پرسنل لا'' پر عمل کرنے سے معاشرتی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ خاص کر طلاق اور تعدادِ ازدواج ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے عورتوں کی زندگی ہر وقت خطرات میں گھری رہتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلم پرسنل لا کی رو سے مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور اسے ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دی

گئی ہے لیکن یہ قانون کی خامی نہیں ہے۔ شریعت نے شوہر اور بیوی میں علیحدگی کی مختلف شکلیں بتائی ہیں۔ مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اور عورتوں کے لئے خلع اور فسخ نکاح کی راہ بتائی گئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مرد اپنے اس حق کا براہ راست استعمال کرسکتا ہے اور عورتیں اپنا حق بالواسطہ استعمال کرسکتی ہیں۔ مرد اور عورت کے حقوق میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی ذمہ داریوں کی نوعیت جدا جدا ہے، نکاح کے بعد مرد پر جتنی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، عورتوں پر اتنی ذمہ داری نہیں رکھی گئی ہے۔ مرد پر بیوی اور بچوں کے اخراجات کے علاوہ مہر کی شکل میں ایک رقم بھی واجب ہوتی ہے۔ علیحدگی کا فیصلہ اگر بلاواسطہ عورتوں کے بھی حوالہ کیا جاتا تو عورتیں اپنے اس حق کو استعمال کرتیں جس کے نتیجہ میں عورتوں پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی مگر مہر کی رقم کی فوری ادائیگی اور بچوں کی کفالت اور تربیت کا نظم مرد کو کرنا پڑتا اور مرد بلاوجہ دشواریوں میں مبتلا ہوتا۔ طلاق کو شریعت نے گرچہ جائز قرار دیا ہے مگر اسے ابغض المباحات (جائز چیزوں میں سب سے زیادہ کریہہ) قرار دیا ہے اور یہ ہدایت دی ہے کہ جب نباہ ہونے کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو بہت سوچ سمجھ کر طلاق دی جائے۔ شریعت نے تفصیل کے ساتھ طلاق کا طریقہ بتایا ہے، اس طریقہ پر عمل کرنے کے بعد اس کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ مرد اشتعال کے نتیجہ میں یا جذبات کی رو میں طلاق دے دے، شریعت کی ہدایت کے مطابق دی ہوئی طلاق ایک عاقلانہ اور ٹھنڈا فیصلہ ہی ہوسکتا ہے، شریعت نے عدل وانصاف کی شرط کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت بھی دی ہے۔ اسلامی قانون عفت وعصمت کے پیش نظر مرد کے ایسے حالات ہوسکتے ہیں کہ وہ صاف ستھری زندگی گذارنے کے لئے دوسرے نکاح کی ضرورت محسوس کرے۔

مسلمانوں کا مضبوط موقف:

مسلم پرسنل لا مسلمانوں کی مستقل تہذیب اور عائلی نظام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ مسلمانوں کی انفرادی سماجی زندگی سے مسلم پرسنل لا کا بہت گہرا تعلق ہے انہیں قوانین کی بنیاد پر ان کی انفرادی اور سماجی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا ایمانی جذبہ اسے برداشت نہیں کرتا کہ اسلامی احکام میں تبدیلی کی جائے۔ اسلام کے عائلی قوانین کے مقابلہ میں اگر دوسرے قوانین بنائے جائیں گے اور انہیں نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو مسلمانوں کی زندگی بڑی مشکلات سے دوچار ہوجائے گی۔ ایک طرف امن پسند شہری کی حیثیت سے مسلمان ان قوانین کا احترام کرنا چاہیں گے تو دوسری طرف اسلامی احکام انہیں پابند بنائیں گے کہ وہ مخصوص طریقہ کار اپنایا جائے جسے اسلام نے متعین کیا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی داخلی زندگی ہر مرحلہ میں ملکی عائلی قوانین اور اسلامی قوانین کے درمیان ٹکراتی رہے گی اور وہ مجبور ہوں گے کہ ملکی عائلی قوانین کو نظر انداز کرکے اسلامی قوانین کی پابندی کریں۔ مسلم پرسنل لا کے تحفظ پر ملک کے تمام طبقے ایک ہیں اور ان میں کوئی بھی جماعت ایسی نہیں ہے جو مسلم پرسنل لا میں تبدیلی برداشت کرسکتی ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ میں ہر طبقے کی نمائندگی اور اس کی خدمات اس کی روشن دلیل ہے۔

❁❁❁❁

مسلم پرسنل لا

خطرات کے سائے میں

سید احمد قادری

مسلم پرسنل لاء میں تبدیلیوں کی کوشش انگریزوں کے عہد حکومت ہی سے شروع ہوچکی ہے۔ لیکن ہم ان سطروں میں عہد غلامی کی ان کوششوں پرتبصرہ کرنا نہیں چاہتے۔ جب ہمارے ملک پر آزادی کاآفتاب طلوع ہوا تو مسلمانوں نے سوچا کہ اب ہم آزاد ہوگئے ہیں اس لئے ہماری تہذیب، ہماری زبان، ہماری انفرادیت اور کم سے کم ہمارے پرسنل لا پر کوئی آنچ نہ آئے گی بلکہ ہماری یہ تمام چیزیں آزاد فضا میں فروغ پائیں گی اور ہم امن وسکون سے اپنی صلاحیتیں ملک کی تعمیر میں صرف کرسکیں گے لیکن انہوں نے جو کچھ سوچا تھا وہ صحیح ثابت نہیں ہوا۔ یکساں سول کوڈ کا مسئلہ اسی وقت زیر بحث آگیا جب ہندوستان کا دستور بن رہا تھا اور مسلم پرسنل لا پر خطرات کا بادل اسی وقت افق پرنمودار ہوگیا اور اب 26-25سال کی مدت میں وہ سیاہ بادل پورے افق کو گھیر چکا ہے۔ دستور میں ایک طرف تو اقلیتوں کو بہت سے بنیادی حقوق دئیے گئے اور دوسری طرف رہنمااصولوں میں یکساں سول کوڈ پورے ملک میں نافذ کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ ”سرکاری پالیسی کے رہنما اصول“ میں دفعہ 44کے متن کا ترجمہ یہ ہے۔

”حکومت شہریوں کے لئے ایک ایسامشترکہ سول کوڈ رائج کرنے کے لئے جدوجہد کرے گی جس کا نفاذ ہندوستان کے طول وعرض میں ہو۔“

دستور ساز اسمبلی کے متعدد مسلم وغیرمسلم ممبروں نے اس رہنما اصول پر اعتراض کیا تھا اور بعض مسلمان ممبروں نے ترمیم بھی پیش کی تھی لیکن ان کی ترمیم منظور نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے جن کی نگرانی میں دستور بن رہا تھا اقلیت سے تعلق رکھنے والے ممبروں کو یہ یقین دہانی کرائی تھی اور دستور ساز اسمبلی میں اعلان کیا گیا۔

حکومت کو محض اختیار دیا جارہا ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ مذہبی، شخصی قوانین ختم کردینا اس لئے لازم ہوگا۔ کسی صاحب کو یہ خطرہ نہیں ہونا چاہئے محض یہ اختیار مل جانے کے باعث حکومت فوراً اس پر عمل کرنے پر مصر ہوجائے گی خواہ وہ ملک کے مسلمان یا عیسائی یا کوئی اور فرقہ اس سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ کرے۔

حکومت کے اختیار عملاً ہمیشہ محدود ہوتے ہیں، خواہ آپ انہیں لفظی طور پر کتنا ہی لامحدود کردیں، کیوں کہ حکومت اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح نہیں کرسکتی جس کے نتیجے میں مسلمان بغاوت پر آمادہ ہوجائیں۔ اگر کسی وقت گورنمنٹ ایسا کرنے کی سوچے تو اسے فاتر العقل کہنا چاہئے۔

لیکن بہت جلد معلوم ہوگیا کہ یہ یقین دہانی سیاسی طفل تسلی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔حکومت ہند نے دفعہ 44 کو اپنا نصب العین بنائے رکھا اور وہ بتدریج یکساں سول کوڈ کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ وہ اپنے ملازمین پر بلاتفریق مذہب، تعدد ازدواج کا دروازہ بند کر چکی ہے اور ان کے لئے یک زوجگی کو لازم قرار دے چکی ہے۔ وہ اسپیشل میرج ایکٹ پاس کر چکی ہے جس کے تحت ایک مسلمان عورت اپنا مذہب تبدیل کئے بغیر کسی غیر مسلم سے شادی کر سکتی ہے اور جس کے تحت وہ اپنے شوہر کی نصف جائداد کی مالک ہو جاتی ہے۔صوبہ یوپی وغیرہ کی اسمبلیاں زرعی ایکٹ پاس کر چکی ہیں اور یہ ایکٹ مسلمانوں پر بھی نافذ ہیں۔ان میں زرعی زمین کی وراثت کے ضابطے اسلامی شریعت کے بالکل خلاف بنائے گئے ہیں اور ابھی حال میں ''لے پالک بل'' پارلیمنٹ میں پیش ہو چکا ہے۔مرکزی وزرائے قانون نے حکومت کی نیت کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ بآواز بلند اس کو ظاہر کیا ہے تاکہ مقتدی اپنے امام کی نیت سے بخوبی واقف ہو جائیں جب ''ہندو کوڈ بل'' پاس ہو رہا تھا تو اس وقت کے مرکزی وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے اپنی ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا۔

''ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی، اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہو گئے جو ہماری پچاس فیصدی آبادی کے لئے ہو تو اس کا نفاذ باقی آبادی پر مشتمل نہ ہوگا اس قانون سے پورے ملک میں یکسانیت پیدا ہوگی۔''

ابھی جو 'متبنیٰ بل' زیر غور ہے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے موجودہ وزیر قانون نے صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ یہ یکساں سول کوڈ کی طرف پہلا قدم ہے۔جیسا کہ اوپر گذرا یہ پہلا قدم نہیں ہے بلکہ پہلے بھی کئی قدم اٹھائے جا چکے ہیں۔ان اقدامات واعلانات کے بعد حکومت کا ارادہ بالکل واضح ہو چکا ہے۔ کانگریس الیکشن کے وقت جو اعلانات کرتی ہے یا حکومت کے ذمہ دار افراد خاص مواقع پر مسلمانوں کو جو تسلی دیتے ہیں اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا عبرتناک معاملہ ہمارے سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورتحال میں ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔

ہمارے نزدیک اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ حکومت کو مداخلت فی الدین کے اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے ہم مسلمانوں کو پورے عزم اور حوصلہ کے ساتھ، ایک سخت جدوجہد اور کشمکش (اسٹرگل) کے لئے تیار ہونا چاہئے اور اس جدوجہد میں ان مذہبی غیر مسلموں سے بھی تعاون حاصل کرنا چاہئے جو کسی کے مذہب میں مداخلت کو غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے پرسنل لاء کا تحفظ دو باتوں پر موقوف ہے، ایک یہ کہ دستور ہند کے رہنما اصول کی دفعہ 44 ختم کی جائے اور دوسری یہ کہ شخصی قوانین سے متعلق مقدمات کے فیصلہ وتصفیہ کا اختیار دین دار اور اسلامی شریعت سے واقف مسلمان ججوں اور قاضیوں کے حوالہ کیا جائے۔ میں نے اس پر اختصار کے ساتھ اظہار اپنی تحریر 'قضاء شرعی کا قیام ضروری ہے' میں کیا ہے جو اسی شمارے میں شائع ہو رہی ہے۔ ہمارے نزدیک کوشش کی صحیح سمت یہی ہے۔

جدوجہد کی صحیح سمت متعین کر لینے کے بعد کوشش کا ایک رخ تو وہ ہے جس کا تعلق وقت کی حکومت سے ہے اور دوسرا رخ وہ ہے جس کا تعلق خود ہم مسلمانوں سے ہے جن میں ہم حکومت کی منظوری کے محتاج نہیں ہیں۔ اس سلسلے کی چند تدابیر ہم یہاں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

(1) سب سے پہلی تدبیر یہ ہے کہ شرعی قوانین پر مسلمان خود عمل کریں۔ نکاح، مہر طلاق، وراثت، ہبہ، وصیت اور اسی طرح کے شرعی احکام پر اگر مسلمان خود عمل نہ کریں یا اس کے خلاف عمل کریں تو پھر مسلم پرسنل لاء کے تحفظ اور قضاء شرعی کے قیام کا مطالبہ وہ کس بنیاد پر کریں گے اور ان کی کوشش موثر کس طرح سے ہوگی؟ علماء اور مسلمان تنظیموں کے رہنما، اہل علم اور اخبارات ورسائل کو پوری کوشش کرنی چاہے کہ جہاں کہیں مسلمان، شریعت کے خلاف، مقامی رسم ورواج یا خاندانی وروایات پر عمل کررہے ہیں وہ اسے ترک کردیں اور قوانین شریعت پر عمل شروع کردیں۔

(2) لوک سبھا، راجیہ سبھا اور ریاستی اسمبلیوں کے مسلمانوں ممبروں کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہئے کہ وہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور قضا شرعی کے قیام کے مطالبہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں اور مسلمانوں سے متعلق ہر ایسے بل کی مخالفت کریں جو شریعت کے کسی قانون کے خلاف ہو مثال کے طور پر اس وقت متبنّیٰ (لے پالک) بل لوک سبھا کے سامنے ہے اس کے خلاف انہیں اپنی آواز بلند کرنی چاہئے۔

(3) ایسے تمام انصاف پسند غیر مسلموں کا تعاون حاصل کرنا چاہئے جو دستور میں اقلیتوں کو دئے ہوئے حقوق کے حامی ہیں اور جو مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں حکومت کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے، اس طرح عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کو بھی ساتھ لینا چاہئے جن کے پرسنل لا یکساں سول کوڈ کی زد میں آجائیں گے۔

(4) مسلمان خواتین کو خصوصیت کے ساتھ اس جدوجہد میں حصہ دار بنانا چاہئے، کیوں کہ عام طور پر انہیں کی مظلومیت کا نعرہ لگا کر مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا جواز پیدا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ کوششیں بھی ہوئی ہیں اور متعدد بڑے شہروں میں اہم اجتماعات منعقد ہوچکے ہیں لیکن انہیں پر اکتفا کرنا صحیح نہیں ہوگا کیوں کہ ہمیں اپنی جدوجہد اس وقت جاری رکھنی ہوگی جب تک حکومت ہمارا مطالبہ تسلیم نہ کرے۔

(5) مسلم پرسنل لا کی دین اسلام میں کیا اہمیت اس کو تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں پر واضح کرتے رہنا چاہئے۔ جہاں تک تعلیم یافتہ مسلمانوں پر اسے واضح کرنے کا تعلق ہے اس پر خاصہ کام ہوا ہے۔ متعدد کتابیں، پمفلٹ، مضامین اور اخبارات ورسائل پر مسلم پرسنل لا نمبر شائع ہوچکے ہیں اور ماہنامہ زندگی کا یہ نمبر بھی اسی کوشش کا ایک حصہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی واضح کرتے رہنے کی ضرورت ہے کہ جن شرعی قوانین کے مجموعہ کو مسلم پرسنل لا کہا جاتا ہے وہ انگریزوں کے وضع کئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اللہ رب العالمین نے انہیں اپنی کتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت یوں ہے کہ جو لوگ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی چاہتے ہیں وہ مسلمانوں کو یہ مغالطہ بھی دے رہے کہ مسلمانوں کے لئے مسلم پرسنل لا انگریزوں نے وضع کیا تھا لہٰذا اس میں تبدیلی کرنا دین میں مداخلت نہیں ہے۔ یہ باور کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے کہ وہ لوگ اتنی بات نہ جانتے ہوں کہ مسلمانوں کے شخصی قوانین کے لئے انگریزی زبان میں صرف مسلم پرسنل لا کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ انگریزوں نے وہ قوانین وضع نہیں کئے ہیں۔ کیا وہ حضرات یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے مثال کے طور پر تعدد ازدواج کا قانون انگریزوں نے وضع کیا تھا؟ دراصل جان بوجھ کر وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کررہے ہیں۔ ۞ ۞ ۞

تعدد ازدواج پر پابندی
تمہاری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ایک سے زائد شادی کرنے پر پابندی عائد کرنے کی غرض سے ایوت محل کے رہنے والے کانگریس ممبر مسٹر علی حسن صمدانی نے 23 نومبر 1962 کو ایک مسودۂ قانون (L.A.Bill No, Lxl of 1962) مہاراشٹر لیجسلیٹیو اسمبلی میں پیش کیا تھا، بل کا مکمل ترجمہ درج ذیل ہے:

مسلمانوں میں دوزوجگی روکنے کے لئے مسودۂ قانون

اغراض ومقاصد: تعدد ازواج کی اگر چہ مسلم پرسنل لا کے تحت اجازت دی گئی ہے لیکن وہ عملاً ترک کر دیا گیا ہے اور مسلم رائے عامہ 'ایک زوجگی' کی مؤید ہے۔ مسودۂ قانون کی غرض اسی مقصد کو حاصل کرنا ہے ضمناً اس کا مقصد مسلمان خواتین کو بھی سہولت بہم پہنچانا ہے۔ جن کے خاوند اس بل کے نفاذ کے وقت ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہوں۔

ہرگاہ کہ مسلمانوں میں دوزوجگی کو روکنا ضروری ہے اس لئے جمہوریہ ہند کے تیرہویں برس مندرجہ قانون نافذ کیا جاتا ہے:

1۔(الف) یہ قانون مہاراشٹر قانون انسداد دوزوجگی برائے مسلمان 1962 کہلائے گا۔

(ب) اس کا اطلاق پوری ریاست مہاراشٹر پر ہوگا۔

2۔اس قانون کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوگا۔

اس قانون کی اصلاحات میں جب تک کہ کوئی بات مضمون یا متن کے متضاد نہ ہو مقصد یہ ہے:

(الف) دوزوجگی کی شادی کا مطلب بیوی یا شوہر کا اپنے زوج کی موجودگی میں نکاح کرنا ہے۔ بشرطیکہ ایسے مرد یا عورت کی اس بیوی یا شوہر سے نکاح کو کسی بااختیار عدالت نے ناجائز قرار نہ دیا ہو یا خلع نہ کرادی ہو یا وہ رسم رواج کے اعتبار سے جائز نہ ہو۔ اس میں وہ شادی شامل نہیں ہے جو کسی نے اپنے زوج کی زندگی میں اس وقت کی ہو جب کہ متعلقہ زوج سات سال تک مسلسل مفقود الخبر ہو اور اس کی زندگی کے بارے میں کوئی خبر نہ کی گئی ہو۔ البتہ ایسے شخص کو اپنی شادی سے پہلے واقعات کی صحیح صورت حال سے اس مرد یا عورت کو واقف کر دینا ہوگا جس سے اس کی شادی ہو رہی ہے۔

(ب) مسلم سے وہ شخص مراد ہے جو مذہب اسلام کا ماننے والا ہو۔

(ج) نابالغ سے وہ شخص مراد ہے جس کی عمر 16 سال سے کم ہے۔

4۔عام اس سے کہ کوئی قانون یا رسم ورواج اس کے منافی ہو دوزوجگی کی شادی باطل قرار دی جائے گی۔

(الف) اگر وہ اس قانون کے نفاذ کے بعد اس ریاست میں انجام دی گئی ہو۔ (ب) اگر وہ شادی اس قانون کے نفاذ کے بعد ریاست کی حدود سے باہر انجام پائی ہو مگر زوجین میں ایک یا

دونوں اس ریاست میں رہتے ہوں۔

5۔عام اس سے کہ قانون تنسیخ نکاح مسلمین 1939 قانون 8/1939 کی دفعہ 2 میں کوئی امر موجود ہو۔ایک عورت جس کی مسلم قانون کے تحت شادی انجام پائی ہو اس بات کی حقدار ہوگی کہ اس قانون کے نفاذ کے وقت اس کے شوہر کی ایک سے زیادہ بیوی موجود ہو تو وہ خلع حاصل کرسکتی ہے۔

6۔عام اس سے کہ کوئی قانون رسم یا رواج اس سے متضاد ہو۔ اگر نابالغ کے علاوہ کوئی فرد ایک زوج کی موجودگی میں دوسری شادی کرتا ہے یا کرتی ہے جو (دفعہ کی رو سے باطل ہے) اس پر مقدمہ چلا کر سات سال تک کی سزا دی جاسکتی ہے، نیز جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

7۔جو شخص بھی اس ریاست میں دوسرے نکاح کی رسم انجام دے گا یا اس میں اعانت کرے گا اس پر مقدمہ چلا کر کسی بھی نوع کی سزا دی جاسکتی ہے جس کی مدت 6 ماہ تک ہو اور اس پر جرمانہ بھی کیا جاسکتا ہے الا یہ کہ وہ اس بات کا ثبوت پیش کرے کہ اس کے پاس یہ یقین کرنے کے معقول وجوہ موجود تھے کہ یہ نکاح دوسرا نہیں ہے۔

8۔(الف) جب کوئی نابالغ دوسری شادی کرے جو دفعہ 4 کی رو سے باطل ہے تو جو شخص اس نابالغ کا نگراں ہو خواہ وہ والدین میں سے یا سرپرست یا کوئی اور نیز قانونی طور پر ولی ہو یا نہ ہو ایسی شادی کو انجام دینے کے سلسلے میں اقدام کرنے یا اسے انجام دینے کی اجازت دینے یا غفلت وتساہل سے ایسی شادی کو روکنے میں ناکام رہنے پر، اس پر مقدمہ چلا کر کسی بھی نوع کی سزا دی جاسکتی ہے جس کی مدت 6 ماہ تک ہوسکتی ہے یا جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔یا سزا اور جرمانہ دونوں۔

(ب) اس دفعہ کے تحت سمجھائے گا (الا یہ کہ اس کے خلاف ثبوت بہم پہنچایا جائے) کہ جہاں کسی نابالغ کی دوسری شادی انجام پائی ہے جو دفعہ 4 کی رو سے باطل ہے اسے نابالغ کا سرپرست خواہ وہ والدین میں سے ہو یا سرپرستوں میں سے یا قانونی یا اس کے علاوہ ولی ہو اپنی غفلت سے نکاح کو روکنے میں ناکام رہا ہے۔

9۔ہر درخواست جو اس قانون کی دفعہ 5 کے تحت دی جائے اسے ایسے ڈسٹرکٹ کورٹ میں جس کے دائرہ اثر میں کیا جائے نکاح واقع ہو یا جہاں خاوند اور بیوی رہتے ہوں یا آخر میں رہتے تھے پیش کیا جائے گا۔

10۔ عام اس سے کہ کوئی امر ضابطہ فوجداری 1898 میں شامل ہو دفعات 7-6 یا 8 کے تحت ہر الزام کی سماعت پریسیڈنسی مجسٹریٹ یا جوڈیشیل مجسٹریٹ کی عدالت میں ہو۔

حکومت کی جرأت بے جا

''میں اپنے ان بھائیوں سے جو مسلمان ہیں اور ترمیم کرنا چاہتے ہیں ان سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلم پرسنل لا میں اس بناء پر تبدیلی گوارا نہیں کرسکتے کہ یہ الہامی قانون ہے بلکہ اس سے بڑھ کر جتنی چیزیں الٹرا وائرس آف قرآن اور ٹریڈیشن آف پروفٹ ہیں ان کو بھی ہم نکال دینا چاہتے ہیں بلکہ انہیں خالص اسلامی بنانا چاہتے اور صرف اسلامی ہی نہیں بنانا چاہتے بلکہ اس کو کوڈی فیکشن بھی چاہتے ہیں اور ایک کوڈی فائڈ فارم کے اندر رکھ دینا چاہتے ہیں۔آپ کو ان اسباب ومحرکات کو سمجھنا چاہیے کہ حکومت یہ جرأت کیوں کررہی ہے۔''

جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ (سابق ایم.پی)

حکومت کو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں

مولانا محمد یوسف اصلاحی، سابق امیر جماعت اسلامی ہند

کسی بھی راسخ العقیدہ مسلمان سے سوال کیجئے کہ وہ اسلامی شریعت سے اتنی محبت کیوں کرتا ہے تو اس کا سیدھا سادا جواب یہ دے گا کہ ایک فرد جو اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتا ہے ان کی اطاعت وفرماں برداری کا عہد کر چکا ہے، اور اس عہد کو أشهد أن لا إله الا الله وأشهد أن محمد رسول الله کہہ کر دن رات میں بار بار دہراتا رہتا ہے۔ اس کی گھٹی اور فطرت میں یہ بات ودیعت ہوچکی ہے کہ وہ اس دین اور شریعت سے محبت کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت نازل فرمایا ہے اور اس طرح اپنی چند روزہ زندگی میں خدا کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرے۔ آپ اس سے اگر یہ سوال کریں کہ وہ اپنے پرسنل لاء میں ترمیم کیوں نہیں چاہتا تو دو ٹوک لفظوں میں یہی کہے گا کہ چوں کہ اسلامی شریعت کو وہ مکمل اور دین کا جز سمجھتا ہے نیز تمام دنیا کے قوانین سے بالا وبرتر اصح اور کامل سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ مسلم پرسنل لا میں جو شریعت اسلامیہ کا ایک حصہ ہی کسی کتر بیونت کا قائل نہیں ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت کے کسی منصوص جزء میں ترمیم کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، خواہ اقدام کوئی کرے، بفرض محال ساری دینا کے مسلمان متفقہ طور پر بھی اگر کسی حکم خداوندی میں ترمیم کردیں تو ان کا یہ اقدام غلط ہی ہوگا کیوں کہ وہ اس کے قطعی مجاز نہیں ہیں۔

وہ آپ کو یہ بھی بتلائے گا کہ وہ اس بات پر یقین کامل رکھتا ہے کہ اس چند روزہ دنیاوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی زندگی بدرجہا بہتر بھی ہے اور وہ یوم حساب کی اس باز پرس سے ڈرتا ہے کہ اس نے اس مختصر سی زندگی میں خدا اور اس کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری کیوں نہیں کی۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اسلام صرف نماز، روزہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل دین ہے جس کے ہر جز کی اتباع اسی طرح لازم ہے جس طرح نماز روزہ کے احکام کی۔ لہذا اگر وہ ان تمام احکام کی پابندی کرتا ہے جن میں اس کا پرسنل لا بھی شامل ہے تو وہ امید رکھتا ہے کہ خدا اپنے فضل سے اس کو دائمی مسرت کے اس مقام میں داخل کرے گا جس کا نام جنت ہے، لیکن اگر اس نے کسی حکم کی نافرمانی کی خواہ وہ پرسنل لاء ہی کے

سلسلہ میں کیوں نہ ہو تو اس کو سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے تصور ہی سے اس کی روح لرز جاتی ہے۔ وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ آپ سے یہ بھی کہے گا کہ خدا کے ماننے والے اگر اس کے کسی ایک حکم میں کتر بیونت کرنے لگیں تو ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ دوسرے احکام خداوندی کا کانٹ چھانٹ میں جری ہو جائیں گے بلکہ کسی بھی مروجہ قانون اور لیجسلیچر کے احکام کی پابندی سے بھی گریز کرنے لگیں گے۔

ممکن ہے کہ حکومت ہماری ان باتوں کو فرقہ واریت پر محمول کرے کیوں کہ ہمارا تعلق جماعت اسلامی سے ہے اور جماعت کو حکومت آئے دن بلاوجہ ملعون کرتی رہتی ہے، لیکن اگر اپنے مذہب کی باتیں بیان کرنے اور ان پر یقین کامل رکھنے کا نام فرقہ واریت ہے تو ہم بخوشی اس الزام کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں، البتہ حکومت کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ یہ خیالات صرف جماعت اسلامی ہی کے نہیں بلکہ سارے ہی مسلمانوں کے ہیں۔ اس سلسلے میں مناسب ہوگا کہ انڈین نیشنل کانگریس کے ایک سابق صدر اور حکومت ہند کے ایک ممتاز مرکزی وزیر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی رائے غور سے سن لی جائے جن کے الفاظ یہ ہیں۔

'اسلام کے احکام میں کوئی راز نہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ ہو، چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب وروز یہ درس وتدریس دیتے ہیں، پس گورنمنٹ کو چاہئے کہ صرف اس بات کی جانچ کرے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہی ہیں یا نہیں؟ اگر ثابت ہوجائے کہ ایسا ہی ہے تو پھر دو ہی راہیں گورنمنٹ کے سامنے ہونی چاہئے۔ یا مسلمانوں کے لئے ان کے مذاہب کو چھوڑ دے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ان کے مذہب میں مداخلت ہو۔ یا پھر اعلان کردے کہ اس کو مسلمانوں کے مذہبی احکام کی کوئی پرواہ نہیں ہے، نہ اس پالیسی پر قائم ہے کہ ان کے مذہب میں مداخلت نہ ہوگی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لئے بھی نہایت آسان ہوجائے گا کہ اپنا وقت بے سود شور وفغان میں ضائع نہ کریں اور برٹش اور اسلام ان دونوں میں سے کوئی ایک بات اپنے لئے پسند کریں۔' (مسئلہ خلافت وجزیرہ عرب 5-204 طبع ثانی)

ہمیں پورا یقین ہے کہ مولانا آزاد مرحوم اگر آج زندہ ہوتے تو وہ بھی 'اسلام کے شرعی احکام' کے سلسہ میں جماعت اسلامی ہی کی صف میں نظر آتے۔

دراصل یہ باتیں جماعت اسلامی یا ہندوستان کے مسلمانوں کی ہی من گھڑت نہیں بلکہ اسلام کا یہ مسلمہ اصول اور مسلمانان عالم کا ہمیشہ سے یہ متفقہ مسلک رہا ہے کہ احکام خداوندی میں کوئی بھی ترمیم نہیں کی جاسکتی۔

ایک بے وزن بات

مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ فلاں مسلم ملک نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کردی ہے، اس لئے ہندی

پارلیمنٹ ایک ایسا ادارہ ہے جو دستور ہند کی بعض دفعات کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔ اس لئے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دستور کے صحیح منشاء کے خلاف کوئی قانون وضع کرے اور اس کے ذریعہ اقلیتوں کے بنیادی حقوق کو غصب کرلے دستور ہر حال میں پارلیمنٹ سے بالا تر ہے۔ پارلیمنٹ اگر کوئی ایسا قانون وضع کرتی ہے جو اس کے بنیادی حقوق سے متصادم ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ پارلیمنٹ نے اپنے حقوق سے تجاوز کیا ہے اور ان سب لوگوں کو ایسا قانون وضع کرنے میں کسی حیثیت سے شریک ہوں یہ سمجھا جائے گا کہ ان کا یہ اقدام حلف وفاداری کے خلاف ہے جو انہوں نے دستور ہند کے مطابق عمل کرنے کے سلسلے میں اٹھایا ہے۔

مسلمانوں کو بھی اپنے پرسنل لا میں تبدیلی کر دینی چاہئے۔ لیکن یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں فلاں مسلمان چوں کہ شراب پیتے ہیں یا جوا کھیلتے ہیں، کیوں نہ دوسرے مسلمان بھی ایسا ہی کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسے استدلال کو استدلال کہنا استدلال کی توہین ہے۔ یہاں سوال اصول کا ہے نہ کہ کسی کے عمل کا۔ اگر کسی کا عمل اصول کے خلاف ہے تو ایسے عمل کو غلط قرار دیا جائے گا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت کے کسی منصوص جز میں ترمیم کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، خواہ اقدام کوئی کرے، بفرض محال ساری دنیا کے مسلمان متفقہ طور پر بھی اگر کسی حکم خداوندی میں ترمیم کر دیں تو ان کا یہ اقدام غلط ہی ہوگا کیوں کہ وہ اس کے قطعی مجاز نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب کہ **'لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق'** ایسے تمام احکام وقوانین دیوار پر دے مارنے کے قابل ہیں جو کتاب وسنت سے بے نیاز ہو کر بنائے گئے ہیں۔

جو لوگ ایسے احکام وضع کریں ان کو ڈرنا چاہئے کہ خدا کی سزا بڑی سخت ہے۔ اب ان تبدیلیوں کی بھی حقیقت جان لینی چاہئے جو بعض مسلم ممالک نے ،مسلمانوں نے پرسنل لا میں کی ہیں۔ یہ حقیقت فی الاصل بس اتنی ہے کہ جن ممالک میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم واصلاح کی گئی ہے ان سب میں سوائے دو ملکوں کے۔ یہ ترمیم واصلاح تمام تر حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے کی گئی ہے۔ یعنی کسی ایک ہی مکتب فقہ کی بجائے مختلف فقہی مسالک کو سامنے رکھ کر اخذ وانتخاب کا طریقہ اختیار کر کے ایک مجموعہ قوانین مدون کر لیا گیا ہے یعنی اس مجموعہ قوانین کا سرچشمہ بہرحال اسلامی ذخیرہ فقہ ہی ہے۔ پھر اس سلسلے میں جو کچھ کیا ہے وہ خود مسلمانوں ہی نے کیا ہے۔ اور علماء ماہرین قانون اسلام کے مشورے سے کیا ہے غیر مسلمین کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں رہا ہے۔ اس ذیل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مسلمان ملکوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کی کوشش نہیں کی ہے جیسا کہ ہمارے ملک کے سیاست دانوں کے پیش نظر ہے۔ بلکہ غیر مسلموں کے لئے ان کے پرسنل لاء محفوظ رکھے گئے ہیں۔

اس بات کو پھر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اگر کسی مسلم ملک نے کوئی ایسی تبدیلی کی بھی ہو جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو خدا اور اس کے مقابلے میں یہ ایک باغیانہ روش اور غیر مجاز عمل ہے جس کو نہ تو نظیر بنایا جا سکتا ہے نہ اس کو بنیاد بنا کر قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے پر اصرار کرنے والوں کے مقابلے میں کوئی حجت قائم کی جا سکتی ہے۔ کتاب وسنت ہی دراصل مسلمانوں کی پوری زندگی کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا حکم ان کے لئے واجب الاتباع ہے۔

ایک غلط دعویٰ

عام طور سے یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے دستور کی رو سے پارلیمنٹ کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا حق حاصل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دستور ہند کے کچھ اجزاء بنیادی ہیں اور کچھ غیر بنیادی۔ ان بنیادی اجزا میں ترمیم کا کسی پارلیمنٹ کو اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہندوستان کے شہریوں نے ملکی ڈھانچے اور نظام کو اس وجہ سے قبول کیا ہے کہ اس میں بنیادی حقوق کی دفعات موجود ہیں۔ ان حقوق میں کانٹ چھانٹ سے اندیشہ ہے کہ ایک نئے انقلاب کا دروازہ کھل جائے گا۔ جس میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی مستحکم ضمانت دی گئی ہو۔ ہندوستانی شہری اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ عارضی طور پر کامیابی حاصل کرنے والی پارٹیوں کی خواہشات پر ہوا کے اکھڑے ہوئے پتوں کی طرح اڑتے رہیں۔ بلکہ انہوں نے بجا طور پر ایسی مستقل بنیادوں کو دستور میں جگہ دے رکھی ہے جو بنیادی انسانی حقوق کی ضامن ہیں اور اہل ملک کی ہر اٹھنے والی قیادت کو پابند کیا ہے کہ وہ ان بنیادوں میں رخنہ اندازی نہ کرے۔

یہ صحیح ہے دستور ہند میں بنیادی حقوق کے باب کے بعد، رہنما اصولوں کے باب کے تحت ایک دفعہ میں مشترکہ سول کوڈ کا

تصور بھی دیا گیا ہے۔لیکن لوگوں کو مغالطہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ ریاست اس کی عملاً بھی پابند ہے۔اس سلسلے میں ایک واضح مثال شراب بندی کے قانون کی ہے جو رہنما اصولوں میں درج ہے لیکن حکومت اسے نافذ کرکے اب دھیرے دھیرے ختم کرتی جارہی ہے۔اس ضمن میں یہ بات بھی یادرکھنے کی ہے کہ دستور ہند کی رو سے کسی شہری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ حکومت اگر کسی رہنما اصول پر عمل درآمد کرنے سے قاصر رہے تو عدالتی چارہ جوئی کرکے اسے مجبور کیا جاسکے۔یہ بات بھی یادرکھنے کی ہے کہ دستور ہند میں یکساں سول کوڈ کی دفعہ 44 دستور کے چوتھے باب کا ایک جز ہے۔دستور کے چوتھے باب میں چند وہ رہنما اصول مندرج ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر حکومت کو قانون سازی کرنی ہے۔دفعہ 44 کے الفاظ یہ ہیں:

''ریاست ملک کے تمام شہریوں کے لئے ایک مشترک سول کوڈ مہیا کرنے کی کوشش کرے گی۔'' دستور کے باب سوم کا عنوان ہے''بنیادی حقوق''اوراس باب میں ہندوستان میں رہنے والے تمام ہی باشندوں کے لئے چند حقوق کوان کے بنیادی حقوق کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے اوران کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ان بنیادی حقوق میں سے ایک حق مذہب کو اختیار کرنے، اس پر عمل کرنے اوراس کی تبلیغ کرنے کا ہے۔(دفعہ 25)اوراسی باب میں (دفعہ 39) کے ذریعہ یہاں کے شہریوں کے ہر طبقہ کو اپنے مخصوص کلچر کو برقراراور محفوظ رکھنے کی حق کی ضمانت دی گئی ہے۔

دستور ہند کے ان دونوں ابواب یعنی باب سوم اور باب چہارم کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ بنیادی حقوق کو رہنما اصولوں پر فوقیت اور بالادستی حاصل ہے۔جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی رہنما اصول کسی بنیادی حق سے متصادم ہوتو اس رہنما اصول کو پس پشت ڈال دیا جائے گا۔اس فرق کو متعین کرنے والے چند وجوہ یہ ہیں۔

بنیادی حقوق کے متعلق دستور ہی کی دفعہ 32 میں اس باب کی صراحت کردی گئی ہے کہ بنیادی حق کو سپریم کورٹ کے ذریعہ نافذ کرایا جاسکے گا۔یہ امر ملحوظ رہے کہ دفعہ 32 کی گنجائش دفعہ 226 سے مستزاد ہے جس کے تحت ہر ہائی کورٹ میں کسی بھی حق کے نفاذ کے لئے رٹ داخل کی جاسکتی ہے۔اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ریاست کسی بھی فرد کو کسی قانون کے ذریعے یا کسی عاملانہ حکم کے ذریعہ اس کے کسی بنیادی حق سے محروم کرے تو وہ اس قانون یا حکم کو عدالت میں چیلنج کرکے اس کی منسوخی کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

لیکن رہنما اصولوں کے تعلق سے ایسی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے اور قانون دانوں کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ اگر ریاست کسی رہنما اصول کو اختیار کرنے میں قصور اور کوتاہی کرے تو کسی عدالت کے ذریعہ ریاست کو اسے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔اس صورت حال سے بھی بنیادی حقوق کی رہنما اصولوں پر بالادستی واضح ہوتی ہے۔

بنیادی حقوق کو دفعہ 13 ضمن 2 کے ذریعے مزید مستحکم کردیا گیا ہے اس دفعہ کی رو سے ریاست کے اختیارات قانون سازی پر یہ صریح تحدید عائد کی گئی ہے کہ ریاست کوئی ایسا قانون نہیں بناسکتی جس سے باب سوم میں مندرج بنیادی حقوق میں کسی کے حق پر کوئی ضرب ہوتی ہو۔

رہنما اصولوں کے باب میں ایسی کوئی مثبت یا منفی نوع کی دفعہ شامل نہیں ہے۔جس سے ریاست پر کوئی لزوم عاید ہوتا ہے یا شہریوں کے حقوق کو محدود کیا گیا ہو۔

دستور کے باب سوم میں جن بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے وہ اپنی نوع میں بنیادی انسانی حقوق ہیں جو انسان کی فطری عزوشرف کا خاصہ ہیں۔اور جن کو آج کی ہر متمدن ریاست تسلیم کرتی ہے۔نیز وہ اقوام متحدہ کے منشور برائے بنیادی حقوق میں بھی شامل ہیں۔اوراس منشور پر دستخط کرکے حکومت ہند نے بھی

ان کوتسلیم کرلیا ہے۔اسی لئے اس باب سوم میں بیشتر بنیادی حقوق کی ضمانت (بشمول دفعہ 25 میں دی ہوئی مذہبی آزادی کے) تمام لوگوں کے لئے ہے جب کہ یکساں سول کوڈ کا دائرہ صرف ہندوستان کے شہریوں تک ہی محدود ہے۔جس کا مطالبہ یہ ہے کہ مذہبی آزادی کے بنیادی حق سے ہندوستان میں رہنے والا ہر مقیم کوئی بھی شخص حتی کہ ایک غیر شہری بھی جو عارضی طور پر ہندوستان میں مقیم ہو مستفید ہوسکتا ہے۔اوراس کے تحفظ کے لئے ہندوستان کی عدالتوں کی پشت پناہی اسے حاصل ہوگی۔رہنما اصول کے مقابلے میں بنیادی حقوق کا یہ عموم بھی ان بالادستی کو ظاہر کرتا ہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا کوئی ریاستی مجلس قانون ساز ایسا قانون وضع کرے جو دستور میں دئے ہوئے بنیادی حقوق سے متصادم ہوتو وہ قانون غیر آئینی ہوگا۔اور یہی بات یکساں سول کوڈ کے لئے بھی ہے۔

یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ پارلیمنٹ ایک ایسا ادارہ ہے جو دستور ہند کی بعض دفعات کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔اس لئے اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دستور کے صحیح منشاء کے خلاف کوئی قانون وضع کرے اور اس کے ذریعہ اقلیتوں کے بنیادی حقوق کو غصب کرلے دستور ہر حال میں پارلیمنٹ سے بالاتر ہے۔اس کی بالادستی کے علی الرغم پارلیمنٹ اگر کوئی ایسا قانون وضع کرتی ہے جو اس کے بنیادی حقوق سے متصادم ہوتو یہ سمجھا جائے گا کہ پارلیمنٹ نے اپنے حقوق سے تجاوز کیا ہے اوران سب لوگوں کو جو ایسا قانون وضع کرنے میں کسی حیثیت سے شریک ہوں یہ سمجھا جائے گا کہ ان کا یہ اقدام حلف وفاداری کے خلاف ہے جوانہوں نے دستور ہند کے مطابق عمل کرنے کے سلسلے میں اٹھایا ہے۔

دستور ہند کی مذکورہ بالا خصوصیات کی بناء پر یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہے کہ پارلیمنٹ کو مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔اس لئے کہ مسلم پرسنل لا دین اسلام کا اہم جز ہے۔اوراسلامی کلچر میں داخل ہے۔اس لئے کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا ہے جواس کلچر پر ضرب لگاتا ہو۔

مشترکہ سول کوڈ کی ایک جھلک

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ہمیں ایک اوراندیشہ بھی لاحق ہے جس سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے یہ اندیشہ اس شکل میں سامنے آرہا ہے کہ اس وقت ایسے متعدد قوانین منظور کئے گئے اور کئے جاسکتے ہیں جو مسلم معاشرے کے شخصی قوانین پر اثر ڈالنے والے ہیں اور جو مشترکہ سول کوڈ میں شامل ہیں۔

بچوں کی تبنیت (Child adoption) کے سلسلے میں اس وقت عام آبادی پر ایک قانون نافذ کرنا حکومت کے پیش نظر جس کو (Adoption of childredn1972) کے نام سے پاس کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔یادرہے کہ پارلیمنٹ میں یہ بل حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔لہذا یہ کہنا کہ حکومت مسلم پرسنل لا کو ابھی بدلنا نہیں چاہتی ہے، صحیح نہیں ہے۔ صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ غیر محسوس طریقہ پر پرسنل لا میں تبدیلیوں کی کوشش کی جارہی ہے۔اس بل کی دفعہ 13 ملاحظہ ہو۔

تبنیت کا اثر

(1) حکم تبنیت اس تاریخ سے نافذ متصور ہوگا جس تاریخ کی صراحت ڈسٹرکٹ کورٹ نے اپنے حکم نامہ میں کی ہو یا اگر تحت دفعہ 12 اس حکم کے خلاف کوئی مرافعہ کیا گیا ہوتو اس تاریخ سے جس کی صراحت عدالت مرافعہ کے حکم میں کی گئی ہو۔

(2) وہ بچہ جس کے بارے حکم نامہ تبنیت جاری ہوا ہو حکم نامہ میں مندرج تاریخ سے جملہ اغراض کے لئے (بشمول بلا وصیت انتقال کی صورت کے) مثل اپنے متبنی گیرندہ کے حقیقی بچہ کے اور اس کے متبنیٰ گیرندگان مثل اس کے حقیقی والدین کے متصور ہوں گے گویا کہ وہ ان کے رشتہ مناکحت کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اوراس تاریخ سے اس بچہ کے جملہ تعلقات اپنے خاندان

پیدائش سے منقطع اور متبنیٰ گیرندگان کے خاندان سے قائم شدہ متصور ہوں گے مگر شرط یہ ہے:

(الف) وہ بچہ کسی ایسے فرد سے شادی نہ کرسکے گا جس سے وہ شادی نہ کرسکتا اگر وہ اپنے خاندان پیدائش ہی میں رہتا۔

(ب) اگر کوئی جائداد تاریخ حکم نامہ تبنیت سے قبل اس بچہ کو حاصل ہوچکی تھی تو تابع ان شرائط کے، اگر کوئی ہوں، جن کے تحت وہ اس بچے کو حاصل ہوئی تھی، وہ اس بچہ کی ملکیت میں باقی رہے گی۔

(ج) متبنیٰ کسی فرد کو کسی ایسی جائداد کے حقوق ملکیت سے محروم نہ کرے جو حکم نامہ تبنیت سے قبل اس فرد کو حاصل ہوچکے ہوں۔''

متبنیٰ کے یہ حقوق بعینہ وہی ہیں جو Hindu Adoption and Maintenance Act1956 کے تحت ہندوؤں کے سلسلے میں مقرر کئے گئے ہیں اور اب ان کو سب ہندوستانیوں پر لاگو کیا جانا پیش نظر ہے۔

چناں چہ 72ء کے اس بل کے اغراض ومقاصد میں یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ اس مسودہ قانون کا مقصد تبنیت کے بارے میں مروجہ ہندو قانون تبنیت وگذارے کے جزو متعلقہ تبنیت اور اس سلسلہ کے سارے رواجی قوانین کو ختم کرا کے ایک ایسا قانون بنانا ہے جو تمام فرقوں پر لاگو ہو۔

اس سے قیاس کر لیجئے کہ مشترکہ سول کوڈ کس طرح اکثریت کے مزاج اور روایات کا عکس بن کر سامنے آنے والا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن وسنت نے مسلمان خاندان کے نظم واستحکام کے لئے شخصی قوانین بنائے ہیں ان پر اگر آزادانہ اور غیر متعصبانہ طور پر غور کیا جائے تو ہر منصف مزاج انسان یہ مطالبہ کرنے پر آپ کو آمادہ پائے گا کہ ان قوانین کو مسلم سماج ہی کے لئے خاص رکھنے کے بجائے ملک گیر اور آفاقی حیثیت دی جانی چاہئے۔ کیوں کہ ان کے علاوہ خاندان کا استحکام اور سماجی انصاف کسی اور طرح ممکن ہی نہیں۔ مگر برا ہو تنگ نگاہی کا اس کے باعث ایسے مفید اور جامع قوانین سے استفادہ کرنا تو در کنار، الٹا ان لوگوں کو بھی اس سے محروم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو ان کو اپنائے ہوئے ہیں۔

ہم یقیناً اس وقت ایک اجنبی ماحول میں گھرے ہوئے ہیں تاہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ تاریکی کا وجود ہی اس امر کا متقاضی ہے کہ اس میں روشنی کا چراغ جلایا جائے۔ ہمیں اپنی جگہ اس وقت ایک طرف تو یہ عزم کرلینا چاہئے کہ اپنے معاشرہ میں اسلامی روح کے مطابق خاندانوں کی اصلاح کریں گے اور ہمارا ایک ایک گھر خدمت دین اور اقامت دین کا روشن منارہ بنے گا۔ دوسری جانب ملی پیمانہ پر ہماری طرف سے اس بات کا صریحی مطالبہ کیا جانا چاہئے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتبدیلی کا کسی حکومت یا پارلیمنٹ کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا انتباہ

اس ذیل میں یہ تذکرہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جب مجلس دستور ساز میں مجوزہ دستور پر دفعہ وار بحث ہورہی تھی اور یہ دفعہ 44 (جو مسودہ دستور میں دفعہ 35 تھی) زیر بحث آئی تو بعض ممبران اسمبلی دستور ساز نے اس کی شدت سے مخالفت کی اور ان تقریروں سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی کہ اس کی مخالفت صرف مسلمان ہی نہیں کرتے بلکہ خود ہندو کا ایک بڑا طبقہ مشترکہ سول کوڈ کا مخالف ہے اور اس کو مداخلت فی الدین اور دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کے مغائر سمجھتا ہے، اس موقع پر ڈاکٹر امبیڈکر صاحب نے جنہوں نے دستور کا مسودہ تیار کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا اس بارے میں یہ فرمایا تھا۔

''ریاست صرف یہی چاہتی ہے کہ اسے اس طرح کے قانون بنانے کا حق حاصل ہوجائے اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ ریاست مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کی پابند ہوجائے۔ لہٰذا کسی شخص کو اس بات کا اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ اگر ریاست نے اپنے لئے اس قسم کا اختیار حاصل کرلیا ہے تو وہ فوراً ہی اس اختیار کا

استعمال اور اس کو اس طرح نافذ بھی کردے گی جو مسلمان یا عیسائیوں یا دوسرے فرقوں کے لئے قابل اعتراض ہو۔

کوئی بھی ریاست اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح نہیں کرسکتی جس کے باعث مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ ہوجانا پڑے اگر ریاست ایسا کرے تو میری دانست میں وہ پاگل پن ہوگا۔''

اس بحث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف دفعہ 44 کے تحت یکساں سول کوڈ کے خطرہ سے اپنے کو محفوظ کر لینے پر بات ختم ہوجاتی ہے، صورت حال یہ ہے کہ اس وقت بھی ملک میں چند ایسے قوانین نافذ ہیں جو مسلم پرسنل سے متصادم ہیں، ان میں خصوصیت سے (Special Marrige Act) قابل ذکر ہے۔ یہ قانون ہندوستان کی آزادی کے بعد ہماری پارلیمنٹ نے 1984ء میں بنایا ہے۔ اس کی رو سے نکاح کے لئے نہ تو جانبین کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے اور نہ ہی نکاح کے منعقد ہونے کے لئے کسی مذہبی رسم کا ادا کرنا۔ صرف حکومت کے ایک عہدہ دار کے پاس اس بات کا تحریری اقرار کافی ہے کہ طرفین قانون مذکورہ کے تحت رشتہ مناکحت میں بندھ رہے ہیں اور اس قانون کے تحت شادی کے بعد طرفین اور ان کی اولاد وراثت کے باب میں (indian succession Act) سے متعلق ہوں گے نہ کہ ان میں سے کسی ایک کے شخصی قانون وراثت سے، اس قانون کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ اگر طرفین ایک ہی مذہب کے ہوں یعنی مرد اور عورت دونوں ہندو یا دونوں مسلمان ہوں تب اس قانون کے تحت شادی کر لینے کے نتیجہ میں ان کا مذہبی قانون وراثت ان سے متعلق نہ ہوگا بلکہ مذکورہ بالا قانون Indian succession Act سے متعلق ہوگا جو ہندو قانون وراثت اور اسلامی قانون وراثت سے مختلف ہے۔ اس طرح کے تمام قوانین کو منسوخ کرانے کی ضرورت ہے یا یہ طے کرالیا جائے کہ ان قوانین کا اطلاق مسلمانوں پر نہ ہوگا۔ اسی طرح اس وقت عدالتوں میں محمڈن لاء رائج ہے وہ فی الواقع اینگلو محمڈن لاء ہے اور اس میں متعدد قوانین شریعت سے متصادم یا مختلف ہیں ان تمام قوانین پر نظر ثانی کر کے انہیں کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔

اس قسم کے غیر اسلامی قوانین یا قوانین مروجہ کے غیر شرعی اجزاء کو شریعت اسلامیہ کے مطابق بنانے کا کام ظاہر ہے کہ ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے لئے وہی لوگ اہل ہیں جن کو کتاب وسنت کا کما حقہ علم حاصل ہو اور جو اسلامی فقہ، اسلامی فلسفہ قاون اور اسلامی تاریخ پر عبور کے ساتھ ساتھ ان معاملات میں بصیرت بھی رکھتے ہوں۔

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں بعض باتیں قابل توجہ ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مسلمانوں کے مطالبات

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں حکومت سے مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ:

(1) رہنما اصولوں میں سے دفعہ 44 منسوخ ہو۔ (2) مسلم پرسنل لا میں حکومت کوئی ترمیم نہ کرے۔ (3) اسپیشل میرج ایکٹ کا اطلاق مسلمانوں پر نہ ہو۔ (4) متبنی بل 72ء واپس لیا جائے یا کم از مسلمانوں کو اس کے دائرہ اثر سے خارج رکھا جائے۔ (5) حکومت آئندہ کوئی ایسا بل نہ لائے جس کی منشا یکساں سول کوڈ کو جزاء جزاء نافذ کرنا ہو، جیسا کہ وہ اس وقت کر رہی ہے۔ جب تک یہ مطالبات پورے نہ ہوں گے مسلمانوں کو چین نصیب نہ ہوگا اور وہ یہ محسوس نہ کر سکیں گے کہ ان کا دین وایمان اور ان کی شریعت وتہذیب ملک میں محفوظ ہے۔

یقیناً طوفان شدید ہے لیکن اگر حکمت ودانش عزم واتحاد اور توکل علی اللہ سے کام لے کر آگے بڑھیں تو نصرت ایزدی سے اس طوفان میں سے اپنے لئے راستہ نکال سکتے ہیں۔ ۞ ۞

واللہ خیر الناصرین۔

ماہنامہ معارف قاسم جدید کی فخریہ پیش کش

سیرت النبی نمبر صلی اللہ علیہ وسلم

۳۱۲ صفحات پر مشتمل اس خصوصی شمارہ میں سیرت محمدیؐ کے تمام پہلوؤں پر نہایت معرکۃ الآراء مضامین ومقالات شامل کیے گئے ہیں۔ امن عالم اور انسانیت کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے ضروری ہے کہ اسوۂ محمدی کی روشنی کو عام کیا جائے۔ اس خصوصی شمارہ میں آقائے مدنی ومکی صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب آفریں پیغامات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جسے پڑھ کر انسانی زندگی میں صالح انقلاب اور ذہن ودماغ میں روحانی تبدیلی ہوگی۔

اس قیمتی تحفہ کو ضرور حاصل کریں

قیمت: تین سو روپے -/300

ملنے کے پتے: ❁ دفتر ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' این۔93 سیلنگ کلب روڈ، لین نمبر 2،
بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025
فون نمبر: 011-26988176 فیکس نمبر: 011-26982907
❁ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، مدھوبنی، پوسٹ پرتاپ گنج، ضلع سپول بہار

E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com / www.jamiatulqasim.com

Ph: +91-9931906068, 9771807585, 9852124748

باب سوم

اقلیتوں کے مسائل اور اصول

فقہ الاقلیات: اصول وضوابط

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

دنیا کے مختلف حصوں میں جہاں مسلمان بحیثیت اقلیت آباد ہیں، وہاں کے سیاسی، سماجی، تعلیمی، اقتصادی قانونی نظام الگ الگ نوعیت کے ہیں، پھر ان تمام مسلم اقلیتوں کے مسائل وحالات، مشکلات ودشواریاں جداگانہ نوعیت کی ہیں، ان سب حالات ومسائل کا عصر حاضر کے ممتاز فقہاء نے جائزہ لیا اور ان کے حل کے لئے نئے اصول وضوابط کی تشکیل کی ضرورت محسوس کی۔

مسلم اقلیتوں کے مسائل کے حل کے لئے فقہی اجتہاد کے تعلق سے ضابطہ سازی کے لئے کئی طرح کی کاوشیں درکار ہیں۔ فقہ وقواعد کے اصولوں پرمبنی کتابوں، معمولات زندگی کے مقاصد اور امریکہ، یورپ، ہندوستان اور چین وغیرہ کی مسلم اقلیتوں کے زمینی دورے کے دوران میری یہ شدید خواہش رہی کہ میں اس تعلق سے کوئی خاکہ پیش کروں۔ چناں چہ میں نے یہ تحریر مرتب کی۔

یہاں ''ضوابط'' کے لفظ سے میری مراد وہ دائرہ کار ہے جس کی بنیاد پر مسلم اقلیتوں کے اجتہاد کا کاز انجام پاتا ہے۔ میں نے حتی الامکان ''قواعد'' کے لفظ سے گریز کیا ہے تاکہ مناقشہ اور تنقیح سے بچے رہیں۔ اسے اصول اس لئے کہا گیا کہ یہ مجتہد کے عقل ووجدان میں اپنا طریقۂ کار نقش کرتے ہیں کہ وہ اجتہاد کے وقت ان دائروں اور ضابطوں کو بروئے کار لائے۔ اور ''فقہ'' شریعت کے ان عملی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو اس کی تفصیلی دلیلوں سے ثابت ہوتے ہیں۔ جہاں تک ''مسلم اقلیتوں'' کی بات ہے تو وہ میری نظر میں دو قسم کی ہیں:

پہلی: یورپ، امریکہ، ہندوستان اور چین وغیرہ کی مسلم آبادیاں جو اقلیت شمار کی جاتی ہیں۔

دوسری: قانونی حقوق کے اعتبار سے اقلیت یعنی جن مسلمانوں کو ان کے حقوق نہیں دیئے جاتے اور انہیں ظلم وزیادتی کا تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔ جیسے چیچنیا، ازبکستان، آذربائیجان اور کرغیز یا وغیرہ کے مسلمان۔ اس ضمن میں وہ چند اسلامی ممالک بھی داخل ہیں جہاں کی مسلم اکثریتیں وہاں کی غیر مسلم اقلیتوں سے کم حقوق پاتی ہیں، وہاں سے داعیوں اور اصلاح کاروں کو نکال باہر کردیا جاتا ہے، اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت یورپ کی مسلم اقلیتوں سے بھی بدتر ہے۔

پہلا اصولی ضابطہ

وطنیت کا شدید احساس

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس وطن میں سانس لیتا ہے، جہاں کا پانی پیتا ہے، جس کے کھانے سے آسودگی حاصل کرتا ہے، جہاں کے مال ومنال سے بہرہ ور ہوتا ہے اور جہاں کے سرمایہ سے صدافتخاری حاصل کرتا ہے، اس وطن سے محبت کرتا ہے۔

اگر مسلم اقلیتیں جن ممالک میں وہ رہائش پذیر ہیں ان سے

لگاؤ محسوس نہیں کرتیں اور اس وطن سے محبت نہیں رکھتیں، تو یہ مروت میں درار اور بزرگی وکرامت پر وار ہے، اس سے اکثریت کی طرف سے اقلیتوں کے تئیں جلاوطنی اور ظلم واستبداد کے تازیانے برسائے جائیں گے۔

جب فقہ کا کام حقیقی صورت حال کا علاج تسلیم کرلیا گیا تو اقلیتوں کی حالت پر بھی غور کرلیا جائے تو بہتر ہے:

ا- ایک سروے کے مطابق امریکہ میں آٹھ ملین سے بھی زیادہ مسلمان ہیں، جن میں 22.4 فیصد امریکی الاصل ہیں اور 77.6 فیصد مہاجر ہیں جو دوسری جگہوں سے آکر یہاں آباد ہوگئے ہیں، جبکہ مہاجرین میں 0.4 فیصد ایسے ہیں جو یا تو بچپن ہی میں یہاں آکر اپنے ماں باپ کے ساتھ آباد ہوگئے ہیں اور امریکہ کی سرزمین پر ان کی پیدائش ہوئی ہے، ان کے آبائی وطن سے ان کی نسبت محض قلبی محبت کی ہے، وہ اپنے والدین، چچا، ماموں، دادی، نانی سے اس کے بارے میں جو کچھ سنتے ہیں اس سے کچھ لگاؤ پیدا ہوجاتا ہے، لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا وطن امریکہ ہی ہے اور یہ ان کی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہے۔

۲-مشرقی اور مغربی یورپ کے مسلمان بھی اسی احساس کے ساتھ وہاں زندگی گذارتے ہیں، ان میں سے غالب اکثریت اپنے آبائی وطن لوٹنے کے بارے میں نہیں سوچتی، کیوں کہ وہ غربت اور ظلم کی وجہ سے وہاں دوبارہ واپس نہیں جانا چاہتی۔

۳- چین میں مسلمان ایک سو پچاس ملین سے بھی زیادہ ہیں اور یہ سارے کے سارے چینی الاصل ہیں۔

۴- ہندوستان میں مسلمان دو سو ملین ہیں اور یہ سب ہندوستان ہی کی سرزمین پر پیدا ہوئے ہیں۔

۵- مشرقی ایشیا کے ممالک میں خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں وہ بھی وہاں کے اصلی باشندے ہیں، جیسے ازبکستان، تاجکستان، قزاقستان، قرغیریا، آذربائیجان، سنگاپور اور سری لنکا وغیرہ۔

شمالی افریقہ کے ممالک جیسے تنزانیہ، یوگنڈہ، کینیا، گھانا، نائجیریا نیز جنوبی افریقہ کے مسلمان بھی وہاں کے اصلی باشندے ہیں، ان کا وہیں گھر ہے کہیں اور نہیں۔

یہی حالت جاپان اور آسٹریلیا وغیرہ کی ہے۔ وہاں بھی اسی طرح مسلم اقلیتیں موجود ہیں، اس لئے مجتہدین، فقہاء اور ائمہ ومصلحین کو ان مسلم اقلیتوں کو شہری مقیم اور باشندہ حقیقی کی حیثیت سے دیکھنا چاہئے۔ شہری مہاجر کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے، اسی وطن کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے دیکھنا چاہئے اور اسی اعتبار سے ان مسلم اقلیتوں کے بارے میں اپنے فقہی اجتہادات کی عمارت کھڑی کرنی چاہئے، کیوں کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ لوگ وہاں کے باشندے اور شہری ہیں، ہمیشہ کے لئے رہائش پذیر ہیں، مہاجر نہیں، اور دوسرے یہ کہ کسی جگہ اقامت اختیار کرنے، وہاں کی آب وہوا سے مستفید ہوجانے، وہاں بس جانے نیز وہاں کی تعلیم وثقافت سے مالا مال ہوجانے کے بعد انسان کے اندر اس جگہ کے تئیں وفاداری لازمی ہوجاتی ہے، جس کا لازمی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس جگہ اور ملک پر اپنا حق سمجھے، وہاں کے اصلاحی امور میں خود کو شامل کرے، اس کی تعمیر وترقی میں ہاتھ بٹائے، اور یہ چیز اپنے آبائی وطن سے لگاؤ کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ خود نبی ﷺ کی حالت یہ تھی کہ اپنے آبائی وطن مکہ کی تعریف سن کر رو پڑتے تھے، اسی طرح حضرت بلال اور دیگر صحابہ کی بھی یہی حالت تھی جنہوں نے مکے سے ہجرت کرکے مدینہ کو اپنا وطن بنالیا تھا، اور اس کو خیر وبرکت اور نور وروشنی سے آباد کردیا، نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے صاع ومد (پیمانوں) کے بارے میں برکت کی دعائیں کیں، وہاں کے وبائی بخار کی بیماری کے خاتمہ کے بارے میں دعا فرمائی کہ اللہ اسے جحفہ کی وادیوں میں منتقل کردے، چناں چہ ان اصلاحی کاوشوں سے مدینہ کے اندر، وہاں

کی آب وہوا میں، وہاں کے پیڑ پودوں اور باشندوں میں پاکیزگی اور خوشگواری رچ بس گئی۔

میرا مقصد یہ باور کرانا ہرگز نہیں کہ غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر مسلمان وہاں کے بارے میں وہی احساس قائم رکھیں جو مدینۃ الرسول کے بارے میں صحابۂ کرام کا تھا، جہاں شرعی نص کی روشنی میں ان نفوس قدسیہ نے عملی تطبیق سے ایک شرعی اتھارٹی اور ایک اسلامی ریاست کے حوالے سے نمایاں چھاپ چھوڑی اور یوں اس ریاست کو انسانیت کے لئے منارۂ نور بنا دیا۔ میرا مقصود تو یہ ہے کہ جائے ولادت اور آبائی وطن سے لگاؤ بجا ہے۔ یہ چیز کسی دوسرے ملک میں آباد ہونے کے بعد ممنوع نہیں ہو جاتی لیکن وہاں آباد ہونے کے بعد وہاں کی اصلاحی کاوشوں میں حصے داری بھی ضروری ہے، وہاں سے بھی لگاؤ ہونا چاہئے، وہاں کے حقوق بھی پورے کرنے چاہئیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ غیر مسلم ریاستوں میں مسلم اقلیتوں کی اکثریت میں ان لوگوں کا تناسب زیادہ ہے جنہوں نے خود وہاں آنکھیں کھولی ہیں وہیں وہ لوگ پروان چڑھے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہاں کے حقیقی باشندوں کی بھی خاصی تعداد ایسی ہے جن کا سارا کا سارا سرمایۂ الفت وانسیت وہی ملک ہے، اس لئے منجملہ ساری مسلم اقلیتوں کو وہاں کی تعمیر وترقی میں حصے دار ہونا چاہئے۔

غیر ملکوں میں جا کر آباد ہو جانے کا مسئلہ آج تک اگر معرض اختلاف میں رہا ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ جو فتوی اور اجتہاد کے کاز انجام دے رہے ہیں وہ خود غیر مسلم ممالک میں اسلامی دعوت کو پہنچانے، اس امانت کو ادا کرنے اور خیر کی تبلیغ کے لئے مامور جماعت کو وہاں رہائش پذیر ہونے کو خود بجا قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: "كنتم خير أمة أخرجت للناس" (۱) یعنی تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی بھلائی) کے لئے بھیجے گئے ہو، اور نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے: 'مجھے اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔' امت محمدیہ کے لوگوں کی بھلائی کی غرض سے مبعوث کئے جانے کی فکر اس قدر عام ہو چکی تھی کہ اعرابیوں میں بھی ربیعہ بن عامر کا یہ مقولہ گردش کرتا نظر آتا ہے، ''اللہ تعالی نے ہمیں بھیجا ہے تا کہ ہم بندوں کو بندوں کی عبودیت سے نکال کر انہیں ان کے رب کی عبودیت کی راہ دکھائیں، دنیا کے ادیان ومذاہب کے ظلم وجور سے اسلام کے عدل کی طرف بلائیں اور دنیا کی تنگی سے دنیا وآخرت کی وسعت وخوش حالی کی طرف بلائیں۔

اگر تمام حالتوں میں دنیا بھر کے فقہاء اس بات پر اتفاق کر لیں کہ غیر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کا رہائش پذیر ہونا صحیح نہیں تو بھی وہاں کے اصلی مسلمان باشندوں کو نہیں بدل سکتے (ان کے بارے میں اقلیت کا تصور قائم رہے گا اور ان کے لئے فقہی اجتہاد کی ضرورت باقی رہے گی) اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں سے مہاجر مسلمانوں کی اکثریت نے ہجرت کے بعد دوبارہ ان ممالک کا رخ نہیں کیا جہاں سے انہیں مشقت اٹھا کر ہجرت کرنی پڑی تھی، تو کیا فقہ کا کام یہی رہ گیا ہے کہ وہ لوگوں کو گنہ گار کرے، یا ان کے شانوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے اور اٹھانے کا کام انجام دے؟ اس لئے میری نظر میں ہر ملک میں آباد مسلم باشندہ وہاں اپنے وطن سے محبت کرے، جو لوگ وہاں تباہی وبربادی پھیلانا چاہتے ہوں ان کو ناپسند کرے، کیوں کہ وہ بھی اس ملک کا محافظ ہے، اسے بھی وہاں کے حال ومستقبل کی بہتری کے لئے کوشاں رہنا چاہئے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہاں رائج تباہی پھیلانے والے مذاہب یا تباہی برپا کرنے والے، صلح وصفائی کے دشمنوں اور اسلام مخالف قانون ساز سرکاروں سے دوستی کرے بلکہ وہ اس ملک سے محبت کرے تا کہ اسلام کے دونوں جہاں کے لئے رحمت بن کر آنے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو اور تمام لوگوں کے اندر خیر وبرکت کی تخم ریزی ہو۔

اس بنیاد پر وہاں کے مہاجر مسلمانوں کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ میں فرانسیسی مسلم یا امریکی مسلم، یا جاپانی مسلمان یا ہندوستانی مسلمان ہوں، اسی طرح وہاں کے حقیقی باشندوں کی طرح ان کو بھی اپنے ملک پر فخر کرنا درست ہے۔

دوسرا ضابطہ

وطن کی اصلاح کے تئیں ذمہ داریوں کی اہمیت:

اقلیتوں کے فقہی اجتہاد میں وطن اور سماج کے تئیں اصلاح میں مسلمانوں کے رول کو غیر معمولی طور پر اہمیت دی جانی چاہئے، صرف آزمائشوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لئے فقہی اجتہاد کا دروازہ کھٹکھٹانا کافی نہیں، جیسے چند حضرات اپنے بچوں کو فتنوں سے بچانے اور برائیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مدارس اور اسکول قائم کرنے کی دہائی دیتے ہیں، لیکن ان کے یہاں اپنے بچوں سے کوئی ایسی زندہ قیادت تیار کرنے کی کوئی سوچ نہیں پائی جاتی جو سوسائٹی اور سماج کے لئے سودمند ہو اور اسے رشد وہدایت کی راہ دکھائی جا سکے۔ اس طرح چند حضرات انتخابات میں حصہ لینے پر زور دیتے ہیں تاکہ اقلیتوں کے حقوق نہ مارے جائیں، حکومتیں ان کے حقوق غصب نہ کر سکیں اور فرقہ وارانہ فساد اختلاف یا ظلم وقہر کے شکار نہ ہو سکیں جیسا کہ فلسطین، عراق، افغانستان اور چیچنیا وغیرہ میں ہو رہا ہے یہ فقہ واجتہاد رسالت اور نبوت کے مشن کی تکمیل کے لئے ناکافی ہے، نیز یہ مسلمانوں کے ایسے رول کو بھی یقینی بنانے سے قاصر ہے جس سے خود انہیں اور ان کے گھر والوں کے حق میں سودمندی ثابت ہو سکے اور بیک وقت اس کے اچھے اثرات ان کے سماج پر مرتب ہو سکیں خواہ وہ سماج اچھا ہو یا برا، اس ملک کا بھی بھلا ہو، اگرچہ اس میں برائیوں کا فیصلہ ہوتا ہے، اس لئے کہ حقیقت میں یہی دعوت کا میدان ہے (اصلاح ودعوت کا کام وہی ہوتا ہے جہاں بگاڑ ہوتا ہے) ورنہ (جب ہر جگہ اچھائی ہی اچھائی ہو تو وہاں) ہمیں دعوت واصلاح کا میدان کہاں مل سکتا ہے؟ جسے انجام دینے کا ہمیں اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے، چناں چہ اس قسم کی بہت سے دلیلیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اقلیتوں کے فقہی اجتہاد کی بنیاد ایسی چیزوں پر ہونی چاہئے جو انہیں اپنے ملک اور سماج کی اصلاح پر ابھارے، ان میں سے چند دلیلیں حسب ذیل ہیں:

پہلی دلیل: اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ جو امتیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں ان میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خرابی وبربادی پیدا کرنے سے روکتے؟ ہاں (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے ان میں سے مخلصی بخشی اور جو ظالم تھے وہ انہی باتوں کے پیچھے لگے رہے جن میں عیش وآرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور تمہارا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں از راہ ظلم تباہ کردے۔

یہ دونوں آیتیں سورہ ہود کی ہیں اور انبیاء کی رسالت کے بارے میں خلاصہ ہیں جو انہیں ہلاکت وبربادی سے بچانے کا ضامن بھی ہے۔ پہلی آیت ایک قوم کے باعقل اور دیندار افراد کی باقی ماندہ جماعت کے بارے میں خبر دیتی ہے، جیسا کہ علامہ قرطبی نے اس کا ذکر کیا ہے اور ان کا مشن اصلاح کی ذمہ داری اور زمین سے فساد کو مٹانا بتایا ہے۔ یہ مشن صرف دیار اسلام میں نہیں بلکہ پوری کرۂ ارض کے لئے ہے۔ اصلاح کے اس مشن کی ادائیگی ہی ہلاکت سے روکنے اور تباہی سے بچانے والی ہے۔ دوسری آیت میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی پہلی بیوی سارہ سے اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی عظیم خوشخبری نے متوجہ کیا اور اسی رشتے نے انہیں لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب مسلط کرنے والے فرشتوں سے عذاب میں جلدی نہ مچانے کو لے

کر بحث ومباحثہ کرنے پر بھی تیار کیا تا کہ انہیں اپنی اصلاح کے چند مواقع مزید مل سکیں۔قرآن مقدس نے داعی کے اپنی قوم کے تئیں اصلاح کے جذبات کے حوالے سے اس واقعہ کو نہایت ہی موثر کن انداز میں ان آیتوں میں کیا خوب بیان کیا ہے جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوش خبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں لگے ہم سے بحث کرنے ، بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو، تمہارے رب کا حکم آن پہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹلنے کا۔

یہ موقف جو ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے بارے میں اپنایا اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود بھی انہیں حلم وبردباری سے متصف کیا، لہذا یہ اصلاح کاروں کے لئے ایک ضروری صفت کی حیثیت رکھتی ہے۔ان کی اس تڑپ کو اللہ تعالیٰ نے سراہا بھی ہے، لیکن اس کے باوجود چوں کہ اللہ کا حکم صادر ہو چکا تھا اس لئے وہ آ کے رہا، ان پر سارے تجربات آزمالئے گئے ، اصلاح کے تمام وسائل بروئے کار لانے کے باوجود بھی کچھ ہاتھ نہ آیا، ان کی فطرت کی گنگا الٹی ہی بہتی رہی اس لئے ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آیا، ہاں ابراہیم علیہ السلام کی تڑپ اور جذبے کو مستحسن کہا گیا۔

تیسری دلیل: امام بخاریؒ نے اپنی سند سے عروہؓ سے اور عروہ نے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ پر اس (احد) کے دن سے بھی زیادہ اور کوئی گراں دن گذرا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ایک دن کا تذکرہ کیا، جس دن آپ کی قوم نے آپ پر بہت سخت مظالم کئے، تو جبرئیل علیہ السلام پہاڑ کے فرشتے کے ساتھ آئے اور یہ پیشکش کی کہ (اے نبی محترم) اگر آپ چاہیں تو میں پورے مکے والوں کو تباہ وبرباد کردوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں تو ان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے، وہ نادان ہے (جو مجھے ستارہی ہے، آپ نے مزید فرمایا) مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی ان کی نسل میں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اللہ عزوجل کی عبادت کریں گے (وہ مسلمان ہوں گے)۔ یہ اچھوتا موقف نبی کریم ﷺ نے اس وقت اپنایا تھا جس وقت قریش آپ کی ایذارسانیوں پر تلے ہوئے تھے، مسجد حرام بتوں سے بھرا پڑا تھا، خانۂ کعبہ کے گرد بت ہی بت تھے، مرد وزن برہنہ طواف کیا کرتے تھے، اور عورت کہا کرتی تھی:

آج سب برہنہ ہوجائے یا کچھ، جو حصے بھی ظاہر وبرہنہ ہوں گے میں انہیں حلال نہیں سمجھتی۔

اگر مسجد حرام سے باہر کی دنیا پر نظر ڈالی جاتی تو اسی مکہ میں زنا کاری کے اڈے بنے ہوئے تھے، ان پر سرخ رنگ کے نشانات ہوا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں عائشہؓ سے مروی ہے، ساتھ مالدار لوگ غریبوں پر ظلم کرتے تھے، سردار غلاموں کو ظلم وجبر کا تختۂ مشق بناتے، طاقتور غریب کو اور مرد عورت کو ستاتا تھا (۸)، مگر ان ساری برائیوں نے نبی کریم ﷺ کو اس بات پر قطعاً آمادہ نہیں کیا کہ آپ ان کی ہلاکت وبربادی کے طالب ہوں اور ان کی بربادی کے لئے بددعائیں کریں، بلکہ آپ تو برابر ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہے جس کی وجہ سے وہی مخالفین جوق درجوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور مسلمانوں کی نصرت کے سامان بنے۔

چوتھی دلیل: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے زمانۂ جاہلیت میں ''حلف الفضول'' نامی معاہدے میں شرکت کی دعوت دی گئی، اگر عہد اسلام میں بھی مجھے اس قسم کا معاہدہ کرنے کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اگر کسی مسلمان کو اخلاقی یا انسانی یا اصلاحی بہتری کے لئے کسی تنظیم یا ادارے میں کام کرنے یا شریک ہونے کا موقع ملے تو اسے ضرور اس میں شامل ہونا چاہئے بلکہ اس میں اسے پہل بھی کرنا چاہئے۔

پانچویں دلیل: اللہ تعالی کا فرمان ہے یعنی تم بہترین امت ہو، جو برپا کئے گئے ہو لوگوں کے لئے، تم اچھائیوں کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور خود اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان کو اصلاح کا مشن صرف اپنے اردگرد یا اپنی ذات تک محدود نہیں رکھنا چاہئے بلکہ یہ امت ایک برپا کی ہوئی امت ہے، قرآن وسنت کی روشنی کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے، یہ ایسی امت ہے جو روشنی لئے ہوئے عام لوگوں میں پھرا کرتی ہے، صرف مسلمانوں ہی میں نہیں، یہ تو ایک ایسی امت ہے جسے اللہ نے قرآن مقدس میں بارہ مقامات پر دنیا میں لوگوں کے درمیان نکلنے، چار مرتبہ سیر فی الارض اور چار بار یہاں گھومنے کا حکم دیا ہے، یوں چلنے، پھرنے، کرنے کے بارے میں بیس مرتبہ اللہ نے حکم دیا ہے۔

جب ہم ان واضح نصوص اور دلائل کا اپنے احوال وظروف سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارا مغربی معاشرہ اس کے لئے بہت مناسب ہے، اس میں پوری طرح سانس لینے کی آزادی ہے، جو ہمارے لئے بہت اچھا موقع ہے، ایک شاعر کے بقول:

رائے میں عاجز رہنے والا اپنے موقع کو گنواتا ہے، جب کوئی فرصت کی گھڑی اس سے رائیگاں جاتی ہے تو تقدیر کو بُرا بھلا سناتا ہے۔

ہمارے لئے حسین موقع کی طرح ہے کہ جس سماج میں ہم سانس لے رہے ہیں اس کے لئے اصلاحی پروگرام بنا سکتے ہیں۔ میں اس حوالے سے ایک مثال بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ۱۹۸۱ء میں امریکہ کے وزیر تعلیم نے تعلیم وتربیت اور اقتصادیات وسماجیات کے ماہرین کی ایک اٹھارہ رکنی کمیٹی تشکیل دی جس کا مقصد امریکہ میں تعلیمی بیداری کے طریقے اور امکانات پر جائزہ لینا تھا۔ اس کمیٹی نے والدین، اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ، طلبہ وطالبات کو اپنی گفتگو میں شریک ہونے کا بھرپور موقع دیا۔ اس کمیٹی نے اپنی تجزیاتی رپورٹ میں لکھا کہ امریکہ انیس ترقی یافتہ ممالک میں تعلیم میں سب سے پیچھے ہے۔ اس میں کئی چیزیں کھل کر سامنے آئیں یہ بھی پتہ چلا کہ تیئیس ملین امریکی ناخواندہ ہیں اور باصلاحیت لوگوں میں سے نصف تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی موجودہ لیاقتوں کے باوجود اس معیار کی صلاحیتوں سے محروم ہیں، اور اسکول میں زیر تعلیم طلبہ میں سترہ سال کی عمر کے چالیس فیصد ایسے ہیں جو لکھے ہوئے مواد کو نقل نہیں کر سکتے۔ اس رپورٹ میں بیان کیا گیا کہ اگر امریکی قوم کی تعلیمی بہتری کے لئے کچھ ارادی زور صرف کیا جائے تو یہ ایک اعلان جنگ کی حیثیت اختیار کرنے کے لائق ہوگا، لیکن ہماری یہ لڑائی یا کوششیں غیر ارادی سمت میں ہو رہی ہیں، آگے بڑھنے کے لئے ہم نے جو بھی صلاحیتیں حاصل کی تھیں وہ پھیکی پڑ گئیں اور مصنوعی سیارچہ کو چھوڑنے کے بعد علمی سطح کو بلند کرنے کے لئے ہمیں جس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا اس کے سامنے گذشتہ تعلیمی کوششیں ماند نظر آنے لگیں اور اس سیارچہ کو چھوڑنے کے بعد سامنے آنے والی ابتری نے سارے باشندوں کو تعلیم میں اصلاح لانے کے لئے متحدہ کوشش کرنے کی طرف دعوت دی۔

میرا ماننا ہے کہ اگر مسلمانوں نے بھی اس گفتگو میں حصہ لیا ہوتا اور تعلیم وتربیت کا ایک ایسا خاکہ پیش کیا ہوتا جس میں جسم وروح، اخلاق وحقیقت حال، فرد وسماج، مرد وعورت کے ممکنہ کردار اور جرائم سے نمٹنے کے طریقے کا حسین امتزاج ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا، بلکہ کیا ہی اچھا ہوا ہوتا اگر مسلمانوں نے تیئیس ملین امریکیوں سے جہالت وناخواندگی کو مٹا دیا ہوتا تو کتنے ہی لوگ اسلام قبول کر لیتے، (اگر نہیں کرتے تو کم از کم) اسلام اور مسلمانوں کی خیر وبرکت ان تک پہنچ جاتی یا کم از کم اپنوں ہی کے لئے ایسا کام کر کے خود مسلمانوں سے جہالت کو مٹا دیا ہوتا۔

اس لئے فقہی اجتہادات وفتاویٰ کا طریقۂ کار ایسا ہونا چاہئے

جومسلمان کوایک اصلاح پسند شہری اورسب انسانوں کے لئے سود مند بنائے، وہ گھوم پھر کر ادارے قائم کرنے اور ان میں ہاتھ بٹانے ہی تک خود کومحدود نہ رکھیں بلکہ اپنے وطن کے مسلم اورغیر مسلم تمام شہریوں کے ساتھ ظلم وزیادتی روکنے، ماحول کوتحفظ فراہم کرنے، اجتماعی تشدد پر قدغن لگانے، والدین کی ذمہ داریوں کو فروغ دینے، بیماروں، یتیموں، غریبوں اورمسکینوں کا خیال رکھنے، صفائی ستھرائی پر زور دینے، صحت وتندرستی کی خدمات عام کرنے، جانوروں کے ساتھ رحمدلی کا سلوک کرنے، نشہ آور تمبا کونوشی کے خلاف محاذ کھولنے، دنیا بھر کے اندر غریبی کے مارے ہوئے لوگوں، جنگوں کے ستائے ہوئے اور پناہ گزینوں کی نگہداشت کرنے میں ایک دوسرے کوتعاون بہم پہنچائیں۔

اس طرح کرنے سے ہمیں امید ہے کہ دشمنان اسلام ہمیں یہ طعنہ نہ دے سکیں گے کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو ذاتی منفعتوں ہی کا خیال رکھتی ہے، وہ مال، علم اور آزادی کے خواہاں صرف اورصرف اپنے لئے ہوتے ہیں، انہوں نے اپنے ملک اور وطن کو کچھ نہیں دیا۔ بلکہ ہمارا عملی نمونہ تو زبان حال سے کہتا ہے کہ 'ہم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کی ذات سے دوسرے لوگوں کوسب سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

تیسرا اصولی ضابطہ

نفس مسئلہ اورحقیقت حال دونوں کوسمجھنے کی ضرورت

میرے علم کے مطابق مسلم علماء میں سے کسی نے اس بات کی مخالفت نہیں کی کہ فتویٰ یا اجتہاد ان لوگوں کوکرنا چاہئے جونصوص شرعیہ کے ساتھ حقیقت حال کوبھی یکساں طور پرسمجھتے ہوں، نصوص اور دلائل کوحقیقت حال پر منطبق کرنا چاہئے، لیکن یہ ایک سچائی ہے کہ مسلم اقلیتیں اس سلسلے میں بہت زیادہ بے راہ روی کا شکار ہیں، مثال کے طور پر:

امریکہ میں دوہزار سے زیادہ اسلامی مراکز موجود ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی نے مختلف اسلامی اداروں کی مدد سے ایک سروے رپورٹ شائع کی تھی جس کے مطابق ان اسلامی مراکز کے قائدین کی تعداد دوملین مسلمانوں سے بھی زیادہ ہے، اورسچائی یہ ہے کہ یہ اس سے بھی زیادہ ہیں لیکن اس کے باوجود:

الف- ان کے پاس فقہ ودعوت اور عام اسلامی مطالعات میں صرف دوسو چالیس ائمہ ان علوم کے ماہر ہیں، بقیہ غیر متخصص ہیں اوران میں سے کچھ لوگوں کے اندر علمی وشرعی مہارت تو پائی جاتی ہے لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بے ربط افکار کے حامل ہیں، چناں چہ وہ اپنے خطبے یا درس کے لئے یونہی کسی موضوع کو اٹھا لیتے ہیں، یا فتوی دینے کے لئے کوئی باب الفتاوی کسی کتاب کا پڑھ لیتے ہیں اوراسی کے مطابق فتوی دے دیا کرتے ہیں۔ وہ اجتہاد اورحقیقت حال کوسمجھنے، نفس موضوع پرغور کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے اور جزئیات سے مقاصد شرع تک رسائی حاصل کرنے نیز فقہی حس پیدا کرنے کے لئے علوم قرآن وحدیث اوراصول فقہ کا منظم مطالعہ تو دور کی بات، کم ہی ان میں مہارت رکھنے والے دیکھے جاتے ہیں۔

ب-اپنے فضل وبرتری، مشن کی بلندی نیز اس کاز کی اہمیت اورکردار کی عظمت کے باوجود ان میں سے بہت سے ائمہ ایسے ہیں جنہیں شرعی مدارس میں یا تو اچھی طرح ٹرینڈ نہیں کیا گیا یا سطحی فکر کے ساتھ ان کی تربیت کی گئی جس میں صلاحیت سے زیادہ جلد بازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ علم کا سب سے بڑا دشمن ترک ہے، چناں چہ جوعلم کوچھوڑ دیتے ہیں توعلم جاتا رہتا ہے۔ یہی معاملہ ان ائمہ میں سے بہت سے لوگوں کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اس لئے جو کچھ سیکھا تھا وہ بھی بُھلا بیٹھے۔ وہ تقریر، وعظوں اورخطبوں کی وادیوں میں سرگرداں ہو گئے جس کی حیثیت جلدی جلدی نگلے گئے لقموں سے کچھ زیادہ نہیں۔

ج- تمام لوگوں کو وہ جس بھی سوسائٹی میں رہ رہے ہوں اسے سمجھنے کی ضرورت ہے، وہاں کے ماحول کو جاننے کے ساتھ اس کی تاریخ کو بھی جاننا چاہئے۔ وہاں درپیش مسائل، چیلنجز، وہاں کی ضرورتوں، وہاں کے لوگوں کی امیدوں، امنگوں، وہاں درآنے والے جرائم اور ان کے خاتمے کے تئیں سوچنا چاہئے۔ یہ نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی زندہ شخصیت سازی کا کسی ایسی سوسائٹی میں رول ادا کیا جاسکتا ہے جہاں اعتدال پسندی ہو،ظلم وجبر یامسائل سے بےتوجہی وبےرخی کی لعنت نہ ہو۔اس لئے یہ تمام ائمہ وقائدین منظّم تربیت اور مطالعات کے سخت محتاج ہیں، بے ربط اور پراگندہ مطالعہ اس کام کے لئے ناکافی ہے، تدریجی مراحل ہی سے موجودہ مشکلات میں گرفتار سماج کی اصلاح ممکن ہے۔

سچائی یہ ہے کہ انتظامی علوم بہت ترقی کر گئے ہیں، حال اور مستقبل کی منصوبہ بندی پر ان کا انحصار ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ یہ منصوبہ بندی فہم وبصیرت کی بنیاد پر چار مراحل میں کی جائے۔ ان چاروں مراحل کو ماہرین نے چار حرفوں (S.W.O.T) میں یکجا کر دیا ہے:

۱- طاقت کے عناصر کو جاننا۔

۲- کمزوری کے اسباب کو جاننا۔

۳- فراہم شدہ مواقع اور امکانات جاننا۔

۴- خطرات وچیلنجز سے آگاہی حاصل کرنا۔

یہ صرف ایک قاعدہ ہے، اس سے پہلے کلی ہدف تیار کرنا، تفصیلی مقاصد پیش کرنا، پھر عملی تطبیق کے وسائل کی فہرست تیار کرنا، پھر کم یا زیادہ وقت کے حساب سے ان کاموں کو مختلف مرحلوں میں تقسیم کرنا، پھر زمینی طریقۂ کار اپنانا اور ضروری وسائل فراہم کرنا پڑے گا۔ اس ضمن میں اخراجات کا بجٹ بھی تیار کرنا شامل ہے نیز مختلف میدانوں میں علم وفن کے ماہرین کی خدمات بھی حاصل کرنا اس کا ایک حصہ ہے۔ تو کیا ان زندہ پہلوؤں سے صرف نظر کر کے ہم کوئی اصلاحی پروگرام چلا سکتے ہیں۔ یقیناً اپنے گردوپیش سے پہلوتہی اختیار کر کے ایسا کام کرنا ناممکن ہے۔

میرا ماننا ہے کہ نص، حقیقت حال کو سمجھنا اور فتاوی کی ایسی تربیت دینا جو موجودہ مشکلات کا حل پیش کر سکے، نہایت اہم ہے مگر اس کے ساتھ یہ کام مختلف مسائل سے گھرا بھی ہے۔ اس کاز کے لئے ایسے مفتی اور فقیہ درکار ہیں جو جوانمردی اور پامردی کے ساتھ علمی مسائل کی تہہ تک پہنچیں اور خشیت الٰہی کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے تاکہ وہ اپنے حال درپیش مسائل ومشکلات کی اصلاح کر سکیں۔

میری نگاہ میں ہمارے فقہاء کی کامیابی نفس مسئلہ وموضوع اور حقیقت حال دونوں کو سمجھنے کے اسی معیار پر اترنے ہی سے ممکن ہے، اسی معیار نے حضرت عمرؓ کو فتوؤں اور سرکاری قراردادوں کے مابین متردد رہنے سے روک دیا، حضرت ابوبکرؓ سے ہٹ کر بھی فیصلے دیئے۔ فقہ کی روشنی میں نئے مسائل کو حل کیا، حضرت علیؓ بھی اسی ڈگر پر چلے انہوں نے شرابی کو چالیس کوڑے رسید کرنے کا حکم صادر فرمایا جب کہ حضرت عمرؓ نے اس کی حد اسّی کوڑے حد قذف پر قیاس کرتے ہوئے مقرر کیا تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ کے اندر صاحب حق کے بارے میں صرف ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کر دیا کرتے تھے (اور شام میں دو گواہوں اور ایک قسم کی شرط لگاتے تھے)، اختلاف زمانہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں امام ابویوسف، محمد شیبانی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ نے اپنے امام کے برعکس فتوے دیئے، دلائل کے مختلف ہونے سے انہوں نے فتوے نہیں دیئے، بلکہ زمانہ کے بدلنے اور مختلف ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایسے فتاوے دیئے۔ امام شافعیؒ کے مصر اور عراق کے فتاویٰ میں اختلاف اسی بناء پر ہے۔ امام ابن تیمیہ اور ابن قیم نے ایسے فقہی مسائل میں بھی مناقشہ اور از سرنو بحث کی جن کے بارے میں فقہاء کے حکم اجتہادی کے اجماع کا دعویٰ کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے

وقت اور حال کے تقاضوں کے مطابق نئے مسائل کو بیان کرنے سے چوکے نہیں۔ ابن قیم نے زمانہ بدلنے کی وجہ سے ایسے فتاوی کے بارے میں کلام کیا جو تقریباً متفق علیہ چلے آرہے تھے ان میں اس سے پہلے اختلاف رائے دیکھا ہی نہیں گیا تھا۔ ہمیں ڈاکٹر مقری الادریسی المغربی کی یہ نصیحت گرہ میں باندھ لینی چاہئے کہ پچاس سال کی مدت گذرنے یا ایک ہزار میل کا فاصلہ ہونے کے بعد فروعی مسائل کے فتاوی کو بغیر اجتہادی نظر ثانی کے صادر کرنا جائز نہیں۔

یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ٹھوس بنیادوں اور اصول کو چھوڑ کر فروع میں ہر عرف (زمان ومکاں) کا اپنا اعتبار ہوتا ہے۔ قطعی مسائل میں مزید دلائل کی تو ضرورت نہیں البتہ فقہی اکادمیوں، ائمہ کی ٹریننگ اور اسلامی لیڈر شپ (قیادت) کی حالت میں بہتری اور ترقی لانے کے لئے زبردست کوشش کی ضرورت لازمی طور سے ہے تاکہ ایسے فتاوی صادر کئے جائیں جن میں فقہ نصوص، اس کے شرعی مقاصد کے ساتھ ساتھ وقت کے حقیقی مسائل کا لحاظ رکھا گیا ہو۔

چوتھا اصولی ضابطہ

عام مسائل میں اجتماعی اجتہاد کی طرف رجوع

جزوی اور انفرادی مسائل میں کوئی تنہا عالم یا امام فتویٰ دے سکتا ہے خواہ وہ دوسرے سے فتوی نقل کر کے دے یا ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر دے، لیکن مسائل یا فقہاء کی زبان میں عموم بلویٰ والے مسائل میں اجتماعی فقہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اس طرح کسی ایک ہی عالم یا امام کے فتوی سے احتراز کرنا چاہئے، اس میں سلف صالحین کی اقتداء ہے جو اجتماعی وباہمی صلاح ومشورہ سے فتوی دیا کرتے تھے انفرادی طور پر نہیں، اس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

۱- امام ابوعبیدہ معمر بن مثنی بصری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ''ابوبکرؓ کے سامنے جب کوئی معاملہ آتا تو اس کے حل کے لئے سب سے پہلے اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرتے۔ اگر اس میں فیصلہ دینے والی کوئی آیت اس سلسلہ میں ملتی تو اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے، ورنہ حدیث کی طرف رجوع کرتے۔ اگر اس میں اس چیز کے بارے میں فیصلہ دینے والی حدیث ملتی تو اس کے مطابق فیصلہ دیتے۔ اگر دونوں میں نہیں پاتے تو لوگوں سے پوچھتے کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس معاملے میں کیا فیصلہ دیا تھا؟ تو کبھی کبھی کوئی کھڑا ہوتا اور کہتا کہ ہاں اللہ کے رسول نے اس معاملہ میں ایسا اور ویسا فیصلہ دیا تھا اور اگر سنت رسول میں بھی وہ چیز نہیں ملتی تو سرغنہ مسلمانوں کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ کرتے پھر جس چیز پر اتفاق رائے حاصل ہوجاتی اسی کے مطابق فیصلہ کردیتے (۵۱)۔

۲- علامہ ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' میں بیان کیا ہے کہ غیر منصوص مسئلوں میں فیصلہ دینے کے لئے عمرؓ صحابہ کرام کے ساتھ مل کر بیٹھ کر باہم مشورہ کرتے، جس چیز پر اتفاق رائے حاصل ہوجاتی اسی کے مطابق فیصلہ کردیتے اور جب انہوں نے ابوموسیٰ اشعری کو (گورنر بنا کر) بصرہ کی طرف روانہ کیا تو انہیں بھی اسی طریقۂ کار کی ہدایت دی۔

۳- امام دارمی نے اپنی سنن میں اپنی سند سے مسیّب بن رافع سے روایت کی ہے کہ جب صحابہ کرام کے سامنے کوئی ایسا معاملہ درپیش آتا جس میں اللہ کے رسول کا کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو اس کو حل کرنے کے لئے وہ یکجا ہوتے اور کسی چیز پر اتفاق رائے قائم کر کے اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ دے دیتے۔

۴- امام طبرانی نے ''الاوسط'' میں اپنی مسند سے علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت فرمایا کہ اگر میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ آجائے جس کے

بارے میں کتاب وسنت میں صریح حکم موجود نہ ہوتو میں کیا کروں؟ آپ اس بارے میں مجھے کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے میں سے فقیہ، عبادت گزار مومنوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کر کے فیصلہ دو، صرف اپنی رائے سے خاص طور سے فیصلہ نہ دیا کرو۔ اسی وجہ سے امام ماوردی نے اسی مفہوم پر زور دیتے ہوئے اپنی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' کے ابتدائی صفحات میں اس قسم کی باتیں بیان کی ہیں اور شاعر کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے:

یعنی ایسے پراگندہ لوگوں کی اصلاح نہیں ہوسکتی جن کا کوئی قائد نہ ہو اور جہاں جاہلوں کی سیادت کا سکہ چلتا ہو وہاں ایسے سردار ناپید ہوتے ہیں۔

میری نگاہ میں اجتماعی اجتہاد کے لئے فقہی اکادمیوں میں ماہرین فن مثلاً ماہر طب، ماہر فلکیات نیز اقتصادیات، سیاسیات، سماجیات اور قانون وغیرہ کے ماہرین کا ہونا از حد ضروری ہے، ایسا اس لئے ہے کہ موجودہ زندگی ترقیات کی وجہ سے پیچیدہ تر ہوگئی ہے اور یہ ترقی ہر سمت میں پھیلتی جارہی ہے، فروعات اور اجنبی پہلوؤں میں بھی وسعت آتی جارہی ہے، اب زندگی میں وہ سادگی نہ رہی جو پہلے تھی، نہ ہی وہ آسانیاں رہیں جس کی وجہ سے اس وقت صرف عالم دین ہی تمام امور حیات کے بارے میں فتوے دے دیا کرتے تھے لیکن آج کے زمانے میں صرف علماء دین زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں فتوی دینے سے قاصر ہیں، اس میں لازمی طور سے اجتہاد یا فتوی کے متعلقہ موضوع کے ماہرین کی مدد لینا ہوگا، یہ استثناس کے قبیل سے نہیں بلکہ تأسیس کے قبیل سے ہوگا، یہی نہیں شرعی اور عقلی طور سے غیر مسلم ماہرین کی خدمات حاصل کرنا اس سلسلے میں ان سے مدد لینا کوئی ممنوع بات نہیں ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ وہاں کے حقیقی باشندوں، حقیقی امریکیوں، حقیقی یورپین مسلمانوں کے علماء اور فقہاء کو تمام میادین حیات میں تربیت دینے کی کوشش بھی جاری رکھنا چاہئے (تاکہ ممکنہ حد تک غیر مسلم ماہرین کی خدمات سے بے نیازی حاصل ہوسکے) ہاں جلدی نہیں مچانا چاہئے، اسی طرح اپنوں کو ٹرینڈ اور تیار کر کے اپنی فقہی اکادمیوں کا انہیں ایک حصہ اور رکن بنالیں، لیکن اس معاملہ میں احتساب کی ضرورت ہے، اس کے لئے پروگرام سازی کی ضرورت ہے تب کہیں جا کر یہ چیز عملی طور پر معرض وجود میں آسکتی ہے۔

پانچواں اصولی ضابطہ

شریعت کے دلائل کے ساتھ خشیت سے لبریز دل

شاید سب سے زیادہ تقویٰ اور دل کی خشیت کے محتاج اور ضرورت مند علماء دین ہوتے ہیں، اس لئے کہ ایک عالم کی لغزش ایک عالم کو لغزشوں میں ڈال سکتی ہے، اور صحیح اجتہاد میں شرعی دلائل وبراہین کے لئے دل کی پارسائی اور خشیت قلب کا اجتماع وامتزاج ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس لئے کہ شرعی دلائل وبراہین کے قحط سے اجتہاد کمزور ہوجاتا ہے، فتووں میں شکوک وشبہات درآتے ہیں اور یہ انسان کو جہنم کے کنارے پہنچادیتے ہیں، اللہ کی پناہ! جو لوگ بغیر علم اور دلائل سے ناواقفیت کے باوجود فتوی دیتے ہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بناتے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ رقمطراز ہیں کہ فتوی کی کثرت وقلت علم کی کثرت وقلت پر منحصر ہوتی ہے۔ دوسری طرف دل کی پارسائی اور خشیت قلب کی اس باب میں حیثیت نمایاں تر ہے، اور یہ شرعی دلائل سے ثابت شدہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے 'جو لوگ اللہ کے پیغامات (دوسروں تک) پہنچاتے ہیں، اس سے ڈرتے ہیں، خشیت کھاتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے'، مزید فرماتا ہے 'اللہ کے بندوں میں اللہ سے (زیادہ) ڈرنے والے علماء ہی ہوتے ہیں' جن لوگوں کو اللہ تعالی علم کے باوجود خاموش رہنے کی وجہ سے جہنم رسید فرمائے گا ان کے بارے میں بہت زیادہ احادیث وارد ہیں، نیز ان کے بارے میں بھی جو

بغیر علم کے فتوی دیتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالی فرمائے گا' میں زیادہ حقدار تھا کہ تم مجھ سے ڈرتے پھر اس کو جہنم میں اوندھے منہ کر کے ڈال دے گا'۔

خشیت قلبی یہ آج ایک ضرورت بن گئی ہے، چناں چہ علماء کی اکثریت نے اس ضرورت کو محسوس کیا، یہ صفت ان کے اندر کارفرما رہی، چناں چہ ائمہ اربعہ کو اس حوالے سے ابتلاء وآزمائش کی صبر آزما گھڑیوں سے گذرنا پڑا مگر ان میں سے ہر ایک نے وہی بات کہی جس کا انہیں علم تھا، خلاف علم کوئی بات نہیں کہی، ابن تیمیہ اور عز بن عبد السلام نے حق کا بانگ دہل اعلان کیا، ان کے ذریعہ اللہ تعالی نے امراء وسرداران قوم کی اصلاح فرمائی، جن میں سے سیف الدین قطز، خاص طور سے قابل ذکر ہے، ان کی یہی حق گوئی و بے باکی تاتاریوں کے ٹڈی دل لشکر سے ٹکر لینے کی وجہ بنی جنھوں نے دنیا میں لوٹ مار اور قتل وخونریزی برپا کر رکھی تھی، انہوں نے عزتوں کو پامال اور علمی ذخیروں کو نذر آتش کر دیا تھا۔ انہیں جیت محض علوم ومعارف کے ذریعہ عقل وخرد کی پختگی کی وجہ سے نہیں ملی، بلکہ اس کے راہروؤں کے دلوں میں خشیت الٰہی کی وجہ سے انکساری نے جگہ بنائی جس نے انہیں حق گوئی کے لئے بے باک بنا دیا انہیں حق بولنے پر آمادہ کیا خواہ وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو، اور درحقیقت یہی دل کی پارسائی عوام کو علماء کی عزت واحترام، ائمہ کی اقتداء تسلیم کرنے، قوم کے چنندہ لوگوں سے بنیادی مسائل حل کرانے پر آمادہ کرتی ہے، جس سے پھیلتا اور فروغ پاتا ہے، اصلاح اور مناسب تبدیلی کا کام انجام پاتا ہے۔

یاد رہے کہ یہاں اس مسئلے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو ان علماء اور ائمہ میں سے ایسے مشن برداروں کو تیار کرتی ہے جو اکادمیوں، مساجد کی دیواروں سے نکل کر ہر اُس جگہ پہنچتے ہیں جہاں ان کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ وہ ترش روئی کی وجہ سے بکھر جانے والوں یا علیحدگی کے ذریعہ گوشہ نشینی اختیار کرنے والوں کے مابین امن کے پیامبر بن کر ابھرتے ہیں۔ اس ماحول میں لوگوں کو وسطیت اور اعتدال پسندی کا درس دیتے ہیں، حسن گفتار اور خوش گوار مباحثے کا ماحول بناتے ہیں، اسی وجہ سے علامہ شیخ قرضاوی نے ۲۰۰۲ء میں فرانس کے اندر منعقد ہونے والے اجلاس میں کہا تھا ''عوام کی خواہشات کا اتباع اور ان کی پیروی بادشاہوں اور امراء وسلاطین کی خواہشات کے اتباع سے کم نہیں، چناں چہ چند علماء اور ائمہ ''سامعین کی پسند ومطالبے'' کے نام پر قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں، پس اگر ان کے اردگرد کسی خاص مسلک کے پیروکاروں کا مجمع ہوتا ہے تو وہ ان ہی کی پارسائی بیان کرتے ہیں یا کسی خاص جماعت کا سایہ ان پر قائم ہوتا ہے تو ان کی مرضی کے آگے سپر ڈالے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر وہ تشدد وسخت گیری کی طرف مائل ہوتے ہیں تو آسانی والے احکام بتانے سے گریز کرتے ہیں اور اگر وہ سست اور غافل لوگوں کے مابین رہتے ہیں تو سہل انگیز یکسانیت پر مبنی احکام انہیں بتاتے ہیں، ایسا مغربی ممالک میں زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ وہاں کے ائمہ کی تنخواہیں وہاں کی مختلف منتظمہ کمیٹیاں ہی دیتی ہیں جو مختلف نظریات اور رجحانات کی حامل ہوتی ہیں، اس طرح ٹالنے والا اظہار اپنے تمام اصلاحی آثار آپ ملیامیٹ کر دیتا ہے، اور یوں مشرقی ممالک میں امراء وسلاطین کی خواہشات کا اتباع اور مغربی ممالک میں عام مسلمانوں کی خواہشات کا اتباع علماء کے رول کو کمتر اور کمزور کر دیتا ہے، الا یہ کہ جسے اللہ اپنے رحم خاص سے نوازے، اسے علم کی قوت سے سرفراز فرمائے، اور اس کے دل میں یقین کی شمع جلائے، ان کے اندر شجاعت وبہادری کو پیدا کر دے، جس سے وہ مصالح ومفاسد کا اندازہ لگانے اور اسباب ومقاصد کو تلاش کرنے کی ذمہ داری خوب محسوس کرتے ہیں اور لوگوں کو ایسے فتوے دیتے ہیں جس سے رب کی مرضی حاصل ہو، وہ اس پر بھروسہ کرتے ہیں، حفظ وامان کے طالب ہوتے ہیں اور سچ پوچھو تو اللہ ہی بہتر محافظ

اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اگر اس کو ابتلاء وآزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ صبر وشکیبائی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے صبر اور اللہ پر بھروسہ کی وجہ سے اللہ کے پیغام کو زندہ دلوں اور پاکیزہ ذہنوں تک پہنچانے میں ضرور کامیاب ہوگا، چناں چہ اللہ کے حکم سے اس کی یہ کاوشیں رنگ لاتی ہیں، جیسا کہ آج ہم طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی اپنے ائمہ اعلام کے علم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ اللہ رحمٰن کے طریقے اور سنتیں ہیں جس میں کسی بھی وقت اور زمانے میں بحران یا تبدیلی نہیں دیکھی جاتی۔

چھٹا اصولی ضابطہ

عبادات اور معاملات میں فقہ مقاصد پر اعتماد

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی کے جملہ افعال واوامر ہر قسم کی لغویات سے پاک ہیں، بلکہ اللہ کے ہر ایک حکم کے پیچھے ایک یا ایک سے زیادہ مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں، خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اقلیات کے فقہ کے تئیں گفتگو کرتے وقت ہمیں اسی فقہی میراث کی طرف پلٹنا چاہئے، چناں چہ ہم اس حوالے سے تتبع کے بعد اپنے فقہاء میں سے کسی کو بھی فقہ مقاصد اور تعلیل سے خالی نہیں پائیں گے، سوائے علامہ ابن حزم اور ان کے مکتب فکر ''ظاہریہ'' کے مگر جمہور نے فقہ تعلیل ومقاصد کی بھر پور تائید کی ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض لوگوں نے اشارہ کیا ہے، اور بعض نے اسے اصل کی حیثیت دی ہے اور بعض نے اسے صوابدید پر منحصر بتایا ہے، لیکن ان میں سے غالب اکثریت نے عملی طور پر اپنے فتوؤں اور اجتہادات میں تعلیل ومقاصد کے مصالح کو ملحوظ خاطر رکھا ہے، ہاں وضاحت واصل کی صورت میں اسے قیاس کا نام دیا ہے۔ دراصل قیاس ہی تعلیل محدد اور مصالح کا جوہر ہے، اسے تعلیل موسع، استحسان، سد ذرائع بھی کہا جاتا ہے اور یہ ساری چیزیں مجموعی حیثیت سے فقہ مقاصد کے گرد گردش کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میری نظر میں اس سلسلے میں لکھی گئیں تصنیفات کی نظر ثانی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔

یہ سب عظیم علمی سرمایہ تحلیل وتجزیہ، نظر ثانی اور تحقیق نو کا محتاج ہے تا کہ جملہ مقاصد کی درجہ بندی کی جا سکے۔ میں یہاں عبادات اور معاملات کے مقاصد کو سمجھنے، اور ان تک رسائی حاصل کرنے کے مابین کوئی فرق نہیں قائم کر سکتا، کیوں کہ یہ مقاصد بسا اوقات کسی فقیہ کو معلوم ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو معلوم نہیں ہوتے مگر اتنا ضرور ہے کہ معاملات کے اکثر مصالح اور مقاصد معلوم ہو جاتے ہیں اور عبادات میں کم معلوم ہو پاتا ہے پھر بھی عدم علم سے کسی چیز کا عدم وجود لازم نہیں آتا، اس لئے (مخفی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر) حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسجد کے اندر نماز تراویح بیس رکعت کرنے، حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں چھتیس رکعت تک اس کو بڑھا دینے، نیز جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے زوراء نامی بازار میں ایک اور اذان دینے، زکوۃ الفطر میں نقد رقم یا اہل شہر کی عام غذا کو نکالنے نیز عورتوں، کمزوروں اور بیماروں کو (زنا کی وجہ سے) سنگسار کرنے کے لئے آسان وقت اختیار کرنے میں میری نگاہ میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن فقہ مقاصد کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مجتہد کے ذہنی اختلاف سے فقہ مقاصد جزوی احکام میں صریح نصوص سے تجاوز کر جائے، بلکہ فقہ مقاصد میں بھی نصوص کا اعمال اہمال سے بہتر ہے، نسخ یا ترجیح کے بجائے جمع وتطبیق کی صورت اختیار کرنا چاہئے۔ یہ ہر مجتہد کی اولین کوشش ہونی چاہئے، اس لئے کہ کلی مقصد جزوی نصوص ہی سے ماخوذ ہوتے ہیں، اور شرعی نصوص میں جزوی کا کلی کے ساتھ ٹکراؤ ناممکن ہے، اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگوں کو اس میں شدید اختلاف نظر آتا، (لیکن نصوص شرع منجانب اللہ ہیں اس لئے یہ تعارض ناممکن ہے)۔

شاید جن فقہاء نے سب سے پہلے جزوی نص اور مقصد کلی کے مابین جمع وتطبیق کی ان میں اولین حیثیت حضرت عمر بن خطابؓ کو حاصل ہے، جنہوں نے نص کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینے، اصطباع اور رمل میں توقف کرنے، مصارف زکوۃ میں ''مولفۃ القلوب'' کی حصہ داری، عقوبات کے باب میں چور کا ہاتھ کاٹنے، تین طلاق کو ضروری قرار دینے، ابوحذیفہ کو کتابیہ سے شادی کرنے سے روک دینے، ارض سوداء کی تقسیم پر پابندی لگانے، میراث کے مسئلے میں باپ کو ماں سے دوگنا حصہ دینے شوہر کے بعد ماں کو باقی ثلث (ایک تہائی) حصے کا وارث بنانے نیز عول اور مسئلہ مشترکہ میں مقصدی اجتہاد کو وسعت بخشی ڈاکٹر محمد بلتانی نے اپنی کتاب ''منہج عمر بن الخطاب فی التشریع'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جملہ احکام ومسائل میں فقہ مقاصد اور فقہ مصالح کا راستہ اختیار کیا۔

شاید ہم اپنے موضوع اور گفتگو سے بہت قریب ہوجائیں اگر اس حقیقی تاریخی روایت کا حوالہ دیا جائے کہ بنی قریظہ میں نماز عصر کا واقعہ ایک تعبدی مسئلہ میں قطعی دلائل سے ثابت معاملہ میں ایک مقصدی اجتہاد کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن جن لوگوں نے راستے میں نماز ادا کرلی وہ اہل معانی اور اہل قیاس تھے اور جنہوں نے نبی ﷺ کے حسب ارشاد زوال وقت کے بعد) بنوقریظہ ہی میں پہنچ کر نماز ادا کی، وہ اہل ظاہر کے سلف تھے، جیسا کہ ابن قیم نے بیان کیا ہے، یہ دونوں فکری زاویے درست تھے (ایک نے عقل وقیاس کا استعمال کیا کہ اللہ کے رسول نے جو یہ کہا ہے کہ ہمیں بنوقریظہ میں چل کر عصر کی نماز پڑھنی ہے۔ اس کا مقصد ہے وہاں جلد از جلد پہنچنا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وقت ختم ہورہا ہے تو انہوں نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی۔ یہ اجتہادی نظریہ تھا جب کہ دوسرے گروہ نے صرف اللہ کے رسول کے الفاظ سنے اور اس کو گرہ سے باندھ لیا کہ چوں کہ اللہ کے رسول نے ہمیں بنوقریظہ میں عصر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لئے نماز وہیں ہوگی خواہ وقت رہے یا نہ رہے، یہ اہل ظاہر کا نظریہ تھا)، یہ فکری اختلاف تھا لیکن اس سے دل کا اختلاف نہیں پیدا کرنا چاہئے، اس لئے کہ فکری اختلاف نعمت ہے لیکن دلوں میں پیدا ہونے والا اختلاف وبا ہے۔

ساتواں اصولی ضابطہ

داخلی اور خارجی احوال وامکانات کے مطابق ترجیحات کا تعین

خارجی اور داخلی احوال وظروف و مکانات کے ان دو معیاروں کے مطابق ترجیحات کے تعین میں کسی اقدام کو اولیت دینا بہت ہی ضروری ہے۔ اس میں قرآنی نصوص اور پیغمبر عالم ﷺ کی اقتداء ہے، جس کی روشنی میں کوئی بھی دانا دعوت وتبلیغ کے جملہ مراحل میں سے کسی بھی مرحلہ میں غلطی نہیں کرسکتا۔

چناں چہ (نبوی آئینہ میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ) دعوت نبوی کے پہلے مرحلے میں خفیہ دعوت کا خیال رکھا گیا، مسلمانوں کے نام ظاہر نہیں کئے گئے یہاں تک کہ حمزہ اور عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے (جن کے اسلام سے اعلانیہ دعوت ترقی کرنے لگی) اور دعوت کے اعلانیہ مرحلے میں بھی کمزور اور غریب مسلمانوں کے نام پوشیدہ رکھے گئے اور ٹکراؤ سے بچنے، گفتگو کا دروازہ کھولنے اور ایک ایسی سرزمین میں دعوتی کاز کو انجام دینے کی خاطر جہاں کسی پر ظلم نہ ہوتا ہو کچھ لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی، اس مرحلہ میں جو منہج کارفرما تھا وہ تھا ''**کفوا أیدیکم وأقیموا الصلاۃ**''، تم اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔

اس مرحلے میں آپ ﷺ خارجی احوال وظروف مثلاً دشمنوں کی ایذارسانیوں، سزاؤں اور تمسخر کی طرف توجہ نہیں دی، (ان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے باز رہے، یہاں تک کہ حضرت سمیہؓ کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر انہیں شہید کردیا گیا اور ان کے شوہر کو

قتل کر دیا گیا تو انتقامی کارروائی کے بجائے نبی پاک ﷺ فرماتے رہے 'اے یاسر کی اولاد! صبر کرو تمہارا ٹھکانہ جنت ہے'، اسی طرح آپ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کو وقت سے پہلے (انتقامی) کارروائی سے منع فرمادیا، حضرت سعدؓ نے جلدی اس لئے کی کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ لی تھی 'اور ایمان ویقین سے محروم لوگ تمہیں ذلیل نہ سمجھیں'، لیکن نبی ﷺ جب با اقتدار ہوئے اور مدینہ میں ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی تو بنوقینقاع کے بازار میں ایک مسلم خاتون کے بے لباس کردینے پر (جو کہ سمیہؓ کے حادثہ سے کہیں کمتر تھا) بنوقینقاع سے باقاعدہ مقابلہ کیا آپ نے اس واقعہ میں بھی ہمیں عدل وانصاف کی تعلیم دی، اس لئے کہ مدینہ میں آباد سارے یہودیوں سے آپ نے انتقام نہیں لیا بلکہ جن لوگوں (بنوقینقاع) نے یہ شرارت کی تھی صرف ان ہی سے جنگ کی، ان کے پڑوس میں آباد یہودیوں کے دیگر قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ کو کچھ نہیں کہا، اس لئے کہ اس وقت تک ان کی طرف سے کوئی خیانت سرزد نہیں ہوئی تھی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ایک ریاست کے حکمراں ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر جب کفار ومشرکین کے دس ہزار لشکر نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے مدینہ پر حملہ کیا تو آپ نے بنوغطفان کے بعض قبائل سے مدینہ کے ایک تہائی پھلوں پر معاہدہ بھی کیا، خندق کی کھدائی کے وقت بنوقریظہ نے خیانت کی، جس کی وجہ سے مسلمان جنوب کی طرف سے غیر محفوظ ہوگئے اور مدینے کا کوئی دیگر قبیلہ حامی نہ رہا، لیکن اس برے وقت میں بھی حکمت عملی سے پیارے نبی ثابت قدم رہے۔ اگر مدینہ کی قیادت نے سپر ڈال دیا ہوتا تو معاملہ کب کا تمام ہوجاتا۔

اس طرح آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامے کے بعض کلمات اور دفعات میں بھی سہل انگیزی کا مظاہرہ کیا، مثلاً (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے) باسمک اللہم لکھا، رسول اللہ کا لفظ مشرکین کے کہنے اور ضد کرنے کی وجہ سے مٹادیا، نیز ان کی اس شرط کو بھی منظور کرلیا کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر مکہ سے مدینہ جاتا ہے تو مسلمان اسے واپس مکہ لوٹا دیں گے، آپ ﷺ نے یہ سب اس لئے برداشت کیا کہ آپ کے سامنے اس سے بھی بڑی چیز تھی جسے آپ ان باتوں اور تنگیوں پر فوقیت دے رہے تھے، وہ چیز تھی جزیرۂ عرب اور اس کے باہر اسلامی دعوت کو عام کرنے کا موقع اور صلح کے نتیجے میں ملنے والی مدت دراز، چناں چہ موت اور جہاد پر بیعت کرنے والے صحابہ ومومنین کے اس عزم نے اور مسجد حرام سے روک کر اور دیگر شرطیں لگا کر مشرکین کے غضب آور رویہ نے آپ ﷺ کو چنداں نہیں متاثر کیا، بلکہ آپ ﷺ نے جزیرہ عرب کے اندر اور اس کے باہر اسلامی دعوت کی تبلیغ واشاعت کے کاز کو ان ساری چیزوں پر فوقیت دی، عمر بن الخطاب اور دیگر صحابہ کی حمیت دین جو اس وقت بھڑک اٹھی تھی، آپ ﷺ کے کہنے کے باوجود صحابہ کے سرمنڈنے اور قربانی کرنے کچھ دیر تک احرام نہ کھولنے کے تذبذب نے بھی آپ کی اس فوقیت کو ذرا بھی متاثر نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ نے انہیں نظر انداز کردیا اور ان شدید خواہشات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں ترجیحات کے تعین کا معاملہ اس وقت مزید نمایاں ہوکر سامنے آجاتا ہے جب فتح مکہ کے باب کو تاریخ پڑھتی ہے کہ آپ ﷺ مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور لوگ جوق درجوق اس وقت اسلام میں داخل ہوئے لیکن آپ ﷺ نے اپنی مرضی اور شدید خواہش کے مطابق بھی خانۂ کعبہ کو ڈھا کر ابراہیمی بنیادوں پر محض اس لئے از سر نو تعمیر نہیں کرایا کہ اس وقت لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اس لئے آپ نے اس اقدام کو مصلحت پر فوقیت نہیں دی، اسی طرح جاننے کے باوجود بھی آپ ﷺ نے منافقین کے قتل کا حکم محض اتحاد اور مسلمانوں کے شیرازے کو بنے رہنے کو فوقیت دیتے ہوئے نہیں دیا نیز یہ مقصد بھی

تھا کہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے، یہی چیز موسی اور ہارون علیہما السلام کے قرآنی واقعہ سے بھی ثابت ہوتی ہے جس وقت موسی علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی تو موسی علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو (جو اس وقت موجود تھے اس کو نہ روکنے پر) ڈانٹ لگائی، جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

یہ وہ بعض دلائل ہیں جنہیں شیخ علامہ یوسف قرضاوی نے ترجیحات کے تعین اور فوقیت کے بارے میں ذکر کیا ہے اور اس میں ان کے شریک کار کئی دیگر علماء بھی رہے ہیں۔ انہوں نے یہ باتیں اقلیتوں کی فقہ، ترجیحات کے تعین، انجام کار اور تقابلی مطالعہ کے حوالے سے کی ہیں۔ اس میں اجتہاد کی دیگر صورتوں بالخصوص اقلیتوں کے فقہی اجتہادات میں مزید توسیع، گہرائی و گیرائی اور جڑوں تک رسائی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں اجتماعی اجتہاد کی بھی ضرورت ہے تاکہ مغربی ممالک میں اس کے مسلم اقلیتوں کی ترجیحات کا تعین ہو سکے۔ اور حسب ذیل امور پر توجہ دی جا سکے۔

۱- آدم سازی اور ادارہ سازی میں توازن۔

۲- اصلی باشندوں کی زندہ قیادتوں کا احیاء۔

۳- تمام نوجوانوں کی دعوتی اور تربیتی پروگراموں میں شمولیت۔

۴- مختلف ممالک کے باشندوں اور شہریوں میں اسلامی وحدت اور یگانگت کا فروغ۔

۵- اسلامی اداروں کو چلانے اور جاری رکھنے کے لئے رفاہی اوقاف کا قیام۔

۶- ٹیلی ویژن کیبل، نیز دنیا کی زندہ زبانوں میں انفارمیشن انسٹی ٹیوٹ کا قیام۔

۷- غیر مسلموں کے ساتھ گفتگو و ڈائیلاگ اور تعلقات کی بہتری کے لئے پیش رفت۔

۸- اسلامی بنیادوں پر ایسے اقتصادی منصوبوں کا خاکہ جو مسلمانوں کی مالیات میں اضافے اور معاشی ترقی کا حل پیش کر سکے۔

آٹھواں اصولی ضابطہ

مختلف مسالک کے مابین قربت پیدا کرنا اور اجتہاد میں انتخاب یا جدت کی راہ اختیار کرنا

جو لوگ مسالک کو بالکلیہ ختم کرنے کے لئے نیا مسلک اسلام، یا مسلکوں کی رایوں میں منحصر ہونے کو مسلکی تعصب کا نعرہ دیتے ہیں ان کے یہاں زبردست غلو پایا جاتا ہے۔ یہ استدلال کی کمزوری ہے۔ وسطیت واعتدال کو فراموش کر کے یہ لوگ زمان ومکان کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے تقاضوں سے نابلد ہیں۔ اس سلسلے میں اعتدال کا راستہ یہی ہے کہ ان مسلکوں کے بیچ پائی جانے والی خلیج کو ختم کیا جائے، باہم قربت پیدا کی جائے، جیسا کہ شیخ ابوزہرہ نے الوصیۃ عند الجعفریہ میں ذکر کیا ہے۔ مزید رقمطراز ہیں کہ ''یہ مسالک چھوٹی چھوٹی نہروں کے مانند ہیں جو اسلام نامی واحد ندی میں جا کر گرتی ہیں، کرۂ ارضی کے مسلسل سمٹنے اور ایک چھوٹے سے گاؤں یا ایک بڑے ہوٹل میں تبدیل ہو جانے کے بعد مسلمانوں میں یہ مسلکی تعصب اور مصیبت نہ تو رواج پا سکتی ہے نہ ہی یہ کوئی قابل تعریف چیز ہو سکتی ہے۔

یہاں ہم دوسروں کی رایوں کو اخذ کرنے اور انہیں ماننے سے متعلق چند ضروری چیزیں بیان کر رہے ہیں:

۱- بنی قریظہ سے جنگ کے وقت تم سب لوگ بنی قریظہ میں عصر پڑھے، کے مسئلے میں دو گروہ ہو گئے اور آپ ﷺ نے دونوں کے اجتہاد کو پسند فرمایا۔

۲- حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے

کہ ایک بار ایک شخص نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا کہ جاؤ علیؓ سے اس کا حکم دریافت کرلو۔ وہ آدمی حضرت علیؓ کے پاس گیا اور ان سے دریافت کرکے حضرت عمرؓ کے پاس واپس آیا تو حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ حضرت علیؓ نے کیا بتایا ہے؟ اس آدمی نے جب حضرت علیؓ کی رائے بیان کی تو عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں اس مسئلے کا جواب دیتا تو میرا جواب اس سے مختلف ہوتا، اس آدمی نے کہا: تو آپ نے کیوں نہیں بتایا اور امیر المومنین ہونے کے باوجود کون سی چیز مانع رہی؟ تو عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر قرآن وسنت (میں اس کا حکم موجود ہوتا اور اس) کے مطابق جواب دینا ہوتا تو میں نے ضرور تمہیں جواب دیا ہوتا، لیکن (چونکہ قرآن وحدیث میں اس کا حکم موجود نہیں ہے اس لئے) رائے سے اس کا جواب دینا پڑتا اور رائیں مشترک ہوتی ہیں۔

۳- بیان کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی غیر منصوص مسئلے کا فتوی پوچھا گیا تو انہوں نے اپنی رائے سے اس کا جواب دیا، سائل نے پوچھا کہ کیا آپ کے علاوہ کسی دوسرے کا فتوی بھی صحیح ہوسکتا ہے یا صرف آپ ہی کا؟ امام ابوحنیفہؒ نے یہ آیت پڑھی 'ہم تو ظن کی بنیاد پر ایسا کہتے ہیں ہم کو اس کے بارے میں یقین اور پختہ علم نہیں ہے'، اس لئے امام ابوحنیفہ کے شاگردان رشید امام ابو یوسف، ابن ابی لیلی اور محمد بن حسن الشیبانی نے اپنے استاذ کے بہت سے مسئلوں میں اختلاف کیا ہے۔ ان کی سوچ اور عقل میں اختلاف پایا گیا لیکن انہوں نے اس اختلاف سے اپنے دلوں کو پراگندہ نہیں کیا۔

۴- فقہی عرف میں اجتہاد کی رائج تعریف یہ ہے کہ اجتہاد فقیہ کے شریعت کے کسی ظنی حکم کو دریافت کرنے کی انتہائی کوشش کو کہا جاتا ہے اور ظن اجتہاد میں نظر ثانی کرنے یا کوئی دوسرا حکم اخذ کرنے کے کسی دوسرے کو حق کو سلب نہیں کرسکتا۔

موجودہ حقائق نے ثابت کردیا ہے کہ ہمارے اسلامی ممالک میں بغیر کسی مسلکی تعصب یا حساسیت کے دوسرے مسالک سے بہت سی چیزیں اخذ کی گئی ہیں، جن میں سے چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

الف- مصر، اردن، شام اور مغرب میں وصیہ واجبہ کی تعلیم شیعوں کی فقہ جعفری سے لی گئی ہے۔

ب- ائمہ اربعہ کے برخلاف ایک مجلس میں تین طلاق کے بارے میں علامہ ابن قیم وغیرہ کی رائے کو زیادہ تر اسلامی ممالک میں ترجیح دی گئی ہے۔

ج- بہت سے ممالک میں قتل خطا کو بھی وراثت سے محرومی کا سبب مانا گیا ہے جب کہ بہت سے لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ مانع ارث صرف قتل عدوانی اور دشمنی کی وجہ سے قتل ہے، ایسا اس لئے ہے کہ آج کل قتل عمد اور دشمنی کی وجہ سے ہونے والے قتل پر پردہ ڈالنے کے لئے لوگ فوراً قتل خطا کا بہانہ پیش کرنے لگتے ہیں۔

ا- تمام فقہی اکادمیوں میں آٹھ مسالک سے اخذ وقبول کی روایت چل پڑی ہے اور وہ مسالک ہیں (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری، زیدی، جعفری، اور اباضی) تو اس کے باوجود بھی کیا مغربی یا مشرقی ممالک میں رہنے والی مسلم اقلیتیں اس کشادگی اور رواداری سے طوطا چشمی برت سکتی ہیں، اور یہ کیا ان کے لئے صحیح ودرست ہوگا، جہاں بھی یہ اقلیتیں ہیں ان میں تمام فرقے اور مسالک کے ماننے والے ہیں، اسی لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر لچکیلا پن ہو اور جس فرقے کی دلیلیں زیادہ قوی ہوں یا حالات کے اعتبار سے زیادہ موزوں ومناسب ہوں اس میں ان کی وہ بات لی جائے۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان کسی بڑی مصلحت کی خاطر مرجوح مسلک کی مرجوح رائے کو اختیار کرسکتے ہیں۔ اس بنیاد پر یورپی افتاء کونسل کے اس فتوے کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی

معاذ بن جبل، معاویہ بن ابی سفیان، محمد بن حسن، سعید بن المسیب، مسروق، یحی بن معمر، اسحاق بن راہویہ، علامہ ابن تیمیہ اورابن قیم وغیرہ کی رایوں سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے اگر چہ ائمہ نے ان سے اختلاف کیا ہے اوروہ سارے اس کے برعکس فتوے پرمتفق ہیں۔اسی طرح مسلمان عورت کے اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ زوجیت میں رہنے کے جواز والے اس کی طرف سے شائع ہونے والے فتوی کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے، نیز اس میں شرعی اور دعوتی مصلحتیں بھی کارفرما ہیں اگر چہ جمہور علماء کی رائے اس کے برخلاف ہے اور وہی رائج بھی ہے۔

نواں اصولی ضابطہ

فقہ التیسیر اختیار کرنا اور تدریج کا لحاظ کرنا

آسانی اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، حرج اور ضیق وتنگی ودشواری کو ہٹانا، نقصان دہ چیزوں کو دور کرنا اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے، رحمت اس کی ایک عظیم نشانی ہے، ایسے معالم وآثار اور قواعد کا پایا جانا ضروری ہے جن کی روشنی میں اجتہاد کا عمل انجام پائے خواہ اسے کوئی بھی نام دیا جائے، رعایت کہا جائے یا دین کی رسی میں ڈھیل سے تعبیر کیا جائے اس لئے کہ یہی شریعت اسلامیہ کا اصل جوہر اور لب لباب ہے۔ نبی پاک ﷺ کے بارے میں صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو اگر دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو حتی الامکان ان میں سے آسان چیز کو اختیار کرتے جب تک کسی گناہ کا امکان نہ ہوتا، علاوہ ازیں ''محترق'' کے اس واقعہ میں آسانی کو ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت کی واضح دلیل موجود ہے جس نے رمضان میں دن کے اندر اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرلیا تھا، اسی طرح مسجد نبوی میں اعرابی کے پیشاب کرنے والے واقعہ سے بھی اسی آسان پسندی پر روشنی پڑتی ہے، ان میں سے ہر ایک میں آپ ﷺ کی رحمت، آسانی، اورتنگی کو ختم کرنے کی صفت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ ﷺ کے موقف اور معاملات میں یہ خوبیاں شامل حال نظر آتی ہیں، اس کا آپ نے اپنی زندگی میں عملی مظاہرہ کر کے دکھایا، آسان پسندی اور رفع حرج آپ کا طریقہ کار تھا۔ اس شخص نے رمضان کے مہینے میں (دن میں) اپنی بیوی سے ہمبستری کی اور بطور کفارہ دو مہینے کے روزے رکھ پایا نہ ہی انفاق اور (ساٹھ مسکینوں کو) کھانا کھلانے کی طاقت تھی، تو آپ ﷺ نے (رحمت، آسان پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے) اس غلطی کے باوجود اسے ڈھیر ساری کھجور دی (جو اس کے کفارے کے لئے تھا) مگر اس نے کہا کہ مجھ سے غریب کوئی ہے ہی نہیں آپ ﷺ نے اس سے فرمایا اچھا اسے اپنے اہل وعیال کو کھلا دو، مگر دوبارہ ایسی حرکت مت کرنا۔

شاید اسی چیز نے علامہ شیخ قرضاوی کو فقہی تاریخ کے استقراء وتتبع پر آمادہ کیا۔ انہوں نے اس زاویہ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آسان پسندی، رفع حرج اور تدریجی عمل کا سب سے زیادہ عنصر نبی پاک ﷺ کے فقہ میں پھر صحابہ کرامؓ میں تھا، لیکن مرور ایام اور گردش زمانہ کے ساتھ جستہ جستہ اس میں کمی آتی گئی، یہاں تک کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آسانی کے سارے راستے مسدود ہوتے دکھائے دینے لگے، بہتر یہی ہے کہ ہم امت کے سلف کی اور اس کے صدر اول کی طرف رجوع کریں۔ علامہ شاطبی شارع کے شرعی تکالیف (ذمہ داریوں) کے حوالے سے مقاصد کے تحت مشقت میں تخفیف کے تئیں تحقیق میں یدطولی رکھتے ہیں وہ رقمطراز ہیں کہ شارع نے اغلال اور عقوبات میں مشقت اور شدت کو ملحوظ رکھا ہے جب کہ دین میں غلو کی صورت میں مثلاً عبداللہ بن عمرو بن عاص کے روزے اور قیام، سعد بن ابی وقاص نے اپنے سارے مال کو راہ الٰہی میں صدقہ کردینے میں آسانی کی راہ دکھلائی، اور مشقت کو مصلحتوں سے جوڑا ہے،

چناں چہ نماز فجر کی ادائیگی میں محدود مشقت ہے، جہاد میں یہ مشقت غیر محدود اور بہت زیادہ ہے، اور حج میں ہونے والی مشقت کے بین بین ہے، ان مشقتوں کے پیچھے شریعت نے مصلحتوں کا خیال رکھا ہے، اس لئے مشقت کے حساب سے تکلیف اور ذمہ داریاں ڈالی ہیں، لیکن اگر یہ مصلحتیں ناپید ہوں تو ایسی صورت میں آسانی کو اپنانا ہی بہتر ہے۔ جہاں تک تدریج کو ملحوظ رکھنے کی بات ہے تو نومسلموں یا اسلامی تعلیمات سے دور رہنے کے بعد تائب ہونے والے مسلمانوں کی نسبت سے اس کی خاصی اہمیت ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ اگر ہم سے کسی چیز کے بارے میں اس کا حکم دریافت کیا جائے تو قطعی طور پر نص سے ثابت شدہ مسئلوں میں شریعت کی مخالفت کریں، بلکہ ایک مسلمان ڈاکٹر کو نشہ آور چیزوں کی حرمت اور ہلاکت خیزی کی معرفت اور اس کے لین دین کو ختم کرنے کے طریقۂ علاج میں تدریجی عمل کے مابین فرق کو پہچاننا چاہئے۔

دسواں اصولی ضابطہ

اقلیتوں کے احوال کے تناظر میں ممنوع چیزوں کے مشروع متبادل دریافت کرنے کے لئے اجتہاد

فقیہ یا امام کی نظروں سے یہ حقیقت اوجھل نہیں ہونی چاہئے کہ شریعت کی طرف سے ممنوع چیزوں کے متبادل کی بسا اوقات ضرورت پیش آسکتی ہے، ممنوعات ومحرمات کے متبادل ڈھونڈ ھنے کی کوشش کرنی چاہئے، صرف ان کی حرمت یا کراہت بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے، مسلم اقلیتوں کے احوال کے تناظر میں ان میں سے چند متبادل بطور مثال پیش کئے جارہے ہیں:

۱- اگر شوہر بیوی کو بہت زیادہ ستائے، اسے نقصان پہنچائے اوراس کی بیوی کسی مغربی ملک میں شریعت کے مطابق فیصلے کی طرف بلائے اور وہ اس کے لئے راضی نہ ہو تو ایسی صورت میں فقیہ یا امام ملک کے غیر اسلامی کورٹ میں جانے کا فتوی دے سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲- اگر باپ غریب ہو اور کوئی اسے شرعی طور پر قرض دینے والا یا شرعی طریقے کے مطابق اسے اپنی تجارت میں شریک کرنے اسے بنانے پر بھی راضی نہ ہو، تو دریں صورت امام کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ سودی قرض پر اپنے گھر کو بیچنے کا فتوی دے دے، تاہم یہ شرط ہے کہ یہ اس وقت جائز ہے جب اس کے علاوہ دوسرا کوئی چارہ نہ ہو اور خاندان کے بکھر جانے کا ڈر ہو۔

۳- اگر ہندوستان میں رہنے والے مسلم اداروں اور مسلمانوں کے گھروں کو (فرقہ وارانہ) ظلم وزیادتی سے نجات نہیں ملتی ہے (انہیں خطرات لاحق ہیں تو اس صورت میں ہندوستان کی فقہی مجالس اداروں اور گھروں کے انشورنس کے جواز کا فتوی دے سکتی ہیں اگر چہ اس میں سود، قمار اور غرر کا شائبہ پایا جاتا ہے، تا کہ مسلمان زندگی کی سانسیں لیتے رہیں اور ٹوٹ کر بکھرنے نہ پائیں۔

یہ مثالیں بطور حصر نہیں بیان کی گئی ہیں اور متبادل کا مطلب سہولت ورخصت اور ضرورت کی آڑ میں حرمت کا ارتکاب کرنا بھی نہیں

اگر یہ مسلم اقلیتیں ایک ہی جگہ اقامت پذیر ہوں تو وہ حلال ذبیحہ کا انتظام کرسکتی ہیں، لیکن دوسری منتشر جگہوں میں (جہاں مسلمان کسی ایک جگہ آباد اکٹھے نہ ہوں تو) اس کا کوئی متبادل نہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمارے اس اجتہاد میں اگر ہم صواب وصحیح رائے تک پہنچے ہیں تو ہمیں اس کا اجر عطا فرمائے اور اگر غلطی ہوگئی ہو تو ہمیں مزید فہم وفقہ اور تدبر کی توفیق عطا فرمائے۔

خاندان کی تشکیل کے اسلامی اصول

مولانا بدر الحسن قاسمی، کویت (رکن رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمہ)

خاندان ایک چھوٹی سی ریاست کا نام ہے جس میں وہ ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں جو ایک حکومت وسلطنت کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں، اس کی حقیقت ایک تربیت گاہ کی بھی ہے جہاں آدمی اچھے یا برے اخلاق سیکھتا ہے۔ اس کے دل میں رحمدلی، ہمدردی اور جود وسخا کے اوصاف پروان چڑھتے ہیں۔ قربت انسانوں کو اچھے برتاؤ کا خوگر بناتی ہے، اس میں مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ دوسرے کی خاطر ایثار وقربانی پر ابھارتی ہے۔

کسی معاشرہ کی اچھائی اور برائی کا بڑی حد تک انحصار مختلف خاندانوں کے اچھے یا برے اخلاق کا خوگر ہونے پر ہے جن سے پورا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلام نے خرد کی تربیت کے ساتھ خاندان یا اسرہ کے سدھار پر بھی زور دیا ہے اور ایک خاندا جن افراد سے مل کر بنتا ہے سبھوں پر کچھ ذمہ داریاں بھی رکھی ہیں۔ اور کچھ فرائض بھی متعین کئے ہیں اور ان کے حقوق بھی متعین کئے ہیں۔

بنیادی طور پر ایک طرف تو خاندان یا گھر کے ان افراد کے درمیان جو ہمہ وقت یکجا رہتے ہیں اور جن میں باہم احترام وادب کا رشتہ قائم ہے جنسی تعلق کی راہ اسلام نے بند کردی ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ماں، بہن، بیٹی، پوتی، نواسی، پھوپھی، خالہ، بہو اور خوشدامن وغیرہ سے ازدواجی رشتہ کو ہمیشہ حرام کردیا ہے، تاکہ رشتوں سے مربوط افراد کے درمیان ماحول پورے طور پر پاکیزہ رہے اور اس میں کسی طرح کے شیطانی وسوسہ کا احتمال بھی پیدا نہ ہو۔ ان قرابتداروں کے درمیان میں مقدس رشتہ قائم ہے کہ جو کسی طرح کی آلودگی کا ہرگز متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسلام نے ہر ایک کے حقوق متعین کردئے ہیں۔ سب سے زیادہ ماں باپ کے حقوق پر زور دیا گیا ہے قرآن کریم کی متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں خدا کے حق کے بعد ماں باپ کے حق کا ہی ذکر کیا گیا ہے ارشاد باری ہے:

وقضیٰ ربک أن لا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً (سورۃ اسراء 24-23)

اور تیرے رب نے یہ طے کیا ہے کہ تم صرف اس کی پرستش کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان میں سے کوئی

ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان سے اف تک نہ کہو نہ ان کو جھڑکو، اور ان کے ساتھ نرمی کی بات کیا کرو بازو کو جھکا کر اور عاجزی اختیار کرو اور ان کے ساتھ محبت کی وجہ سے کہو کہ اے رب تو ان پر اس طرح رحم فرما، جس طرح کے ان دونوں نے بچپن میں ہماری پرورش کیا ہے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ماں باپ کے حقوق کی پاسداری اسلام میں کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف اسلام نے یہ بھی سکھایا ہے کہ اولاد پر ظلم نہ کرو، انہیں فقر وفاقہ کے خوف سے قتل مت کرو بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ کیا ماں باپ بھی اپنے بچوں کو قتل کر سکتے ہیں لیکن قدیم جاہلیت میں تو بچیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج تھا ہی آج ترقی یافتہ دور میں بھی اسقاط حمل سے لے کر قتل اولاد کی اور نہ جانیں کتنی شکلیں پائی جاتی ہیں اسی لئے اسلام نے سختی سے روکا ہے اور قرآن میں کہا گیا ہے کہ

قد خسر الذين قتلوا أولادهم سفها بغير علم (الانعام:140)

یقیناً وہ لوگ انتہائی خسارہ کا شکار ہوئے جنہوں نے اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر ڈالا۔

ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم (الاسراء:31)

تم اپنی اولاد کو فاقہ کے خوف سے قتل مت کرو، ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

عورتوں کے ساتھ اسلام سے قبل کسی بھی قوم کا برتاؤ اچھا نہیں تھا، خاص کر جزیرہ عرب کی حالت کیا تھی اس کا اندازہ اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

وإذا بشر أحدهم بالانثىٰ ظل وجهه مسودا وهو كظيم، يتوارىٰ من القوم ما بشر به أيمسكه على هون ام يدسته في التراب الا ساء مايحكمون (النحل:59-58)

اور جب ان میں سے کوئی کسی کو بچی کی پیدائش کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کے چہرے پہ کلونس چھا جاتی ہے اور غصہ سے گھٹ کر رہ جاتا ہے، وہ اپنی قوم سے اس خبر کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کشش وپنج میں پڑ جاتا ہے کہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھے رہے یا مٹی میں دبا دے یاد رکھو کہ یہ نہایت ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

قرآن نے زندہ درگور کئے جانے والی بچیوں کے بارے میں کتنا دل دہلا دینے والا اور رونگٹے کھڑا کر دینے والا یہ سوال کیا ہے۔

وإذا الموؤدة سئلت بأى ذنب قتلت (التکویر: 8-9)

اور جب یہ زندہ درگور کی جانی والی بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ آخر اسے کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟ کیا ظالموں کے پاس اس سوال کا بھی کوئی جواب ہوسکتا ہے؟

ایک تو یہ ماحول تھا اسلام نے اس کے بعد کیسا انقلاب پیدا کیا اس کا اندازہ اس ارشاد ربانی سے کیا جاسکتا ہے۔

ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة (البقرہ:228)

اوران کا اسی طرح کے حقوق ہیں جس طرح کہ ان کے اوپر حقوق ہیں اور جن میں خوس اسلوبی مطلوب ہے، اور مردوں کو ان پر ایک گونہ برتری حاصل ہے۔

مردوں کے ذمہ عورتوں کی دیکھ بھال اس کا نان ونفقہ، اس کی حفاظت کا فریضہ بتایا گیا اور مردوں کو گھر کا نظام چلانے کے لئے ان کی طاقت وقت اور فطری خصوصتیوں کی بنا پر ذمہ دار قرار دیا گیا جو خاندان کے داخلی نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے ایک ضروری بات تھی اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من أموالهم (النساء:34)

مردوں کو عورتوں کا نگراں ومحافظ بنایا گیا ہے اور اس کی وجہ وہ خصوصیتیں ہیں جو خدا نے بعض کو بعض پر دے رکھی ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

یہ ایک انتظامی معاملہ ہے۔ ورنہ اصل انسانیت میں مرد وعورت دونوں کی حیثیت برابر ہے، خدا سے قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے میں ہر ایک اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ بچیوں کی حضانت وتربیت میں عورت کا حق مرد سے بڑھا ہوا ہے۔

غرض یہ کہ اسلام نے انسانی فطرت، مرد وعورت کی علیحدہ علیحدہ خلقی اور جسمانی اور مزاجی خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر ہر ایک کی حیثیت متعین کی ہے اور ہر ایک کو خدان کی تشکیل اور نسل انسانی میں اضافہ اور اس کی پرداخت وپرورش کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں عورتوں کی غیر فطری آزادی اور مسائل کا نعرہ بہت بلند کیا جاتا ہے لیکن عملاً جو کچھ عورتوں کو اب تک مل سکا ہے۔ وہ اس کی عریانی اور ذلت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، نعرہ بلند کرنے والے عورتوں کے واقعی مفادات کے حصول سے زیادہ اس کئے کوشاں رہے ہیں کہ ان کے لئے عورتوں تک پہنچنے کی راہ زیادہ آسان ہو جائے۔ خواہ اس میں خود عورت کی عصمت وعفت کا جوہر ہی کیوں پامال نہ ہو جائے۔

کارخانوں اور آفسوں میں کام کا موقع فراہم کرنے کو عورتوں پر بڑا احسان تصور کیا جاتا ہے جب کہ اس کی جو گھریلو ذمہ داریاں ہیں اس کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے جس کے نتیجہ میں عورتیں دوہری مصیب کا شکا ہو کر رہ گئی ہے۔ اور ان کا سکون غارت ہو کر رہ گیا ہے جو ان کی فطرت کا اصل تقاضا تھا اور ان کی گود میں پلنے والے بچوں کا جو حشر ہوا وہ بھی کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

اسلام نے ایک سکھ اور چین کا گھرانہ فراہم کرنے کے لئے ان امکانی مشکلات کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی نہ کسی شکل میں پیش آیا ہی کرتی ہیں۔ خاندان کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کے اشتراک سے پڑتی ہے، جو شرعی ضابطہ کے تحت نکاح کے مقدس رشتے سے مربوط ہو کر اس بات کا پیمان باندھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے باعث سکون ہوں گے اور نسل انسانی کی افزائش اور اچھی اور شائستہ نسل تیار کرنا ان کا مشن ہوگا قرآن نے شادی کے مقصد پر روشنی تو ان الفاظ میں ڈالی ہے۔

ومن اٰیاتـه أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة (الروم:21)

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تم میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم اس سے سکون حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان محبت ورحمت کا رشتہ قائم ہو۔

نکاح کے رشتہ سے جڑ جانے کے بعد ہونا تو یہی چاہئے کہ مرد وعورت کے درمیان تعلق مثالی ہو اور ایک دوسرے کی غلطیوں سے فروگزاشت کا ذہن دونوں میں پایا جاتا ہو، لیکن ہر شخص کی

طبیعت نہ یکساں ہوتی ہے اور نہ ہر کسی کے بارے میں عقل ودانشمندی کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس لئے مختلف اسباب سے کبھی ایسی صورت حال پیدا ہوسکتی ہے کہ مرد وعورت کے درمیان باہم زندگی کا سفر دشوار ہوجائے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں کہ باہمی ہم آہنگی نہ پائے جانے کے باوجود عورت کو اس رشتہ سے جڑا رہنے پر مجبور کیا جائے، جو سراسر اس کے لئے ظلم کے مترادف ہے یا اس کے لئے گلوخلاصی کی راہ کھولی رکھی جائے۔ اسلام نے اس کا حل طلاق کو جائز کرکے نکالا ہے۔ لیکن ساتھ اس کی تاکید کی ہے کہ یہ انتہائی بری اور نامناسب چیز ہے۔ اور انتہائی ناگزیر حالت کے علاوہ اس کا استعمال ہرگز نہ کیا جائے۔

جن مذاہب اور قوانین نے کسی حال میں طلاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی تھی اب مجبور ہوکر انہوں نے بھی اسی راہ کو اپنانے کی کوشش شروع کردی ہے جو اسلام نے بتائی تھی، اس سلسلہ میں چرچ نے مجبور ہوکر پچھلے دنوں جو فیصلہ کیا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات کس قدر فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے اور جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے۔

اس طرح ایک دوسرا مسئلہ ایک سے زائد شادی کا ہے، اسلام نے اس کی اجازت دی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آدمی عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو ورنہ پھر اس کو ایک ہی شادی کرنی چاہئے۔ اب واقعی انسانی زندگی کے مسائل کا جائزہ لیجئے تو مختلف صورتیں ایسی سامنے آتی ہیں کہ جن میں اسلام کا بتایا ہوا راستہ ہی صحیح اور مبنی بر عدل وانصاف معلوم ہوتا ہے۔

شادی کے بعد کسی کی عورت اگر کسی دائمی مرض کا شکار ہوجائے تو اس عورت کے حق میں بھی ہمدردی کی بات یہی رہ جاتی ہے کہ اس کا رشتہ ازدواج اس تکلیف اور مصیبت کے وقت میں منقطع نہ کیا جائے اور مرد کو دوسری شادی کی اجازت دیدی جائے۔

اسی طرح بچہ کی فطری خواہش بھی کبھی انسان کو ایک سے زائد شادی کرنے پر مجبور کرسکتی ہے، جنگوں اور دوسری مشکلات کے بعد بھی ایک سے زائد شادی کے بغیر بعض حالات میں کوئی چارہ کار نہیں رہتا، اوران سب سے بڑھ کر بعض مردوں کی ایک پر عدم قناعت کا ذہن بھی یہ چاہتا ہے کہ ایک سے زائد شادی کی راہ کو کھلی رکھی جائے کیوں کہ اس پہ غیر فطری طور پر قدغن لگانے کا نتیجہ وہ سامنے آئے گا جو آج یوروپ و ایشیا کے متعدد ملکوں میں بے راہ روی اور بدچلنی کی شکل میں نظروں کے سامنے ہے، کسی عورت کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور اس کی غیرت کے لئے چیلنج نہیں ہوسکتی جتنی مرد کے کسی ناجائز رشتہ کا معاملہ ہے۔

اسلام نے ایک سکھ اور چین کا گھرانہ فراہم کرنے کے لئے ان امکانی مشکلات کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے جو کسی نہ کسی شکل میں پیش آیا ہی کرتی ہیں۔

اسلام چونکہ اوہام پر مبنی مذہب نہیں ہے بلکہ خالق کائنات کا نازل کردہ دستور حیات ہے اس لئے اس کے قوانین فطرت کے عین مطابق ہیں اور انہیں ان میں انسانیت کے مسائل اور انسانی زندگی کی پیچیدگیوں کا صحیح حل ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کو برت کر ہی گھر اور خاندان کے سکھ اور چین کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ اور ان مشکلات سے بھی نکلا جاسکتا ہے جو زندگی میں پیش آیا کرتی ہیں۔

اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ

از: شاعر اسلام ڈاکٹر علامہ اقبالؒ

ایشیائی مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ باوجود ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ ہونے کے ایشیا کے تمام ممالک یعنی ہندوستان، ایران، افغانستان، شام، حجاز اور چین کے سامنے اس وقت جو مسئلہ درپیش ہے اس کے حل کرنے میں محققین نے جو طریق کار اختیار کیا اور اس کا جو حل تجویز کیا ہے، اس کے اصولوں میں ایک نمایاں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ خیالات کا یہ اتحاد ایشیا کے مستقبل کے لئے ایک نیک شگون ہے اور مجھے کامل یقین ہے کہ ایشیاء کو پھر عروج حاصل ہوگا۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت مختلف قوموں کے اتحاد کی ہے اور میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ایک دوسرے کے مسائل پر دونوں پہلوؤں سے غور کر کے ایک مصالحانہ نتیجہ پر پہنچنا چاہئے۔

''مجھے یقین کامل ہے کہ پرانی دنیا جس کا پیرو یورپ بنا ہوا ہے خاتمہ پر پہنچ رہی ہے۔ اب نئی دنیا معرض ظہور میں آنے والی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان ہی ہے جو مادہ پرستوں کی مغربی دنیا کو عظیم القدر پیغام پہنچانے کے قابل ہوگا۔''

7رجنوری 1929 کو ''انجمن خواتین اسلام'' مدارس نے علامہ سر محمد اقبال کو ایک سپاس نامہ پیش کیا۔ اس کے جواب میں حضرت علامہ نے درج ذیل تقریر فرمائی:

''میں آپ کے ایڈریس کا کس زبان میں شکریہ ادا کروں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اگر میری تحریروں نے خواتین کے دلوں میں اسلامی روایات کا احترام پیدا کیا ہے کہ تو رب کعبہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ میرا عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں آپ کے ایڈریس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگرچہ انحطاط کے دور میں عورت کے حقوق سے بے پرواہی ہوئی، مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے تغافل برتا، لیکن عورت باوجود اس تغافل کے اپنا منصب پورا کرتی رہی۔ کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو یا بہنوں کی محبت اس کے دل پر اپنا نشانہ نہ چھوڑتی ہو، وہ خوش نصیب شوہر، جن کو نیک بیویاں ملی ہیں، خوب جانتے ہیں کہ عورت کی ذات مرد کی زندگی کے ارتقاء میں کس حد تک اس کی مدد و معاون ہے۔

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں مرد و زن میں قطعی مساوات ہے۔ میں نے قرآن پاک کی آیت سے یہی سمجھا ہے۔ بعض علماء مرد کی فوقیت کے قائل ہیں۔ جس آیت سے شک کیا جاتا ہے۔ وہ مشہور ہے: **الرجال قوامون علی النساء۔** (النساء: پ۵، ر۲) عربی محاورے کی رو سے اس کی یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی گرامر کی رو سے قائم کا صلہ جب علی پر آئے تو معنی محافظت کے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ قرآن حکیم نے فرمایا: **ھن لباس لکم و أنتم لباس لھن.** (البقرہ: ر۶) لباس بھی محافظت کے لئے ہوتا ہے۔ مرد عورت کا محافظ ہے۔ دیگر کئی لحاظ سے بھی مرد عورت میں

کسی قسم کا فرق نہیں۔

''قرون اولیٰ میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوئیں۔حضرت عائشہؓ پردہ میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیتی رہیں۔خلفائے عباسیہ کے عہد میں ایک موقع پر خلیفہ کی بہن قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور تھیں اور خود فتویٰ صادر کرتی تھیں۔اب یہ مطالبہ ہے کہ عورت کو ووٹ کا حق ملنا چاہئے۔خلافت اسلامیہ میں خلیفہ کے انتخاب میں ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل تھا، نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی خلیفہ کے انتخاب میں اپنی آواز رکھتی تھیں۔ اسلام تمام معاملات میں اعتدال کو مدنظر رکھتا ہے۔ **أمة وسطا لتکونوا شھداء علی الناس**، اس کا مطلب یہی ہے کہ تمام افراط وتفریط سے پرہیز کیا جائے۔

تمام مسائل کے حل کرنے میں علماء نے اعتدال کے طریق کو بطور اصل الاصول رکھا۔انسانوں کی زندگی مدنی ہے۔یعنی مل کر زندگی بسر کرتے ہیں۔اس لئے انسانوں کی مختلف جماعتوں سے مختلف فرائض متعلق ہیں۔ایک سلسلہ فرائض انسانی زندگی میں مردوں کا ہے،اور ایک عورتوں کا، یہ فرائض بعض تو خدائی احکام کی رو سے ہیں اور بعض خود وضع کردہ ہیں۔بعض فطری طور پر ہیں۔ عورت کے بحیثیت عورت اور مرد کے بحیثیت مرد، بعض خاص علیحدہ علیحدہ فرائض ہیں۔ان فرائض میں اختلاف ہے،مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ۔فرائض کا اختلاف دیگر وجوہ پر مبنی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے، اسلام کے اندر مرد وزن میں کوئی فرق نہیں۔تمدنی ضروریات کی وجہ سے فرائض میں اختلاف ہے۔مدنی زندگی کے لئے جو احکام ہوں گے وہ فرائض کو مدنظر رکھ کر ہوں گے۔

اگر آپ ان حقوق پر نظر ڈالیں جو اسلام نے عورتوں کو دئے ہیں تو آپ پر واضح ہوجائے گا کہ اس مذہب نے عورت کو کسی طرح مرد سے ادنیٰ درجہ پر نہیں رکھا۔سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ ماں بچوں کی وراثت کا حق رکھتی ہے۔سب سے اول اسلام ہی نے اس امر کا اعلان کیا کہ عورت اپنی علیحدہ جائیداد کا حق رکھتی ہے، یوروپ کے کئی ملکوں میں اب تک آپ کی بہنوں کو علیحدہ جائداد رکھنے کا حاصل نہیں۔غالباً 1888 میں کوئی انگریز اپنی مرحوم بیوی کی بہن سے شادی نہیں کرسکتا تھا۔اسلام نے اس قسم کی شادی کی اجازت شروع سے ہے، تعجب کی بات ہے کہ اولاد کی ولایت کا حق انگریز ماں کو اس وقت تک بھی نہیں،اسلام میں یہ حق ہمیشہ سے موجود ہے، ان تمام امور میں یوروپین قومیں یا اسلام کا تتبع کررہی ہیں یا خود فطرت نے اب انہیں اس طرف توجہ دلائی ہے، مجھے یقین ہے کہ یوروپ نے بھی وضع قانون کے معاملے میں اسلام سے بہت کچھ سیکھا ہے، یوروپ میں طلاق کا حاصل کرلینا مشکل تھا،مسلمانوں میں یہ شکایت کبھی خاص طور پر پیدا نہیں ہوئی۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کو (مرد کی طرح) طلاق دینے کا حق نہیں، حال ہی میں ترکی میں یہی اعتراض کیا گیا،لیکن ہم تو محکوم ہیں، اپنی مرضی کے مطابق اپنی تعلیم کو نہیں چلا سکتے۔تعجب ہے کہ ترکی میں بھی اس اعتراض کا جواب نہ دیا گیا۔ اسلام نے اس مسئلے کو عجیب طرح بیان کیا ہے۔ جو حل اسلام نے اس مسئلہ کا تجویز کیا ہے وہ نہایت عمیق تجربے پر مبنی ہے، آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہمارے علماء نے کبھی اس بات کی توضیح ہی نہیں کی کہ نکاح کے وقت عورت کہہ سکتی ہے کہ جو حق اسلام نے طلاق کا تم کو (مرد کو) دیا ہے وہی اس وقت مجھے (عورت کو) دے دو تو پھر نکاح ہوگا یا یہ حق میرے کسی قریبی تعلق والے کو دے دیا جائے۔ پنجاب میں آج سے دس سال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت یہ حق بھی حاصل ہے اور نہ جہالت کی وجہ سے آج تک کسی نے دریافت ہی کیا۔ جب انگلستان میں طلاق کی آسانی ہوئی تو بیشتر عورتیں ہی تھیں جنہوں نے عدالتوں میں طلاق کی درخواستیں دینا شروع کردیں، حالاں کہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ مرد عورت کو بہت جلد

طلاق دے دیتا ہے۔

آپ نے اپنے لئے ایڈریس میں اسیران قفس کے الفاظ کے استعمال کئے ہیں، ان سے مجھے مغربی عورتوں کی اس تحریک کا خیال ہوا جسے ترکی میں یا اور جگہ یوروپ میں ایمنسی پیشن (Emancipation) (مردوں کے غلبہ سے آزادی) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ جن باتوں کو لفظی قیود سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ اپنی اصل میں قیود میں ہیں یا نہیں۔ اگر مصطفیٰ کمال کے خیال کے مطابق یہ قیود اٹھا بھی دی گئیں تو آخر نتیجہ کیا دیکھنے میں آرہا ہے۔ ابھی چند دن ہوئے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت ترکیہ کو معلوم ہوا ہے کہ عورتوں میں خودکشی کے واقعات بہت بڑھ رہے ہیں، عورت خود زندگی کا سرچشمہ ہے، اگر عورت ہی زندگی سے بیزار ہو جائے تو پھر زندگی کے آگے بڑھنے کے کیا امکان باقی رہ گئے، اس معاملہ کی تحقیق کے لئے ترکی نے کمیشن بٹھایا، پھر اپنے علماء کو جو اس قدر مورد عتاب تھے، بلا کر کہا کہ اپنے وعظوں کے ذریعہ عورتوں کو سمجھائیں کہ اسلام میں خودکشی گناہ ہے، یہ نتیجہ ہوا ایمنسی پیشن کا ترکی میں!

میں حیران ہوتا ہوں کہ جب عورتوں نے تمام ان باتوں سے، جن کو وہ قیود کہتی تھیں، آزادی حاصل کر لی تو پھر خودکشی پر کیوں آمادہ ہوئیں۔ انگلستان میں بیشتر عورتوں کا طلاق کے لئے عدالتوں میں جانا اور ترکی میں خودکشی کی وارداتوں کا ہونا ایسے دو اہم واقعات ہیں کہ ہمیں ان کی علتوں پر گہری نظر سے غور کرنا ہوگا۔ یہ مشکل مسئلہ ہے اور بغیر انسانی فطرت کے گہرے اور صحیح مطالعہ کے اس کے عمل پر پہنچنے کی امید کرنا مشکل ہے۔

انسانی زندگی کی رہنمائی کے لئے انبیاء کے طبقے سے بڑھ کر اور کوئی طبقہ مفید نہیں ہوسکتا۔ اس وقت بھی دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ انبیاء کے زیر ہدایت زندگی بسر کر رہا ہے، ہمیں دیکھنا ہوگا کہ جو قوانین انبیاء نے وضع کئے ہیں وہ کن حکمتوں پر مبنی ہیں۔ قرآن پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرماتا ہے: **"یعلمھم الکتاب والحکمۃ یعلمکم مالم تکونوا تعلمون"** (البقرہ: ر۔۲)

آپ کو غور کرنا ہوچاہئے کہ حکمت کے کیا معنی ہیں، احکام انبیاء کے اندر کیا حکمتیں مضمر ہیں، انبیاء نے زندگی کے جس قدر احکام ہمیں دئے ہیں وہ مختلف حالات کو مدنظر رکھ کر وضع کئے گئے ہیں۔ پردہ کے متعلق اسلام کے احکام صاف اور واضح ہیں 'غض بصر' کا حکم ہے اور وہ اس لئے کہ زندگی میں ایسے وقت بھی آتے ہیں جب عورت کو غیر محرم کے سامنے ہونا پڑتا ہے، خاص اس وقت کے لئے یہ حکم ہے، دیگر حالات کے لئے اور احکام ہیں، پردے کے سلسلے میں اسلام کا عام حکم عورت کو یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کرے۔

ان تمام امور میں شریعت اسلامی نے ایک عام اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ **"الدین یسر"** پھر اسلام میں تعدد ازدواج کا حکم نہیں دیا گیا محض اجازت ہے۔ زندگی میں ایسے حالات یقیناً پیدا ہوتے ہیں جب تعدد کی ضرورت ہوتی ہے، یہ سچ ہے کہ مسلمان مردوں نے اس اجازت سے بے جا فائدہ اٹھایا۔ اس میں اصول وقوانین کا کیا قصور؟ جس سوسائٹی میں اس قسم کی اجازت نہ ہو، اس کو ضرورت کے وقت جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اس سے آپ ناآشنا نہیں، جرمنی میں ایک موقع پر یہ ضرورت پیش آگئی تھی، آخر عہد نامہ ویسٹ فیلیا (Westphalia) میں بیس سال کے واسطے ہر مرد کے لئے تعدد ازدواج جائز قرار دیا گیا۔

جب جنگ میں کسی قوم کے مردوں کی تعداد میں خاصی کمی واقع ہو جائے تو آئندہ ملکی حفاظت کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ ایک مرد ایک سے زائد بیویاں کرے، قرآن پاک نے انہیں مصالح کو ملحوظ رکھ کر اس قسم کی اجازت دی ہے، مردوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حالات کو دیکھیں۔ قرآن یا شرعی اجازت سے

ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، اس لئے فقہ میں 'فرض' اور 'رخصت' میں فرق کیا گیا ہے۔ 'رخصت' ترک کی جاسکتی ہے 'فرض' ہرگز نہیں۔ اگر نکاح کے وقت عورت مرد سے یہ مطالبہ کرے کہ تم اس رخصت کو اپنے حق میں ترک قرار دو، جو تعدد ازدواج کے بارے میں ازروئے قرآن تمہیں حاصل ہے، تو وہ اس مطالبہ کا حق رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک الزام میں لڑکیوں کے باپوں کو بھی دوں گا کہ وہ نکاح کے وقت عورتوں کے حقوق پر نگاہ نہیں رکھتے۔ مگر ایک الزام خود عورتوں کو بھی دئے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ یہ کہ کیوں بوقت ضرورت عورتیں مردوں سے قانونی ذریعہ سے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتیں؟ کیوں بھائیوں سے جائداد کا حصہ طلب نہیں کرتیں؟

افسوس ہے کہ ہندوستان میں اسلامی قانون کی عدالتیں قائم نہیں تاکہ یہ معاملے شریعت اسلامی کے ذریعہ طے ہوں۔ میں نے تو اب کے سر جان سائمن سے بھی کہا کہ مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں خانگی تنازعات کے تصفیہ کے لئے اسلامی عدالتیں قائم ہونی چاہئیں۔ گذشتہ پانچ یا چھ سو سال سے شریعت اسلامیہ جامع رہی ہے۔ انگریزی قانون والے شریعت اسلامی کو نہیں سمجھ سکتے۔ چند فقہ کی کتابیں مشہور ہیں جو آج سے پانچ سو سال قبل لکھی گئی تھیں، اس وقت جو فتوے دیے گئے وہ ان حالات کے مطابق تھے۔ آج حالات اور ہیں اور اب ان حالات کو ملحوظ رکھ کر شرعی مسائل پر غور کرنا چاہئے۔

جیسا کہ آپ نے اپنے ایڈریس میں کہا، ایک حد تک ضرور مردوں کا قصور ہے۔ مگر ایک دوسری حد تک آپ کا بھی ہے، کیوں نکاح کے وقت آپ کے والدین نے لائق اور حقیقت فہم علماء سے آپ کے حقوق کے متعلق مشورہ نہیں کیا؟ جن بہنوں کی شادی ابھی نہیں ہوئی، وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے اپنے والدین سے اصرار کریں، اگر عورتیں اپنے حقوق کی حفاظت پر پورے طور سے آمادہ ہو جائیں اور وہ حق جو شریعت اسلامی نے اسلامی عورتوں دے رکھے ہیں، آپ مردوں سے لے کر رہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ مردوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی، عورتیں دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہیں، کھانا پکانے کی اجرت بذریعہ عدالت حاصل کر سکتی ہیں۔ مردوں کو آپ الزام دیتی ہیں، مگر آپ خود الزام سے بری نہیں ہیں۔ آپ کو اپنے حقوق پر شدت کے ساتھ اصرار کرنا چاہئے۔ جہاں تک شریعت اسلامی کا تعلق ہے، مسلمان عورتیں یہ شکایت نہیں کر سکتیں کہ انہیں شریعت نے حقوق نہیں دیئے یا وہ حقوق ایسے ہیں جن سے انہیں مردوں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل نہیں۔ وہ حق، جس کا عورت انصاف و عقل کے ساتھ کبھی مطالبہ کر سکتی ہے، وہ قرآن پاک نے دے دیا ہے۔ اگر آپ اس سے جاہل و غافل رہیں یا اس سے فائدہ اٹھائیں یا اس کے حاصل کرنے پر اصرار نہ کریں، بوقت ضرورت قانونی چارہ جوئی نہ کریں تو یہ قرآن یا شریعت اسلام کا قصور نہیں۔

ترکوں نے، جیسا کہ سننے میں آرہا ہے، بظاہر ایسے قانون بنائے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، مگر ترک ایک فوجی قوم ہے۔ مسائل میں موشگافی نہیں کر سکتی۔ وہ قوم کے سپاہی ہیں اور صحیح اجتہاد کرنے والے فقیہ نہیں پیدا کر سکے، جو انہیں صحیح راستہ دکھائیں، اس لئے انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں، اپنی غلطیوں کو ترک خود آئندہ دس سال میں محسوس کریں گے۔ میں آپ سے پرزور استدعا کرتا ہوں کہ آپ ہرگز ترکی عورتوں کو تقلید کے لئے نمونہ نہ بنائیں، نہ مصطفیٰ کمال کی نام نہاد اصلاحات پر جائیں۔ ملک کو فوجی قوت و تنظیم کے بل پر بچانا اور بات ہے مگر آئندہ زندگی کیلئے قانون وضع کرنا بالکل علیحدہ بات ہے۔ پہلی بات کے لئے محض قوت کی ضرورت ہے، دوسری کے لئے خاص قابلیتوں کی ضرورت ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے جو کچھ اصلاحات کے سلسلے میں کیا ہے، وہ ہرگز حکمت پر مبنی نہیں۔ عورت کو آزادی خود شریعت اسلامی نے دے رکھی ہے، مصطفیٰ کمال کیا دیں گے؟ ہاں! 'مادر پدر آزادی' کی

شریعت نے کبھی اجازت نہیں دی، نہ کوئی ہوش مند انسان کبھی اس کی خواہش کرے گا۔ بے جا آزادی سے ترکی میں یوروپین قسم کا ناچ شروع ہوا۔اسی مصطفیٰ کو وہ ناچ حکماً بند کرنا پڑا۔

لالہ راجپت رائے آنجہانی نے اپنی کتاب میں ترکوں کا ایک سرکار نقل کیا ہے،جس میں وہ باتیں درج ہیں جن سے ترکی عورتوں کو باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ان ہدایتوں میں یہ بھی ہے کہ جوان عورتوں کو رات کے نو بجے گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ اگر نکلیں تو ان کے باپ بھائی کوئی نہ کوئی ان کے ساتھ ہو۔اسی طرح تھیٹر کے متعلق بھی ایسی ہدایت ہے۔ یوروپ کے اور ملکوں کو بھی اس قسم کی ہدایت جاری کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔آخر کیوں؟اس لئے کہ جو فطری پردہ غیر محرم مرد اور عورت میں ہونا چاہئے، وہ ان قوموں میں موجود نہیں رہا اور آخر ان سرکاروں کے ذریعہ سے اختیار کرنا پڑا۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ فقہ کی طرف متوجہ ہوں، جو حقوق ملت اسلامیہ نے عورتوں کو دیئے ہیں، وہ ان کے حصول پر اصرار کریں۔شوہر، باپ، بھائی کون سیاہ دل مرد ہوگا جو آپ کو آپ کے حقوق دینے سے انکار کرے گا۔ہمیں تو ملک میں مسلمانوں کے اندر اس قسم کی رائے عامہ پیدا کردینی چاہئے کہ جب تک یہ طے نہ پا چکے کہ آئندہ زندگی میں عورت کے کون کون سے حقوق ہوں گے اس وقت تک نکاح نہ پڑھا جائے۔ یہ تحریک بہت زور سے شروع ہونی چاہئے۔جیسا کہ میں نے کہا کہ مسلمان عورتیں مسلمان قوم کی بہترین روایات کی حفاظت کرسکتی ہیں بشرطیکہ وہ اصلاح کا صحیح اور عقلمندانہ راستہ اختیار کریں اور ترکی یا دیگر یوروپین ممالک کی عورتوں کی اندھادھند تقلید کے درپے نہ ہوجائیں۔

مسلمان عورتوں کے لئے بہترین اسوہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں۔کامل عورت بننا ہو تو آپ کو فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی پر غور کرنا چاہئے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعی کرنی چاہئے۔ عورت کو اپنی انتہائی عظمت تک پہنچنے کے لئے فاطمۃ الزہراؓ کا نمونہ بہترین نمونہ ہے۔ میں ان خیالات کا اظہار 'اسرار خودی' میں کر چکا ہوں۔حضرت زہراؓ کی عظمت بیان کرنے کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ حسینؓ کی ماں تھیں۔

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوہ زہرا بلند
تاحسینے شاخ تو بار آورد

غرض یہ کہ آپ کو لفظی آزادی پر نہیں جانا چاہئے، آزادی کے صحیح مفہوم پر غور کرنا چاہئے۔یوروپ کی آزادی ہم خوب دیکھ چکے ہیں۔یوروپین تہذیب باہر سے دیکھی جارہی ہے کبھی اندر سے دیکھی جائے تو رونگٹے کھڑے ہوں۔بڑھتے ہوئے معیار زندگی کا وہاں کے لوگوں پر یہ اثر پڑا ہے کہ بعض ماں باپ یوروپ میں بچے کی زندگی کا بیمہ (Insurence) کرادیتے ہیں۔ پھر بچے کو تھوڑی خوراک دے کر ہلاک کردیا جاتا ہے۔ بچوں کو اس قسم ہلاکت سے بچانے کے لئے یوروپ میں کئی سوسائٹیاں مقرر ہیں۔ پنجاب میں تو اچھی اچھی عدالتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم رواج کے پابند ہیں،شریعت کے پابند نہیں۔محض اس لئے کہ بیٹیوں کو جائیداد سے حصہ نہ دینا پڑے۔ہم کو کوشش کرنی چاہئے کہ ہم رواج کی قیود سے آزادی حاصل کریں۔میں آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے قانون پیشہ ہونے کی وجہ سے کئی بار عدالتوں میں لڑکیوں کے حقوق کے لئے لڑنا پڑا ہے، اور کئی دفعہ یہ خدمت میں نے بغیر کسی فیس کے انجام دی ہے۔میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے ایڈریس دیا اور میں امید کرتا ہوں کہ جن خیالات کا اظہار میں نے آپ کے سامنے کیا ہے ان پر پورے طور سے غور کریں گی اور اسلام کی اعلیٰ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش فرمائیں گی۔

قطعہ

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفٰے پنہاں بگیر

(علامہ اقبالؒ)

ترجمہ:

- اے میرے رحیم وکریم مولیٰ تو دونوں عالم میں ہر چیز سے بڑھ کر ہے تجھے کسی کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن تیرا یہ کمزور و بے سہارا اور بے نوا بندہ دنیا اور آخرت میں تیرا (ہر جگہ) محتاج ہے۔
- اے میرے مولیٰ! میدان محشر میں مجھے میری بداعمالیوں کی وجہ سے رسوا اور ذلیل نہ کر۔ میری کوتاہیوں کو درگزر فرمادے اور میری لاج رکھ لے۔ اے معاف کرنے والے مجھے معاف فرمادے۔
- اور اے کریم! اگر میرے گناہ بہت ہی زیادہ ہوں اور کسی وجہ سے معافی اور درگزر کے لائق نہ ہوں۔ اور ان کی وجہ سے مجھے پکڑنا ضروری ہو تو۔!
- اے کریم! اس گنہ گار کی عاجزانہ درخواست ہے کہ میرے نبی ﷺ کی مبارک نگاہوں سے (قیامت کے دن) میرے جرائم کو چھپا دیجئے اور محبوبؐ کے سامنے رسوائی سے بچا لیجئے۔

- Lord! Thou art above the two worlds, and me, the beggar of thy compassion.
- O Lord! Account not my sins on the day of judgment.
- It at all, thou find my evaluation inevitable.
- Bring it not in the knowledge of Prophet Mustafa. (Sa)

باب چهارم

عدالتی دائرے اور اسلامی اصول

طلاق کے مسائل اور عدالتوں کے فیصلے

.... محمد عبدالرحیم قریشی (سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ)

طلاق کے مسئلہ پر ملک کی عدالتیں جس انداز میں فیصلہ دے رہی ہیں اسکی وجہ سپریم کورٹ کے فیصلے اور سپریم کورٹ کی جانب سے اسلامی قانون کی تعبیر ہے۔اس میں کیا قانونی چارہ کار اختیار کیا جائے کہ جسکے نتیجہ میں سپریم کورٹ کے ان فیصلوں کا اثر ختم ہو اس بارے میں بورڈ کی لیگل سیل کے کنویز اور دیگر ماہرین قانون بہتر رائے دے سکتے ہیں۔مگر اس سے پہلے علمائے کرام کو بعض نکات کو واضح کرنا اور اپنے موقف کی معقولیت کی نشاندہی کرنا ضروری ہوگا۔اس نقطہ نظر سے یہ نوٹ میں آپ کے توسط سے آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی مجلس عاملہ میں پیش کرر ہا ہوں۔

کیا طلاق سے پہلے تحکیم کا مرحلہ ضروری ہے اور تحکیم کے مرحلے سے گذرے بغیر طلاق دی جائے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس پر جس فیصلہ کے نتیجہ میں انتہائی پیچیدہ اور تشویشناک صورتحال یہ سامنے آتی ہے کہ عورت جو طلاق کے بعد بیوی کی حیثیت کھوچکی ہے قانونی اعتبار سے وہ طلاق دینے والے شخص کی بیوی ہے۔یہ فیصلہ جسٹس بحرالاسلام کا ہے جوانہوں نے ۱۹۷۸ء میں دیا تھا اور جو ۱۹۸۱ء کے گوہاٹی لار پورٹس میں شائع ہوا۔

1981 1 Gauhati Law Reports) 358) جسٹس بحرالاسلام اس وقت آسام ہائی کورٹ گوہاٹی کے جج تھے بعد میں یہ سپریم کورٹ کے جج بھی بنے۔انہوں نے اپنے اس فیصلے میں لکھا ہے کہ ’’طلاق کے مسئلہ پر قرآن مجید کی متعلقہ آیات کا حوالہ ضروری ہے کہ قرآن مجید اسلامی قانون کا بنیادی سرچشمہ ہے اور یہ آیتیں شوہر اور بیوی کے درمیان تعلق کی نوعیت اور شوہر کی جانب سے بیوی کو طلاق دینے سے متعلق ہیں۔‘‘ اسکے بعد اس فیصلے میں قرآن کی مختلف آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے جو اے۔یوسف علی صاحب کے ترجمۃ القرآن سے لیا گیا ہے۔ذیل میں ان آیات کا اُردو ترجمہ جو مولانا فتح محمد جالندھری نے کیا ہے وہ درج کیا جارہا ہے۔

سورہ نسآء آیات ۱۲۸ تا ۱۳۰

۱۲۸۔اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کرلیں۔اور صلح خوب چیز ہے۔اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں۔اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کروگے تو خدا تمہارے کاموں سے واقف ہے۔

۱۲۹۔اورتم خواہ کتنا ہی چاہوعورتوں میں ہرگز برابری نہیں کرسکوگے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی طرف ڈھل جاؤ اوردوسری کوایسی حالت میں چھوڑ دو کہ گویا ادھر میں لٹک رہی ہو۔اوراگرآپس میں موافقت کرلواور پرہیزگاری کروتوخدابخشنے والامہربان ہے۔

۱۳۰۔اور اگر میاں بیوی میں موافقت نہ ہوسکے اور ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو خدا ہرایک کواپنی دولت سے غنی کردے گا۔اورخدابڑی کشائش والااورحکمت والا ہے۔

سورۃ بقرہ آیات ۲۲۹ تا ۲۳۲

۲۲۹۔طلاق صرف دوبار ہے(یعنی جب دودفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھرعورتوں کویاتوبہ طریقہ شائستہ نکاح میں رہنے دینا ہے یا بھلائی کےساتھ چھوڑ دواور یہ جائزنہیں ہے کہ جومہرتم ان کو دے چکے ہواس میں سے واپس لےلو۔(یہاں عبداللہ یوسف علی صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ یہ تمہارے لئے جائزنہیں ہے کہ تم نے جوبھی تحفے دیئے ہوں ان میں سے کچھ واپس لو) ہاں اگر زن اورشوہرکوخوف ہوکہ وہ خدا کی حدوں کوقائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگرعورت(خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں ۔ یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ٔان سے باہر نہ نکلو اور جولوگ خدا کی حدوں سے باہر نکل جائیں گےوہ گناہ گار ہوں گے۔

۲۳۰۔پھر اگر شوہر(دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کودیدےتو اسکے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سےنکاح نہ کرےاس پہلےشوہر پرحلال نہ ہوگی ۔ ہاں اگر دوسرا خاوندبھی طلاق دیدےاورعورت اور پہلا خاوندایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ خدا کی حدوں کوقائم رکھ سکیں گے۔اور یہ خدا کی حدیں ہیں ان کووہ لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جودانش رکھتے ہیں۔

۲۳۱۔اور جب تم عورتوں کودودفعہ طلاق دے چکواوران کی عدت پوری ہوجائے تو انھیں یاتو حسن سلوک سے نکاح میں رہنےدویابہ طریق شائستہ رخصت کردواوراس نیت سےان کونکاح میں نہ رہنے دینا چاہئے کہ انھیں تکلیف دواوران پر زیادتی کرواور جوایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کریگا۔خدا کے احکام کوہنسی اورکھیل نہ بنالواورخدانے تم کوجونعمتیں بخشی ہیں اورجوتم پرکتاب اوردانائی کی باتیں نازل کی ہیں جن سے وہ تم سےنصیحت فرماتا ہےان کویادرکھواورخداسے ڈرتے رہواور جان رکھوکہ خداہرچیز سےواقف ہے۔

۲۳۲۔اور جب عورتوں کوطلاق دے چکواور ان کی عدت پوری ہوجائےتوان کودوسرےشوہرکےساتھ جب وہ آپس میں جائز طورپرراضی ہوجائیں نکاح کرنے سےمت روکو۔اس حکم سےاس شخص کونصیحت کی جاتی ہے جوتم میں خدااورآخرت کے روز پریقین رکھتا ہے یہ تمہارے لیئے نہایت خوب اور پاکیزگی کی بات ہےاورخداجانتاہےاورتم نہیں جانتے۔

جسٹس بحر الاسلام نے ان آیات کے بعد جناب عبداللہ یوسف علی صاحب کے ترجمہ میں دیئے گئے فٹ نوٹ بھی نقل کئے ہیں۔ جناب عبداللہ یوسف علی صاحب کا انگریزی ترجمہ حکومت سعودی عرب کی جانب سے **الرئاسة العامة لادارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والارشاد** کی تصحیح اورتنقیح کے بعدشائع کیا گیا ہےاوراس میں

بھی فٹ نوٹس موجود ہیں یہ فٹ نوٹس درج ذیل ہیں۔

'' دوطلاق کے بعد ملاپ کی اجازت ہے'' تیسری دفعہ کی طلاق نا قابل تنسیخ ہے تا آنکہ عورت کسی مرد سے شادی کرے اور وہ اسکو طلاق دیدے یہ تقریباً ناممکن نوعیت کی شرط ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ایک مرد عورت سے محبت کرتا ہے تو وہ زودرنجی، تنک مزاجی اور اچانک غصہ کو یہ اجازت نہ دے کہ وہ عجلت میں یہ قدم اٹھائے۔۔۔ اگر دو طلاقوں کے بعد ایک مرد اپنی بیوی کو واپس لیتا ہے تو یہ عمل بھی عادلانہ انداز میں ہونا چاہیئے۔ مثلاً اسکو عورت پر اپنے کسی حق کو کسی انداز میں چھوڑنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے اور ان کو ایک دوسرے کی شخصیت کا احترام کرتے ہوئے پاکیزہ اور باعزت زندگی گذارنی چاہئے۔''

'' رشتۂ مناکحت کا ٹوٹنا خاندان اور سماجی زندگی کیلئے ایک انتہائی اہم معاملہ ہے۔ ہر جائز طریقے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے جو عادلانہ طریقے پر ان کو واپس لے آئے جو پہلے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذار چکے ہیں۔ بشرطیکہ ان میں باہمی محبت ہو اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ باعزت شرائط پر زندگی گذار سکیں اگر ان شرائط کی تکمیل ہوتی ہے تو کسی باہر والے کو دوبارہ ملاپ کو روکنے یا اس میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ (مخالفت کرنے پر) جائیداد کی وجہ سے یا کسی دوسرے احساسات کی بناء پر مائل ہوسکتے ہیں۔ ''

جناب عبداللہ یوسف علی صاحب کے ان حاشیوں کے بعد جسٹس بحرالاسلام نے سورۂ نسآء کی ۳۵ ویں آیت کا حوالہ دیا ہے۔

۳۵۔''اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف، مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ اگر صلاح کرادینا چاہیں گے تو خدا ان میں موافقت پیدا کردے گا کچھ شک نہیں کہ خدا سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے۔ ''

اس آیت پر جناب عبداللہ یوسف علی صاحب کا حاشیہ درج ذیل ہے۔

'' یہ حکم خاندانی تنازعات کو زیادہ تشہیر، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے اور قانونی موشگافیوں کا سہارا لیے بغیر طے کرنے کا ایک عمدہ منصوبہ ہے۔ لاطینی ممالک نے اس منصوبے کو اپنے قانونی نظام میں تسلیم کیا ہے یہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے جس طرح قبول کرنا چاہیئے تھا عام طور پر قبول نہیں کیا ہر خاندان کا حکم دونوں فریقین کی طبیعت اور مزاج کی خصوصیات سے واقف ہوگا۔ اور اللہ کی مدد سے صحیح مفاہمت کراسکے گا۔ ''

جسٹس بحرالاسلام نے اسکے بعد شقاق اور طلاق کے موضوع پر مولانا محمد علی، جسٹس عبدالرحیم، جناب اے، اے اے فیضی کے حوالے دینے کے بعد جسٹس کرشنا ایّر کے ایک فیصلے کا حوالہ بھی دیا ہے جو انہوں نے کیرالا ہائیکورٹ کے جج کی حیثیت سے دیا ہے۔

Sowramma Air 1971 Kerala 261)

' A. Yousuf Rowther Vs) اس فیصلے میں جسٹس کرشنا ایّر نے بھی قرآن کی شقاق والی آیت اور اسکی تشریح نقل کی ہے۔

جسٹس بحرالاسلام نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قرآن اور حدیث

دونوں میں طلاق دینے کی اجازت ہے لیکن یہ اختیار غیر معمولی حالات میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ طلاق کیلئے اس سے پہلے مفاہمت کی کوشش لازمی شرط ہے۔

جسٹس بحرالاسلام نے بحیثیت چیف جسٹس گوہاٹی ہائی کورٹ طلاق کے مسئلہ پر قرآن کی سورۃ نسآء کی آیت نمبر ۳۵ کا ترجمہ ایک اور کیس میں دیا۔ اور آیت شقاق کو بنیاد بناتے ہوئے یہ اصول اخذ کیا کہ طلاق دینے کیلئے کوئی معقول سبب ہونا چاہئے اور طلاق سے پہلے تحکیم یا مفاہمت ضروری ہے اسکے بغیر طلاق کے واقع ہونے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔(1981 Gauhati Law Reports 375)

سپریم کورٹ نے شمیم آراء بہ نام ریاست اُتر پردیش ودیگر میں یہی فیصلہ دیا۔ جسٹس آر۔سی۔ لاہوتی نے اپنے فیصلے میں مسلم پرسنل لاء پر ملاّ اور ڈاکٹر طاہر محمود کی کتابوں کے حوالوں کے بعد جسٹس کرشنا ایّر اور جسٹس بحرالاسلام کے متذکرہ صدر فیصلوں کو بنیاد بنایا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ طلاق کسی معقول سبب کی بنیاد پر دی جائے اور طلاق سے پہلے بیوی اور شوہر کے درمیان دو حکم صاحبان کے ذریعہ تحکیم یا مفاہمت کی کوشش ہو۔ اس کوشش کے ناکام ہونے کے بعد ہی طلاق کو تسلیم کیا جائے گا اور طلاق موثر ہوگی۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد ملک کی ہر عدالت قانون کی اسی تشریح کی روشنی میں فیصلے دینے کی پابند ہے۔

طلاق کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی عدالتوں میں زیر بحث آتا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بیوی کی جانب سے نفقہ دلانے کیلئے عدالت میں پیش کی گئی درخواست کے جواب میں شوہر کی طرف سے یہ عذر دیا جاتا رہا ہے کہ وہ کچھ عرصہ پہلے کسی گذری ہوئی تاریخ پر طلاق دے چکا ہے اسلئے عورت بیوی باقی نہیں رہی اور اس لئے وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے۔ بیوی کی طرف سے قطعاً لاعلمی کا اظہار کیا جاتا رہا اور یہ کہا جاتا رہا کہ نہ طلاق دی گئی اور نہ طلاق دینے کی کوئی اطلاع ملی۔ اس تعلق سے ہائی کورٹس کا کئی فیصلوں میں یہ رجحان رہا کہ مرد کی جانب سے طلاق دئے جانے کی بات کو اس تاریخ سے تسلیم نہیں کیا جائے گا جس تاریخ پر طلاق دینے کا اس نے ادعا پیش کیا ہے مگر اسکے جواب کی نقل بیوی کو ملنے کی تاریخ سے یا جواب کی تاریخ سے طلاق کو تسلیم کیا جائے گا۔ ہائیکورٹ نے بعض فیصلوں میں جواب دعوے کی تاریخ کو بھی تاریخ طلاق تسلیم کرنے سے انکار کیا اور یہ فیصلہ دیدیا کہ جب تک مرد معتبر شہادت کے ذریعہ طلاق دینے کے اعلان کو ثابت نہ کرے طلاق کے واقع ہونے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور متعلقہ عورت اس شخص کی زوجہ رہے گی اور بحیثیت زوجہ تمام حقوق کی مستحق رہے گی۔ ایسا ہی فیصلہ بمبئی ہائیکورٹ کی اورنگ آباد بنچ کے اجلاس کاملہ نے دگڑو پٹھان بنام رحیم بی پٹھان ودیگر میں دیا ہے۔ سپریم کورٹ کے متذکرہ صدر شمیم آراء کیس میں بھی یہ نکتہ زیر بحث آیا۔ اور عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ طلاق کا اعلان (Pronouncement) ضروری ہے اور اس اعلان کو عدالت میں ثابت کرنا بھی ضروری ہے۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد ہندوستان کا کوئی ہائیکورٹ اور تحت کی عدالت شوہر کی طرف سے اسکے خلاف نفقہ کی کاروائی میں ماضی کی کسی تاریخ پر طلاق دینے کے عذر کو تسلیم نہیں کرے گی۔ اور یہی فیصلہ دے گی کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر

طلاق کا اعلان کیا گیا تھا تو اسکو عدالت کے سامنے ثابت کیا جائے۔

ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے ان فیصلوں کی روشنی میں کچھ سوالات اُبھرتے ہیں جنکے بارے میں علمائے کرام کو غور کر کے بورڈ کے لیگل سیل اور اسکے کنوینز کی رہنمائی کرنی ہوگی۔

۱۔ کیا طلاق دینے کی وجہ یا سبب کا ظاہر کرنا اور اس سبب کا معقول ہونا ضروری نہیں ہے؟ (اس سوال کا حضرات علماء جو جواب دیں گے ان کے علاوہ ایک معقول جواب جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی مطلقہ عورت کی آئندہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی کا دروازہ بند نہیں کرتی۔ شوہر اور بیوی کے درمیان تعلقات اتنے گہرے اور اتنے قریبی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ ان کے کئی پہلوؤں سے کوئی تیسرا شخص واقف نہیں ہوسکتا۔ زن وشو کے تعلقات کی کسی ایسی بات کا اظہار عورت کے مستقبل کیلئے نقصان دہ ہوسکتا ہے اور اسکے دوسرے نکاح کیلئے رکاوٹ بن سکتا ہے اس لیے طلاق کے سبب کا ظاہر نہ کرنا عورت ہی کے مفاد میں ہے)۔

۲۔ کیا طلاق شقاق کے بغیر بھی واقع ہوتی ہے۔ یا شقاق ہی وہ صورتحال پیدا کرتی ہے جس میں مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔؟

۳۔ اگر شقاق طلاق کا اہم سبب ہے تو پھر شقاق کے سلسلہ میں قرآن کی سورۃ نسآء کی آیت نمبر ۳۵ میں جو حکم ہے اسکی تعمیل ضروری کیوں نہیں ہے؟

۴۔ شریعت اسلامی میں کیا اور کوئی حکم ایسا موجود ہے جسمیں قرآن کریم کے کسی واضح حکم کو نظر انداز کر دیا گیا ہے؟

۵۔ کیا طلاق کا اعلان ضروری ہے۔ متعلقہ عورت کو طلاق بغیر اطلاع دی جائے تو کیا طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

۶۔ اگر عورت کو طلاق دینے کی اطلاع دینا ضروری نہیں ہے تو اسکی شریعت اسلامی میں کیا مصلحتیں بتائی گئی ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس سے اس عورت کی حیثیت اور حقوق ختم ہوجاتے ہیں۔ ایسی صورت میں معقولیت تو اس میں یہ نظر آتی ہے کہ عورت کو اس سے واقف کرایا جائے اور اسکی اطلاع دی جائے۔

شریعت اسلامی کے ان موضوعات پر احکامات کو بیان کرنے کے سلسلے میں یہ بات بھی سامنے رہے کہ سپریم کورٹ اس اصول کو تسلیم کر چکا ہے کہ کسی مسئلہ پر کسی پرسنل لاء کے اطلاق کے بارے میں کسی جج کو جدید دور کے اپنے تصورات داخل نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس پرسنل لاء کے اصل ذرائع و سرچشموں سے جو قانون اخذ ہوتا ہے اسکے مطابق یا پھر اسکی تشریح جو ہائی کورٹس نے کی ہے انکے مطابق فیصلہ کیا جانا چاہئے۔ سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ بہت ہی مشہور کیس کرشنا سنگھ بنام متھرا آہیر ودیگر میں دیا ہے۔ اس فیصلے میں سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ:

'' فریقین کے پرسنل لاء کے اطلاق میں کوئی جج ماڈرن زمانے کے اپنے تصورات کو داخل نہیں کرسکتا، مگر اس کو اس قانون کا نفاذ کرنا چاہئے جو مسلمہ اور مستند منابع سے اخذ کیا گیا جیسے ہندولاء میں شروتیوں اور انکی تفسیروں جن کی تشریح مختلف ہائیکورٹ میں فیصلوں میں کی ہے۔ بجز ان معاملات کے جہاں ایسے قانون کو عمل درآمد یا رواج نے تبدیل کر دیا ہو یا ملکی قانون نے بدل دیا ہو یا منسوخ کر دیا ہو۔ ''

سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی روشنی میں شریعت کے احکامات کی ان بنیادوں کو واضح کرنا ضروری ہوگا جو قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ پر مبنی ہیں اسکے علاوہ ان احکامات کی معقولیت اور مصلحتوں کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ جن میں معقولیت نظر نہ آئے ان کو عدالت کی جانب سے تسلیم کیا جانا دشوار بلکہ ناممکن ہے مثلاً یہ کہ طلاق دیدی گئی اور مطلقہ عورت کو اسکی اطلاع نہیں پہنچائی گئی یہ بات معقولیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے اور اگر اس میں کوئی شرعی مصلحت ہے تو اس مصلحت کی معقولیت کو واضح کرنا ضروری ہوگا۔

اس سلسلے میں میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ علمائے کرام ان مسائل پر غور کرتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ ہمارے مختلف احکامات اُس دور میں مستنبط ہوئے ہیں جبکہ خلافتِ عباسیہ دنیا کے نقشے پر ایک طاقتور ترین حکومت کے طور پر اُبھر چکی تھی اور اس مسلم معاشرے میں طلاق عورت کیلئے عیب تصور نہیں کیا جاتا تھا۔کوئی بالغ عورت بے شوہر نہیں رہتی تھی مطلقہ ہو کہ بیوہ عدت کے ختم ہوتے ہی دوسرا شوہر مل جاتا تھا اسطرح کوئی عورت بے سہارا نہیں رہتی تھی آج کی صورتحال اس سے بالکل مختلف ہے ۔طلاق کو عیب سمجھا جاتا ہے ایک مطلقہ عورت کیلئے دوسرا نکاح بہت دشوار ہو جاتا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں جا سکتا کہ غریب اور مفلس خاندانوں کی مطلقہ لڑکیاں واقعی بے سہارا ہو جاتی ہیں ایسی صورت میں وہ احکامات جنھیں ہمارے فقہائے کرام نے زمانے کی رعایت کرتے ہوئے مرتب کیا ہے ان پر غور کرتے وقت اس پہلو کو پیش نظر رکھا جائے کیونکہ سپریم کورٹ کے محولہ بالا فیصلے کی روشنی میں ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم شریعت کے احکامات کو قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کی بنیادوں پر عدالتوں کے سامنے پیش کریں۔اس لئے مناسب ہوگا کہ علمائے کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اس تحریر میں پیش کئے گئے سوالات کا معقول انداز میں جواب مرتب کرے تا کہ اگر ماہرین قانون شریعت سے متصادم فیصلوں پر مکرر غور کیلئے کسی عدالتی چارہ کار کی شکل نکالتے ہیں تو ان کو ہمارا مقدمہ پیش کرنے میں مواد اور مدد مل سکے گی۔

دوسرا مسئلہ مطلقہ کے نفقہ کا ہے جس میں سپریم کورٹ کے پانچ ججس کے اجلاس نے فیصلہ کیا کہ نادار مطلقہ عقد ثانی یا تاحیات نفقہ پانے کی مستحق ہے۔عدالت کا یہ فیصلہ قانونی اعتبار سے بھی درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ مسلم مطلقہ خاتون کے حقوق کا قانون بابت ۱۹۸۶ء ایک نادار مطلقہ کی کفالت کا انتظام کرتا ہے اور آخری صورت میں عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ایسی عورت کے گذارہ کا انتظام وقف بورڈ کرے۔اس فیصلے کو دوبارہ زیر بحث لانے کیلئے اب کیا تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے یہ ماہرین قانون بتا سکتے ہیں۔ایک صورت اس میں یہ ہوسکتی ہے کہ کسی ہائی کورٹ نے سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی بنیاد پر اپنا فیصلہ دیا ہو تو اسکے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل داخل کروائی جائے اور اس میں سپریم کورٹ کے دانیال لطیفی کیس کے فیصلے کو زیر بحث لانے کی کوشش کی جائے۔ اسکے علاوہ اور طریقہ کیا کار ہوسکتے ہیں اس کے لیے ماہرین قانون سے رائے لینا بہتر ہوگا۔

لازمی نکاح رجسٹریشن

ایک بحث

نکاح رجسٹریشن اور اس کو لازمی کرنے کا مسئله کافی دنوں سے زیر بحث هے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ اس پر شروع سے غور کررتا رهاهے، پیش هے اس سلسلے کی کارروائی رپورٹ:۔

تجویز کارروائی مجلس عاملہ بورڈ منعقدہ ۶ر دسمبر ۱۹۸۱ء۔ بمقام: ۲۸ ویسٹرن کورٹ، نئی دہلی

ایجنڈا (۴) کے موضوع یعنی نکاح رجسٹریشن کے سلسلہ میں جنرل سکریٹری صاحب کی جانب سے سوالنامہ کو مولانا نیاز احمد رحمانی نے پڑھ کر سنایا جسے علماء اور مفتیان کرام کو بھیجا گیا ہے اجلاس میں متعدد علماء کرام کے جوابات کی کاپیاں بھی تقسیم کی گئیں۔

جناب ظفریاب جیلانی نے بتایا کہ رجسٹریشن کا ایک قانون مہاراشٹر میں نافذ ہے جس میں اس کی خلاف ورزی پر جرمانہ کی سزا دی جاسکتی ہے، اس مسئلہ پر جناب معروف خاں صاحب، جناب مقصود علی خاں صاحب، مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی، مولانا سید احمد ہاشمی صاحب، جناب فضل الرحمٰن صاحب گنوری، مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ (ایم پی)، جسٹس بشیر احمد سعید اور جناب ذوالفقار اللہ صاحب نے اظہار خیال کیا جس کے بعد طے پایا کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے، علماء کرام کی آراء پر غور کرنے اور بعض ریاستوں میں نافذ قوانین کا جائزہ لیکر سفارشات پیش کرنے کے لیے حسب ذیل اصحاب پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی جائے جو اپنی سفارشات مجلس عاملہ کے آئندہ اجلاس میں پیش کرے گی۔

۱۔ مولانا مجاہدالاسلام قاضی صاحب کنوینر
۲۔ مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب
۳۔ مولانا عروج احمد قادری صاحب
۴۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب گنوری
۵۔ مولانا محمد ولی رحمانی صاحب
۶۔ جناب عبدالرحیم قریشی صاحب
۷۔ مولانا سید احمد ہاشمی صاحب
۸۔ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب

تجویز کارروائی مجلس عاملہ بورڈ منعقدہ ۶ر نومبر ۱۹۸۲ء بمقام: بچوں کا گھر دریا گنج، دہلی

۵۔ نکاح کے رجسٹریشن سے متعلق مختلف ریاستوں میں نافذ قوانین اور مجوزہ قوانین کے مسئلہ پر اجلاس میں غور نہیں کیا جاسکا کیونکہ متعلقہ کمیٹی کے کنوینر نے جو ابھی حج سے واپس

تشریف نہیں لائے ہیں کوئی رپورٹ پیش نہیں کی اور اس کمیٹی کی تا حال کوئی میٹنگ نہ ہوسکی، ایجنڈا کے اس موضوع کو آئندہ اجلاس کے لیے ملتوی کیا گیا۔

سنٹرل وقف ایکٹ (جدید) کے سلسلہ میں تشکیل شدہ کمیٹی کی جانب سے جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ ایم پی نے بتایا کہ کمیٹی کی کوئی میٹنگ نہیں ہوسکی تاہم مرکزی حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ جلد از جلد بل پیش کرے وزیر قانون مسٹر جگن ناتھ کوشل نے اس سیشن میں اس بل کو پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب حکومت کہتی ہے کہ یہ بل ابھی زیر ترتیب ہے بجٹ سیشن میں پیش کیا جائے گا۔ وقف انکوائری کمیٹی نے یہ سفارش کی تھی کہ سرکاری عہدیدار کو وقف کمشنر مقرر کیا جائے جو بااختیار ہو اور بورڈ کو صرف مشاورتی نوعیت کا ادارہ بنایا جائے۔ ہم نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ وقف بورڈ کو بااختیار بنایا جائے، انھوں نے کہا کہ وقف بورڈ کا محض مشاورتی کمیٹی بن جانا کسی طرح برداشت کے قابل نہیں ہے، اجلاس نے کنوینر صاحب سے خواہش ظاہر کی کہ وہ کمیٹی کا اجلاس طلب کریں، یہ بھی طے کیا گیا کہ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب بحیثیت کنوینر کمیٹی ایک مکتوب کے ذریعہ وزیر اعظم اور وزیر قانون کو بورڈ کے نقطۂ نظر سے واقف کروائیں۔ اس مکتوب کے ساتھ سفارشات پر مشتمل ایک نوٹ بھی منسلک کیا جائے جو جناب سیٹھ صاحب اور جناب سید شہاب الدین صاحب باہمی مشورہ سے تیار کریں۔

تجویز کارروائی اجلاس عام ششم بورڈ

بتاریخ ۲۸/۲۹ دسمبر ۸۳ء بمقام: نیو کالج مدراس

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس نکاح رجسٹریشن سے متعلق سب کمیٹی کی رپورٹ قبول کرتا ہے، اور مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت پر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ رجسٹریشن کا نکاح کے سلسلہ میں لزوم مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے بنیادی حق میں مداخلت کی ہی ایک شکل ہے، یہ اجلاس ملک کے تمام دینی اداروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ نکاح کے رجسٹریشن کا خود انتظام اور اس کا ایک قابل اعتماد ریکارڈ رکھیں تاکہ نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

اس اجلاس نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ عورتوں کو اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے ممکن سہولتیں ملنی چاہئیں، اور بورڈ اس سلسلہ میں ایجنڈا (۱۰) کی منظور شدہ تجویز کو دہرانا ضروری سمجھتا ہے، مولانا محمد فاروق صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ امینیہ دہلی اور مفتی عبدالوہاب صاحب مدرسہ باقیات الصالحات ویلور کی تجویز جس کا تعلق وقف و بورڈ کے ذریعہ غیر اوقافی آمدنی سے ٹیکس وصول کرنے سے ہے، اس تجویز کو اوقاف سے متعلق تشکیل شدہ سب کمیٹی کے حوالہ کیا گیا، مولانا شاہ محمد انوار اللہ صاحب قادری لطیفی شہر قاضی اہل سنت والجماعت شمالی آرکاٹ ویلور کی پیش کردہ مندرجہ ذیل تجویزیں منظور کی گئیں۔

۱- مسلم پرسنل لا اور یونیفارم سول کوڈ کے اہم نکات کا تقابلی جائزہ لے کر بورڈ مختلف زبانوں میں کتابیں طبع کرا کر تقسیم کرے۔

۲- بورڈ کا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ کیا ہے؟ اس کے ضروری احکام ومسائل کیا ہیں؟ ان کی شرعی بنیادیں کیا ہیں؟ یونیفارم سول کوڈ کی کیا حقیقت ہے؟ اس طرح کے مسائل پر ایک مختصر نصاب بورڈ کی نگرانی میں مرتب کرایا جائے اور کوشش کی جائے کہ ہندوستان کے تمام مدارس اسلامیہ

میں ہفتہ میں ایک کلاس مسلم پرسنل لا کے مسائل پر رکھا جائے، تا کہ ہمارے طلبہ ان مسائل پر حاوی ہوکر آئندہ تحفظ دین کے فرائض پورے شعور کے ساتھ انجام دے سکیں، اخیر میں منجانب صدر اجلاس مندرجہ ذیل تجویز بشکریہ پیش ہوکر منظور ہوئی۔

تجویز کارروائی مجلس عاملہ بورڈ منعقدہ

۱۹ر اگست ۱۹۸۳ء بمقام: ویسٹرن کورٹ، دہلی

''نکاح کے رجسٹریشن کا مسئلہ'' مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۶ر دسمبر ۱۹۸۱ء کے سامنے پیش ہوا مجلس عاملہ نے اس سلسلہ میں ایک سب کمیٹی بنائی تھی جو مندرجہ زیل افراد پر مشتمل تھی۔

۱۔ مولانا محمد برہان الدین صاحب
۲۔ مولانا احمد عروج صاحب قادری
۳۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوری
۴۔ عبدالرحیم قریشی صاحب
۵۔ مولانا سید احمد ہاشمی صاحب
۶۔ ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب
۷۔ قاضی مجاہد الاسلام القاسمی صاحب

سب کمیٹی کی کوئی نشست منعقد نہیں ہوسکی لیکن جناب جنرل سکریٹری صاحب بورڈ نے ہندوستان کے مختلف علماء کے نام مراسلے بھیج کر اس مسئلہ کے بارے میں استفسار کیا پھر مختلف علماء نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ بھی ارکان بورڈ کے نام ارسال کیا گیا جواب دینے والے علماء کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دیوبند
۲۔ مولانا محمد حنیف صاحب مدرسہ اسلامیہ ہلدیہ پورنیہ
۳۔ مولانا محمد ظہور صاحب مفتی ندوۃ العلماء لکھنؤ
۴۔ مولانا عبدالقدوس رومی مفتی آگرہ شہر
۵۔ مفتی حسین احمد صاحب مدرسہ رحیمیہ گاڑھا سہرسہ
۶۔ مولانا شمس الحق سلفی مرکزی دارالعلوم بنارس
۷۔ مولانا عبدالجلیل صاحب مدرسہ اسلامیہ بتیا
۸۔ مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب فیاض المسلمین بائسی پورنیہ
۹۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل
۱۰۔ مولانا محمد سعید بزرگ صاحب
۱۱۔ مولانا محمود احمد صاحب قاسمی
۱۲۔ مولانا جمال الدین صاحب
۱۳۔ مولانا محمد ہاشم صاحب
۱۴۔ مولانا عبدالرزاق صاحب قاضی شریعت کٹیہار
۱۵۔ مولانا محمد مصلح الدین صاحب قاضی شریعت کشن گنج (پورنیہ)
۱۶۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب جامعہ رحمانی مونگیر
۱۷۔ مولانا محمد ظاہر صاحب جامعہ رحمانی مونگیر
۱۸۔ مولانا محمد نور الہدیٰ صاحب کٹیہار
۱۹۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامعہ قاسمیہ مرادآباد
۲۰۔ مولانا مفتی سید احمد علی سعید صاحب دیوبند
۲۱۔ مفتی عبدالعزیز صاحب مظاہر علوم سہارنپور
۲۲۔ مفتی برہان الحق صاحب جبل پور
۲۳۔ علامہ مولانا اکرام علی صاحب مفتاح العلوم مئو
۲۴۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

۲۵۔ مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحی صاحب

۲۶۔ مولانا شاہ فیاض عالم صاحب ولی اللّٰہی

مسئلہ دو ہے ایک تو یہ ہے کہ رجسٹریشن کو نکاح کے انعقاد یا اس کے ثبوت کے لئے ایسی ضروری شرط مانی جائے کہ اس شرط کے فقدان کی صورت میں نکاح کو قانونی جواز حاصل نہ ہو یا تنازع کی صورت میں نکاح کو غیر ثابت تسلیم کیا جائے یہ صورت بہرحال غلط ہے، اس لیے کہ شرعاً انعقاد نکاح کے لیے ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی کے ساتھ کافی ہے، لہٰذا ایسی کسی بھی شرط کا اضافہ اپنے جی سے ہوگا، اور جسے شرع نے منعقد مان لیا ہو اس کو اپنی لگائی ہوئی شرط کے ذریعہ غیر منعقد قرار دینا پڑے گا، اسی طرح قرآنی تصریحات کی روشنی میں نکاح ان امور میں سے ہے جس کے ثبوت کے لیے دو گواہوں کی شہادتیں کافی ہیں، اگر دو شہادتوں کی موجودگی کو کافی نہ سمجھ کر رجسٹریشن کو ضروری قرار دیا جائے تو یہ بھی قانون شرع میں ترمیم ہوگی جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ رجسٹریشن کو نہ انعقاد کے لیے ضروری قرار دیا جائے، نہ ثبوت نکاح کے لیے لیکن ریکارڈ کے انضباط اور دوسری مصالح کے پیش نظر قانونی طور پر رجسٹریشن کو لازم قرار دیدیا جائے، تو یہ صورت درست ہوگی یا نہیں، اس بارے میں علماء نے جو جوابات دیے ہیں تقریباً سب کا رجحان یہی ہے کہ یہ صورت درست نہیں ہے، مختلف حضرات نے مختلف وجوہ بتائے ہیں بعض لوگوں کے نزدیک اگرچہ رجسٹریشن کا قانون اثر انعقاد نکاح یا ثبوت نکاح پر نہیں پڑتا ہو، پھر بھی ایسے عمل کا مکلّف کرنا ہے جس کی تکلیف شرع نے نہیں دی ہے۔ دوسرے اس کے قانونی لزوم کو مستحکم کرنے کے لیے اگر بصورت خلاف ورزی مستوجب تعزیر قرار دیا جائے تو ان حضرات کے خیال میں ایک ظلم ہوگا، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر نکاح جیسے عمل کو سرکاری دفاتر میں رجسٹریشن کا پابند کردیا گیا تو عام رواج کے مطابق رشوت ستانی اور عدالتوں کی دوڑ بھاگ جیسی دس طرح کی کلفتوں میں نکاح جیسی سادہ تقریب مبتلا ہوکر رہ جائے گی، اور پھر رجسٹریشن کے سلسلہ میں جو اخراجات ہونگے وہ ایک مزید اضافہ ہوگا، بعض کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس طرح کے معاملات میں سرکار کی قانون سازی کا دخل شروع ہوگیا تو آئندہ بڑے مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں، عام طور پر علماء کے رجحانات یہی ہیں، اس کے برخلاف دو تین علماء ایسے ہیں کہ وہ بعض حالات میں چند شرائط کے ساتھ رجسٹریشن سے متعلق قانون سازی کے جواز کی طرف گئے ہیں، مولانا زبیر احمد صاحب جامعہ رحمانی مونگیر نے ضرر عام کی صورت میں تسعیر (ریٹ کنٹرول) سے متعلق قانون سازی پر قیاس کرتے ہوئے بعض ایسے علاقوں کے لیے نکاح کے رجسٹریشن کو لازم قرار دینے کی رائے دی ہے، جہاں عام طور پر غیر ملکی لوگ آکر نکاح کرتے ہیں اکثر اس نکاح میں دھوکہ ہوتا ہے، اور نکاح کے رجسٹرڈ نہیں ہونے کی وجہ سے بیرون ملک چارہ جوئی کی شکل نہیں رہتی تو ایسے حالات میں غیر ملکی افراد سے نکاح کے رجسٹریشن کو لازمی قانون قرار دینا ان کے نزدیک درست ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے رجسٹریشن نہ کرنے پر معمولی قسم کی تعزیر کا حق دینے کی بات کہی ہے، ان کے نزدیک لین دین کے سلسلے میں نزاع کی صورت میں رجسٹریشن ایک واضح ثبوت کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے، اگرچہ ان کی بھی رائے یہی ہے کہ بجائے قانونی سزا کے اس کی افادیت کی اشاعت زیادہ بہتر

ہے تاکہ لوگ خود بخود اس کے پابند ہو جائیں۔

معاملات، لین دین کو بشکل تحریر لانے کے سلسلے میں بنیادی طور پر جو آیت زیر بحث آتی ہے وہ سورۂ بقرہ کے اخیر سے پہلے (۳۹) انتالیسواں رکوع ہے۔

"**یاأیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمیً فاکتبوہُ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یأب کاتب أن یکتب کما علمه الله فلیکتب ولیملل الذی علیه الحق ولیتق الله ربه ولا یبخس منه شیأً فان کان الذی علیه الحق سفیهاً أو ضعیفاً أو لا یستطیع أن یمل هو فلیملل ولیه بالعدل، واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهدآء أن تضل إحدٰهما فتذکر أحدهما الأخرىٰ الخ**"

ان آیات میں چند باتیں کہی گئیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ جب آپس میں کوئی معاملہ قرض کے لین دین کا کرو تو اسے لکھ لیا کرو، جن کو لکھنا آتا ہے، وہ ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ لکھیں، مضمون کا املاء اس کی طرف سے ہونا چاہئے جس پر حق عائد ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص خود لکھانے کے لائق نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی اس فرض کو ادا کرے۔ صرف لکھنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ دو معتبر گواہ بھی بنالئے جائیں۔ گواہ اظہار حق سے ہرگز گریز نہ کریں، معاملہ چھوٹا یا بڑا لکھنے میں ہرگز سستی سے کام نہ لیا جائے اس لئے کہ لکھ کر رکھ لینا ہی عنداللہ انصاف کو قائم رکھنے والا اور شہادت کو پختگی اور استحکام دینے والا عمل ہے۔ مزید برآں یہ کہ اس سے کسی شبہ کا اندیشہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر یہ معاملہ دست بدست ہوا اور فوری طور پر لین دین ہو گیا ہو تو نہ لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ان آیات قرآنی سے یہ امر واضح طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ وہ معاملات باہمی جو دور اور دیر تک اثر رکھنے والے ہیں ان میں شریعت کا رجحان یہ ہے کہ شہادت کے ساتھ ساتھ معاملات کی تحریر بھی ہو جائے، تاکہ آئندہ چل کر قیام عدل استحکام شہادت سے شک وشبہ کی وجہ سے پیدا ہونے والے باہمی نزاعات کا خاتمہ ہو سکے۔ ان آیات کے سیاق وسباق پر غور کرتے ہوئے فقہائے امت کی رائے یہ ہے کہ معاملات کو لکھ لینا شرعاً مندوب ومطلوب اور مستحب ہے۔ واجب نہیں۔ امام طبری اور ابن جریح اس کے واجب ہونے کے قائل ہیں، لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ محض مستحب ہے۔ اس لئے کہ اگلی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ "**فإن أمن بعضکم بعضاً الخ**" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر باہمی اعتماد ہو تو کوئی چیز رہن لئے ہوئے بغیر بھی باہمی اعتماد پر معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ امام احمد ابن عبداللہ القرطبی انصاری نے لکھا ہے "**وقال الجمهور الأمر بالکتب ندب علی حفظ أموال وإزالة الریب وإن کان الغریم بقیاً فما یضرہُ الکتاب وإن کان غیر ذلک فالکتاب ثقاف منی دینه وحاجة صاحب الحق**" (الجامعۃ الأحکام القرآن ۳/۳۸۳)۔

اور امام جصاص رازی نے احکام القرآن میں لکھا ہے۔

(فان أمن بعضکم بعضاً) فثبت بذلک أن الأمر بالکتابة والشهادۃ والاشهاد ندب غیر واجب .... ولا خلاف بین فقهاء الأمصار إن الأمر بالکتابة والإشهاد والرهن المذکور جمیعه فی هذہٖ الآیة وإرشاد إلی بالنافیة الخط والصلاح والاحتیاط

لدین و الدنیا و إن شیاً منه غیر و اجبٍ" (۲۸۴/۱)۔

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ معاملات کو لکھ لینا، گواہ بنالینا شرعاً پسندیدہ امر ہے، اور اس طرح اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ لیکن شرعاً واجب نہیں لہذا اس کا تارک گنہگار نہیں ہوگا۔

نکاح ایک ایسا معاملہ ہے جس کے نتیجے میں متعدد احکام پید اہوتے ہیں عورت پر مختلف حقوق عائد ہوتے ہیں، مرد پر مہر اور نفقہ کی شکل میں مالی حقوق عائد ہوتے ہیں۔ بچوں کے نسب کا ثبوت اور وراثت میں ترکے کا استحقاق بھی نکاح پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے اثرات بہت دوررس اور دیر تک رہنے والے ہیں، شریعت نے ثبوت نکاح کے لئے شہادت بالتسامع کو بھی قابل قبول قرار دیا ہے پس اگر رجسٹریشن اور کسی دستاویزی ثبوت کے ذریعہ نکاح کے معاملہ کو پختہ اور مستحکم ریکارڈ کی شکل دیجائے تو بلاشبہ شرعاً یہ چیز پسندیدہ اور مناسب قرار دی جانی چاہئے۔ لیکن شرعاً کسی مباح ومستحب کو اس کی اباحت اور استحباب سے ہٹا کر واجب یا ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ الّا یہ کہ وہ مصالح جن کا حاصل ہونا شرعاً ضروری ہے یا وہ مفاسد جن کا دور کرنا شرعاً واجب ہے ان مصالح کا حصول یا ان مفاسد کا ازالہ اس امر مندوب ومستحب یا مباح کے حصول پر موقوف ہوجائے تو ایسی صورت میں وہ مستحب اور مباح خود واجب اور ضروری ہوجاتا ہے لہذا اس کے قانونی لزوم کا حکم دیا جاسکتا ہے، اور ایسی صورت میں اس حکم کی خلاف ورزی پر تعزیر بھی کی جاسکتی ہے۔ سیدنا عمرؓ کے احکام میں بہت سے فقہی جزئیات میں اس کی نظیر مل سکتی ہے۔

لہذا رجسٹریشن کے مفید اور بہتر تسلیم کئے جانے کے باوجود یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ کیا رجسٹریشن نہیں کرانا کسی واجب مصلحت شرعی کے ترک یا کسی واجب الدفع مفسدہ کے پیدا ہونے کا موجب ہے۔ .... ہمارے نزدیک باوجودیکہ موجودہ حالات میں رجسٹریشن نہ صرف یہ کہ مناسب اور مفید ہے بلکہ ایک حد تک اسے ضرورت بھی قرار دیا جاسکتا ہے، پھر بھی رجسٹریشن نہیں کرانے میں اتنا بڑا مفسدہ ہے یا نہیں ہے جس کی بنیاد پر اسے قابل تعزیر جرم قرار دیا جاسکے، قابل غور ہے۔ علاوہ ازیں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے سرکاری دفاتر کے ذریعہ رجسٹریشن ضروری ہوگا، یا یہ کام مسلمان اپنے قائم کردہ داخلی نظام کے ذریعہ بھی کرسکتے ہیں، نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ سرکاری نظام کے تحت رجسٹریشن بلاشبہ عام لوگوں کو جو دور دراز دیہاتوں میں رہتے ہیں سخت دشواریوں میں مبتلا کرے گا۔ دوسری طرف اس کی افادیت اور ضرورت کے پیش نظر اور اس نقطۂ نظر سے کہ آج عام طور پر لوگ قانون کی پابندی کو چاہے وہ ان کے مفاد میں کیوں نہ ہو بار محسوس کرتے ہیں کوئی ایسی صورت تجویز کیا جانا بھی ضروری ہے جس کی وجہ سے لوگ رجسٹریشن کے پابند ہوجائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ رجسٹریشن کے متعلق ایسا کوئی بھی ایکٹ جن کی رو سے نکاح کا انعقاد رجسٹریشن پر موقوف رکھا گیا ہو قطعاً شرع اسلام سے متصادم ہے۔

۲۔ رجسٹریشن کو ثبوت نکاح کے لئے لازم قرار دینا بھی شرع اسلام کے خلاف ہے۔

۳۔ البتہ ریکارڈ کے تحفظ اور نکاح کا دستاویزی ثبوت فراہم کرنے کے لئے ایسا نظام قائم کرنا جس میں کم سے کم دشواریاں ہوں نہ صرف یہ کہ جائز ہوگا بلکہ اسے مستحسن قرار دیا جانا چاہئے۔ لیکن یہ مسئلہ قابل غور رہے گا کہ رجسٹریشن کو

اس طرح لازم قرار دینا کہ اس کے نہ کرانے پر تعزیر کی جاسکے، درست ہوگا یا نہیں؟

تجویز کارروائی مجلس عاملہ بورڈ منعقدہ ۲۰/اگست ۱۹۹۰ء

بمقام: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو

ا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس متفقہ طور پر یہ تجویز منظور کرتا ہے کہ حکومت مغربی بنگال کے وزیر قانون کا ''کمپلسری میرج رجسٹریشن'' کی قانون سازی کے متعلق مبینہ بیان مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہے، مجلس عاملہ کا یہ اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ کی جنرل باڈی واجلاس مدراس منعقدہ ۲۹/دسمبر ۱۹۸۳ء کی اس تجویز کا اعادہ کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نکاح رجسٹریشن کو لازمی قرار دینا قانون شریعت میں مداخلت ہے۔

اجلاس مدراس کی مفصل تجویز کے مطابق مجلس عاملہ کا یہ اجلاس حکومت مغربی بنگال کے نکاح رجسٹریشن سے متعلق مجوزہ قانون سازی پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے اور یہ محسوس کرتا ہے کہ اس طرح کی قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتبدیلی کی راہ ہموار ہوگی جسے مسلمان قبول نہیں کرسکتا۔

۲۔ یہ اجلاس محترم جنرل سکریٹری بورڈ کی اس سلسلہ میں کئے گئے اقدامات کی تائید وتحسین کرتا ہے اور ضرورت محسوس کرتا ہے کہ ابھی حکومت مغربی بنگال کے نام ٹیلیگرام اور خطوط بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا جائے ساتھ ہی ٹیلیگرام اور خطوط کے معتد بہ تعداد میں پہنچنے کے بعد بورڈ کا ایک وفد وزیر اعلیٰ ووزیر قانون حکومت مغربی بنگال سے مل کر اس موضوع پر گفتگو کرے اور ان پر ملت اسلامیہ کا موقف واضح کرے۔

۳۔ مجلس عاملہ صدر محترم اور جنرل سکریٹری صاحب کو اختیار دیتی ہے کہ قانون دانوں پر مشتمل ایک جائزہ کمیٹی کی تشکیل فرمائیں جو مختلف صوبائی حکومتوں کے نکاح رجسٹریشن ایکٹ کا جائزہ لیں اور بورڈ کے دفتر کو آگاہ کریں کہ نکاح رجسٹریشن کے قوانین سے کس حد تک مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہوتی ہے۔

سولہواں اجلاس منعقدہ ۲۱، ۲۲، ۲۳/جون ۲۰۰۲ء بمقام دار العلوم حیدرآباد

دیگر امور باجازت صدر میں سکریٹری بورڈ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے شادیوں کے لازمی رجسٹریشن کے بل کی آندھراپردیش اسمبلی میں منظوری کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی تفصیلات سے اجلاس کو آگاہ کرایا۔ طے کیا گیا کہ یہ اجلاس آندھراپردیش میں شادیوں کے لازمی رجسٹریشن بل کو شریعت میں مداخلت کی سمت پہلا قدم قرار دیتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں کی شادیوں کے رجسٹریشن کا وقف بورڈ کے تحت اس ریاست میں منظم اور باقاعدہ نظام تقریباً دوصدی سے رائج ہے، اس لئے یہ اجلاس گورنر آندھراپردیش سے گذارش کرتا ہے کہ وہ اس مسودۂ قانون پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کریں۔ اور حکومت آندھراپردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس میں ترمیم کے ذریعہ مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دے۔

کارروائی مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (لازمی

نکاح رجسٹریشن) منعقدہ ۸/ مارچ ۲۰۰۶ء

بمقام دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور

ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے نکاح کا لازمی رجسٹریشن کے لئے قانون سازی کے سپریم کورٹ کے حکم کے مسئلہ کو پیش کیا۔ جناب مولانا سید نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ اس سے قبل مغربی بنگال میں اس طرح کا قانون بنایا جا رہا تھا تو اس وقت بورڈ کے بانی جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی کہ شریعت میں اس کا لزوم نہیں ہے اور رجسٹریشن کو لازم کرنا قابل عمل نہیں ہے، اس لئے رجسٹریشن کے قانون میں سب پر لزوم عائد نہ کیا جائے، رجسٹریشن کے لئے بلا لحاظ مذہب سب کے لئے ایک ہی فارم ہوگا جب کہ مسلمانوں کے پاس نکاح کے شرائط وضوابط دوسروں سے مختلف ہیں یہ لازمی رجسٹریشن ایک طرح سے یکساں سول کوڈ کی تدوین کی جانب ایک قدم محسوس ہوتا ہے، جناب ڈاکٹر الیاس اور مولانا سجاد نعمانی صاحب نے کہا کہ لازمی رجسٹریشن کی مخالفت کے بجائے کوئی متبادل شکل پیش کی جائے، لازمی رجسٹریشن کی بالکلیہ مخالفت مناسب نہیں ہے، اس کے بجائے کچھ عملی تجاویز پیش کی جائیں اور ہمارے پاس جو نکاح خواں ہیں ان کو قانون کے تحت نکاح کا رجسٹریشن قرار دینے کی کوشش کی جائے۔ جناب سید شہاب الدین صاحب نے کہا کہ بل کی کاپی ان کو ملی تھی اور ان کا احساس یہ ہے کہ اس بل میں ایسی گنجائش موجود ہے جس سے ہمارے مطالبات کی تکمیل ہوسکتی ہیں، یا پھر ہم اس بل میں ہمارے مطالبات کو شامل کرنے کے لئے نمائندگی کر سکتے ہیں۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے کہا کہ رجسٹریشن کے سلسلہ میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے لیکن رجسٹریشن کے لزوم سے آئندہ دشواریاں پیش ہوسکتی ہیں۔ اس کا جائزہ لیا جائے۔ جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ نے کہا کہ نکاح کا رجسٹریشن لازمی قرار نہ دیا جائے ہمارا یہ موقف برقرار رہنا چاہئے ورنہ دیہاتوں میں ہونے والی شادیاں کالعدم قرار پاسکتی ہیں۔ اسلامی نکاح کو اس قانون کے تحت درست قرار دینے اور جو رجسٹریشن ہمارے پاس ہوتا ہے اس کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کرنا چاہئے اگر یہ ہوتا ہے تو درست ہے، رجسٹریشن کے لزوم سے شادی کے مصارف میں اضافہ ہوگا۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے کہا کہ ایک بات کا یقین حاصل کرنا پڑے گا کہ رجسٹریشن کروانے کی صورت میں شادی کے اعتبار پر کوئی اثر نہیں آئے اور دوسرے یہ کہ رجسٹریشن کو شکل اور مالی طور پر بوجھ نہ بنایا جائے ریاست مہاراشٹر میں یہ قانون موجود ہے۔ لیکن انہیں نقائص کی وجہ سے یہ قانون اب تک صرف کاغذ کی زینت بنا ہوا ہے۔ بہتر ہوگا کہ نیشنل کمیشن وومن سے بل منگوا کر اس پر غور کیا جائے پھر اس کے بعد بورڈ کی جانب سے واضح ردعمل کا اظہار کیا جائے، اجلاس نے اس کے لئے درج ذیل ارکان بورڈ پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی۔

۱- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حیدرآباد

۲- مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب لکھنؤ

۳- جناب سید شہاب الدین صاحب دہلی

۴- جناب ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب (کنوینر) دہلی

انیسواں اجلاس عام

بمقام مدراس (چنئی) ۲۰۰۷ء

ڈاکٹر قاسم رسول الیاس نے نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے تعلق سے رپورٹ پیش کی، جس میں National Women Commission کی مجوزہ مسودہ قانون کا جائزہ لیا اور اس کے صدر نشیں سے نمائندگی کا تذکرہ کیا۔

اس اظہار خیال کے دوران یہ بات بھی پیش کی گئی کہ مسلمانوں میں نکاح کا ریکارڈ کسی نہ کسی انداز پر مساجد کمیٹیوں، مسلم جماعتوں، قاضیوں اور نکاح خوانوں کے پاس محفوظ رہتا ہے، جب کہ برادران وطن اور خصوصاً ہندوؤں میں ایسا کوئی رواج نہیں پایا جاتا۔

اجلاس نے طے کیا کہ نکاح کے رجسٹریشن کو لازمی کرنے کے قانون سازی کی مخالفت کی جائے اور نکاح کے رجسٹریشن کے تعلق سے جو لازمی نہ ہو یہ دفعہ شامل کروائی جائے کہ مسلمانوں کے پاس نکاح کا جو ریکارڈ تیار اور محفوظ ہوتا ہے اس کو اس مجوزہ قانون کی تکمیل سمجھا جائے۔

مدراس اجلاس ۲۰۰۷ء نکاح کے لازمی رجسٹریشن سے متعلق کمیٹی کی رپورٹ

نکاح کے لازمی رجسٹریشن سے متعلق سپریم کورٹ کی ہدایت پر نیشنل ومن کمیشن کی جانب سے قانون کا مسودہ تیار کرنے کا مسئلہ بنگلور کی مجلس عاملہ کی میٹنگ منعقد ۸ مارچ ۲۰۰۶ء میں زیر بحث آیا۔ اس سلسلے میں مسئلہ کا جائزہ لینے اور بورڈ کی جانب سے ممکنہ ردعمل طے کرنے کی غرض سے درج ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

۱- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

۲- مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی صاحب

۳- جناب سید شہاب الدین صاحب

۴- ڈاکٹر قاسم رسول الیاس (کنوینر)

نکاح کے لازمی رجسٹریشن سے متعلق بنگلور کے اجلاس میں درج ذیل اشکالات سامنے آئے تھے۔

۱- اس سے قبل مغربی بنگال میں جب اس قسم کا قانون بنایا جارہا تھا تو اس وقت کے بانی جنرل سکریٹری مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے اس کی مخالفت کی تھی کہ شریعت میں اس کا لزوم نہیں ہے۔

۲- رجسٹریشن کو لازمی کرنا قابل عمل نہیں ہے۔

۳- رجسٹریشن کے لئے ایک ہی فارم بلالحاظ مذہب سب کے لیے ہوگا۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس نکاح کی شرائط و ضوابط دوسروں سے مختلف ہیں۔

۴- یہ لازمی رجسٹریشن یکساں سول کوڈ کی تدوین کی جانب ایک قدم ہوگا۔

۵- دیہاتوں میں مقیم ناخواندہ مسلمانوں کے لیے اس سے مسئلہ پیدا ہوگا۔

۶- رجسٹریشن کے لزوم سے شادی کے مصارف میں اضافہ ہوگا۔

تاہم یہ رائے بھی سامنے آئی کہ لازمی رجسٹریشن کی مخالفت کے بجائے متبادل شکلیں پیش کی جائیں۔

۱- ہمارے نکاح خواں حضرات کے ذریعہ پڑھائے

جانے والے نکاح کو قانونی جواز (سند) فراہم کرانے کی کوشش کی جائے۔

۲- اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ رجسٹریشن کروانے کی صورت میں شادی کے اعتبار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں ان سوالوں کے ممکنہ جواب فراہم کرنے کی کوشش کی گئی اور نیشنل ومن کمیشن کی جانب سے بل کا مسودہ حاصل کیا گیا۔ اس پر پہلے دہلی میں مقیم ارکان بورڈ کے ساتھ محترم جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب کی صدارت میں ایک میٹنگ ہوئی۔ بعد ازاں 26 نومبر کو مجلس عاملہ کے اجلاس سے ایک دن قبل 25 نومبر 2005 کو ارکان کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ کمیٹی کے ایک معزز رکن سید شہاب الدین صاحب اس بل پر اپنی رائے صدر بورڈ اور جنرل سکریٹری کو لکھ چکے تھے اور اپنے موقف سے نیشنل ومن کمیشن کی چیر پرسن محترمہ گرجا ویاس کو واقف کرا چکے تھے، اس لیے موصوف نے کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت سے معذوری ظاہر کی۔ سید شہاب الدین صاحب نے اصولی طور پر بل کے مندرجات سے اتفاق کیا البتہ ومن کمیشن کو یہ بھی رائے دی کہ ایسے جوڑے جو بنا شادی کے میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہیں ان کو بھی رجسٹریشن کے تحت لانے کی کوشش کی جائے۔ شہاب الدین صاحب نے لڑکی کے لیے ۱۸ سال اور لڑکے کے لیے ۲۱ سال کی عمر کی شرط سے بھی اتفاق کیا۔ تاہم مذکورہ بالا دونوں میٹنگوں میں مسودہ کے تفصیلی مطالعہ کے بعد درج ذیل امور متفقہ طور پر طے کیے گئے۔

۱۔ مسودہ سے لازمی (Compulsory) کا لفظ ہٹایا جائے۔ حالانکہ مسودہ کی دفعہ 20 میں کہا گیا ہے کہ کسی شادی کو محض اس بنا غیر قانونی نہیں مانا جائے گا کہ وہ اس قانون کے تحت رجسٹرڈ نہیں کی گئی ہے۔ (تاہم دفعہ ۲۰ اور دفعہ ۱۲ ایک دوسرے سے متصادم بھی ہیں) رجسٹریشن ایک Voluntary عمل ہونا چاہیے۔ رجسٹریشن کو لازمی نہ کروانے کی متعدد وجہیں ہوسکتی ہیں۔ تاہم اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی کثیر آبادی بالخصوص مسلمانوں کی اکثریت ناخواندہ ہے۔ ناخواندہ اوران پڑھ افراد کا Procedural معاملات میں اکثر استحصال ہوتا ہے۔

۲۔ مسودہ میں رجسٹریشن سے متعلق بیان کردہ درج ذیل مقاصد سے شدید اختلاف ہے۔

۱۔ بچوں کی شادی کو روکنا اور اس بات کو یقینی بنانا کہ شادی کے لیے کم سے کم عمر کے قانون (18 اور 21) کا احترام ہو۔

۲۔ تعدد ازدواج کو روکنا۔ ۳- پہلی بیوی کو دوسری شادی کی اطلاع کا ہونا۔ تعدد ازدواج کے دائرے سے ان شادیوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا، جہاں مذہب نے یا روایات نے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ لہذا ہمارا مسئلہ اس وضاحت سے حل ہوجاتا ہے۔ البتہ اسلام دوسری شادی کے لیے مرد پر صرف دونوں بیویوں کے درمیان انصاف کی شرط لگاتا ہے۔ جہاں تک اطلاع کا تعلق اسلام کی نگاہ میں شادی کا اعلان خود اطلاع ہے۔ پہلی بیوی کو علیحدہ سے اطلاع دینے یا اس کی مرضی حاصل کرنے کی کوئی شرط اسلام نہیں لگاتا ہے۔ لہذا اس شق کو اس مسودہ سے خارج کیا جائے۔

۳۔ جہاں تک دیگر مقاصد کا تعلق ہے اس سے اتفاق ہے یعنی یہ کہ عورت کو استحصال سے بچانا، عورت کے لیے مکان اور

نفقہ کو یقینی بنانا، غیر ممالک میں شادی کرنے والی خواتین کے حقوق کا تحفظ، لڑکیوں کی خرید وفروخت پر پابندی لگانا، مرد کے لیے عورت کو معلق چھوڑ دئے جانے کے معاملات پر روک لگانا وغیرہ۔

۴۔ دفعہ ۱۲: میں رجسٹریشن کی ذمہ داری دونوں فریقوں پر ڈالی گئی ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے بلکہ نکاح خواں پر یہ ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ نکاح کو رجسٹرڈ کروائے۔ اگر نکاح کا رجسٹریشن لازمی نہ ہوتو پھر قانونی طور پر یہ ذمہ داری کسی پر بھی عائد نہیں ہوتی۔

۵۔ دفعہ ۱۳: میں نکاح کے بعد ۳۰ دن کے اندر رجسٹریشن کی قید مناسب نہیں ہے۔ ۳۰ دن کی مدت کم ہے لہذا اس پر جرمانہ عائد کرنا صحیح نہیں ہے۔ گوکہ یہ بہت Nominal ہے تاہم غریب اور پس ماندہ افراد کے لیے یہ بھی بہت ہے۔

۶۔ رجسٹریشن کے لیے دونوں کی عمر کے سرٹیفیکٹ کو لازم قرار نہ دیا جائے بلکہ نکاح خواں نے اپنے نکاح نامہ میں جو عمر درج کی ہے اسی کو مان لیا جائے۔

۷۔ دفعہ ۱۴ غیر ضروری ہے۔ (Exemption from Personal Appearance)

۸۔ دفعہ ۱۵ میں رجسٹرار کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ رجسٹر میں اندراج سے قبل فریقین سے یہ وضاحت حاصل کرے کہ یہ نکاح ان کی مرضی سے ہوا ہے۔ اس سلسلے میں کمیٹی کا خیال ہے کہ نکاح کے وقت کی رضامندی ہی اصل رضامندی ہے لہذا اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ عبارت میں اسی کی رعایت ہونی چاہیے۔

۹۔ دفعہ ۱۷ کی شق (b) مسلمانوں کی حد تک غیر ضروری ہے لہذا مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ (۱۸ سال اور ۲۱ سال کی قید)

۱۰۔ دفعہ ۱۷ کی شق (d) بھی صحیح نہیں ہے۔ جہاں تک جبر کا تعلق ہے اگر نکاح کے وقت کسی جبر کی کوئی شکایت نہیں کی گئی اور دونوں نے برضا و رغبت ایجاب وقبول کا مرحلہ انجام دیا تو اب جبر کی شکایت صحیح نہیں ہے۔ جبر کو ثابت کرنے کے لیے بھی پرسنل لا کے مطابق ہی معاملہ ہوگا۔

۱۱۔ دفعہ ۳۱ کی عبارت کو مسلمانوں کے اعتبار سے تبدیل کیا جائے (Child Marriage سے متعلق معاملہ)

۱۲۔ رجسٹریشن سے متعلق فارم میں گواہوں کے نام بھی درج ہونے چاہییں اور یہ وضاحت بھی کہ یہ نکاح میرے سامنے انجام پایا۔

۱۳۔ رجسٹریشن فارم میں مہر کا ذکر بھی ہونا چاہیے۔

۱۴۔ قانونی لحاظ سے الفاظ لگے بندھے ہونے چاہییں۔

اگر لازمی رجسٹریشن قانون سے لازمی کا لفظ ہٹادیا جائے اور مسلمانوں کی رعایت کرتے ہوئے متذکرہ بالا تجاویز کو منظور کرلیا جائے تو ہمیں اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں کنوینر کمیٹی سے ایک ملاقات میں وومن کمیشن کی چیر پرسن نے بورڈ کے تعاون سے ان امور کو انجام دینے سے اتفاق کیا تھا۔ اگر بورڈ اس سلسلے میں اپنا موقف طے کرلیتا ہے تو اسی صورت میں کمیشن کی چیر پرسن سے ملاقات کرکے اس مسودہ میں ضروری ترامیم کروائی جاسکتی ہیں۔

۞۞۞

نکاح رجسٹریشن

سپریم کورٹ کی ہدایت ایک ٹیڑھی کھیر

مفتی محمد ارشد فاروقی (استاذ حدیث جامعۃ الامام انور دیوبند)

نکاح رجسٹریشن کے بارے میں سپریم کورٹ کی یہ ہدایت کہ رجسٹریشن کے فیصلے کا اطلاق ہندوستانی تمام اقوام اور تمام مذاہب کے ماننے والوں پر ہوگا اسی کے ساتھ یہ ہدایت کہ اس سلسلے کی تمام ضروری کارروائی تین مہینے کے اندر مکمل کرلی جائیں ہندوستان کے تمام شہریوں کے لئے مشکلات پیدا کرنے والی ہے جب کہ عدالتیں شہری حقوق کی حفاظت اور سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے ہیں فیصلے کا لب ولہجہ بتارہا ہے کہ اس کے پیچھے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی ذہنیت کارفرما ہے جس کا اعادہ وقفہ بہ وقفہ ملک کے ماحول کو گرم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانا اور ہر نکاح کا رجسٹریشن کے عمل سے گزرنا کسی قدر دشوار اور ناممکن ہے اس کا اندازہ ان امور سے لگایا جاسکتا ہے۔ حکومت کے پاس ہر شہری کی موت اور ولادت کا سو فیصد ریکارڈ نہیں ہے۔ ابھی تک بڑے منصوبے کے باوجود ہر ہندوستانی کا الیکشن کارڈ نہیں بن سکا ہے، ہر شہری کا آئی کارڈ بنایا جانا تو ابھی صرف خواب وخیال ہے۔ جب کہ چین جیسے کثیر الآبادی والے ملک میں آئی سی (C.I) کا مکمل نظام ہے۔

ملک کی اس صورت حال میں عدالت عظمیٰ کا حالیہ فیصلہ اور فیصلے کے حدود اربعہ ومصداق کی باضابطہ تشریح وتوضیح کے ساتھ تین مہینے میں جملہ کارروائی کرلینے کی کڑی ہدایت ہندوستانی شہریوں اور بالخصوص مسلمانوں اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے لئے باعث مشکلات اور الجھنیں پیدا کرنے کے ساتھ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی طرف بڑھتا ایک قدم ہے جبکہ منطقی طور پر یہ واضح ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں یکساں سول کوڈ کی بات ہندوستانی اقوام ومذاہب کی فطرت کے خلاف ہے اقلیتوں کے ساتھ اکثریت کے لئے بھی ناقابل قبول ہے۔

نکاح رجسٹریشن فیصلہ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یقیناً اس کے فوائد بھی ہیں جن کے پیش نظر ہندوستان میں رائج تمام نکاح ناموں کو منضبط کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک ماڈل نکاح نامہ تیار کرایا تاکہ ہر مسلم زوجین کا نکاح تحریری شکل میں درج ہو اور بوقت ضرورت بطور سند پیش کیا جاسکے لیکن مسلم پرسنل لا بورڈ کے سارے وسائل واسباب کے باوجود کروڑوں کی آبادی میں چند لاکھ زوجین کے نکاح کا ریکارڈ بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کے پاس موجود نہیں ہے۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور

سپریم کورٹ کی منشا ومقصد میں ایک گونہ یکسانیت پائی جاتی ہے ہرشہری کے نکاح کا رجسٹریشن عدالت کا مقصد ہےاور ہر مسلمان کے نکاح کا رجسٹریشن مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہدف ہے اختلاف کا نقطہ دراصل لازمی وقانونی حیثیت کا ہے عدالت کے فیصلے نے ہر شہری کے نکاح کا رجسٹریشن لازم قرار دیا ہے جب کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے سفارشی واپیل کا اسلوب اختیار کیا ہے۔

عدالت کا فیصلہ مسلم لا سے اس وقت متصادم ہوگا جب کسی مسلم زن وشو نے نکاح کا رجسٹریشن نہ کرایا ہوگا اور نکاح کے شرعی شرائط کی تکمیل کر چکے ہوں گے تو عدالت سرے سے شادی کو تسلیم نہ کرے گی اور شریعت اسلامی مان رہی ہوگی کیوں کہ اسلامی قانون دوشاہدوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کو مہر کی شرط کے ساتھ نکاح کے منعقد ہونے کے لئے کافی مانتا ہے اس کے علاوہ کسی تحریری وثیقہ یا رجسٹریشن کو ضروری نہیں گردانتا۔ گو تحریری شکل دینے کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ بہ نظر استحسان دیکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کے بڑے شہروں اور قصبات میں مختلف نکاح نامے رائج ہیں اور نکاح خواں نکاح نامے کی کاپیاں زوجین کو دیتے ہیں اور ایک کاپی محفوظ رکھتے ہیں۔ ان احوال سے نمٹنے اور منضبط ومرتب شکل دینے کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ ماڈل نکاح نامہ رائج کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن بورڈ کی مساعی اور نکاح خواں وقاضیوں کی کوششوں کے باوجود مواضعات و دیہی علاقوں میں روزانہ بڑی تعداد میں ایسے نکاح پڑھائے جاتے ہیں جن کا انضباط واندراج نہیں ہوتا صرف گواہان کی گواہی نکاح کے ثبوت کی بنیاد ہوتی ہے۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ ایسے نکاح اور ایسی شادیاں جن کا رجسٹریشن نہیں کرایا گیا یا آئندہ نہیں کرایا جائے گا سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق کیا حیثیت رکھتی ہیں؟

جب زوجین کے پاس نزاع کی صورت ہو یا وراثت کے مسائل کے علاوہ اور قضیے پیش آئیں تو عدالتوں میں بطور ثبوت صرف سرکاری طور پر رجسٹرڈ شادیاں ہی تسلیم کی جائیں گی۔ جن جوڑوں کی شادی کے گواہان ہوں گے انہیں عدالت ماننے سے انکار کرے گی ایسی صورت میں ملک گیر سطح پر لوگ دشواریوں کا سامنا کریں گے۔ رجسٹریشن کے لئے ہندوستانی مزاج کے مطابق رشوت کا بازار گرم ہوگا دلالوں کی چاندی ہوگی، انتشار وخلفشار کا ماحول ہوگا۔ کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ابھی ہمارا ملک اس درجہ نہ ترقی یافتہ ہوسکا ہے اور نہ انتظامیہ کی ایسی گرفت اور استطاعت ہے کہ پورے ملک میں ہونے والے نکاح وشادی کا رجسٹریشن کر سکے اور صاف شفاف ریکارڈ رکھ سکے اور آئی سی الیکشن کارڈ ولادت وموت کے جامع ریکارڈ نہ ہونا اس دعوے کی بین دلیل ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ عدالت کے اس فیصلے سے صرف اقلیتیں متاثر نہیں ہونگی بلکہ ہندو برادری کو بھی دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا اس لئے کہ ہندوسماج کی شادی چند پھیرے کرنے یا زوجین کے ساتھ ایک دوسرے کے گلے میں ہار ڈالنے یا سندور پیشانی میں بھرنے سے منعقد ہوجاتی ہے۔ اب ہندوسماج کی شادیوں کا تحریری ریکارڈ تلاش کیا جائے تو مسلم اقلیت کے مقابلے اس کی شرح بہت کم ہوگی۔

حاصل یہ کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مسائل میں ایک مسئلے کا اضافہ ہوا ملک کے تمام کروڑوں مسلمانوں کی نظر بورڈ کی طرف ہے دیکھنا ہے کہ بورڈ کے اقدامات کس انداز کے ہوتے ہیں۔ نکاح رجسٹریشن کے سلسلے میں بورڈ کے فیصلے وتجاویز میڈیا کے ذریعے قارئین کے سامنے آچکے ہیں بات حالیہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ کی ہے اگر سپریم کورٹ اپنے فیصلے میں تھوڑی ترمیم

کر کے لازمی کی جگہ اختیاری کی تعبیر اپنالے تو دشواریوں کا بہترین حل ہوجائے اور مسلم پرسنل لا وسپریم کورٹ کے مابین اختلافی صورت ختم ہوجائے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے پورے وسائل کے ذریعے نکاح نامہ رائج کرنے کی تحریک چلائے ہوئے ہے اور عدالت اختیاری رجسٹریشن کے ذریعے کارِ خیر انجام دے تو بڑی حد تک کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے اور جب تک ہمارے ملکی وسائل اجازت نہیں دیتے اس وقت تک ثبوت نکاح کے لئے نکاح رجسٹریشن بذریعہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ محکمہ شرعیہ دار القضاء، نکاح خواں وقاضی، گواہوں کی گواہی کو عدالتیں تسلیم کریں اور یہی وجہ ہے کہ ان مذمورہ تمام نکاح ناموں کو غیر ملکی امیگریشن قبول کرتے ہیں۔

اگر مسلم پرسنل لاء بورڈ برادران وطن کے مذہبی رہنماؤں سے اس مسئلے پر تبادلہ خیال کریں اور مشترکہ دشواریوں کو سامنے رکھ کر متحدہ پلیٹ فارم کے ذریعے (عوامی تحریک سے گریز کرتے ہوئے) عدالت کے فیصلے میں ترمیم کی مشترکہ کوشش کریں تو یہ قدم مسئلے کے حل کے ساتھ باہمی اتحاد کے مظاہرے کی بہترین صورت ہوگی۔

ہندوستانی ماحول میں مسلم اقلیت ایک عرصہ سے یہ بات محسوس کررہی ہے کہ عدالتی فیصلوں وہدایات کے ذریعے مسلم پرسنل لا، شرعی قوانین ملی تشخص کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی خاموش تائید کی جارہی ہے بلکہ حکمراں طبقہ براہ راست فیصلے نہ لے کر عدالتوں کے ذریعے مسلم مخالف فیصلے کراتا ہے تاکہ ان کے سیاسی استحکام کو ضرر نہ پہنچے۔ اگر یہ رجحان پنپ رہا ہے تو ملک کے لئے بہت ہی نقصاندہ ہے۔ عدالتوں کا وقار آج بھی ہندوستان میں قائم ہے غایت درجہ عدالتی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ احساس پایا جاتا ہے کہ ہر قسم کے دباؤ اور جانب داری اور کسی مخصوص فکر ومنصوبے کی اجارہ داری سے عدالتوں کو دور رہنا عدالتی استحکام وعز ووقار کے بقاء کے لئے ضروری ہے۔

❁ ❁ ❁

''آج ملت اسلامیہ کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے جو نازک گھڑی آپہنچی ہے اس میں ہندوستان کے تمام علماء و مفکرین کا اجتماع تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس کے واضح نقوش ان شاءاللہ مستقبل پر پڑیں گے یہ باتیں پھولوں کی سیج پر چلنے کی نہیں پھانسی کے تختے پر جانے کی ہیں، سولی پر چڑھ جانے کی ہے، مگر تنظیم اور اجتماعیت کے ساتھ انتشار اور نعرہ بازی کے ساتھ نہیں، منظّم اور مجتمع رہ کر ہندوستان میں یہ امت اسی طرح اپنے ملی وجود کو قائم رکھ سکتی ہے، ہندوستان کی اس سرزمین پر خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اسلام کی تعلیم لائے تھے۔ اکبر نے جب دین الٰہی لا کر شمع شریعت کو بجھانا چاہا تو مجدد الف ثانی نے اس کی حفاظت کی۔ روس کے انقلاب کے وقت یورپ سے آئی ہوئی بادِسموم نے مکے کی روشنی اور چراغ کو بجھانا چاہا تو وقت کے علماء ومجتہدین نے اپنی قوت و عزیمت کے ساتھ امت اسلامیہ کے چراغ کو محفوظ رکھا آج پھر ہمارے علماء اور مجتہدین اسی جگہ پر لوٹ آئے ہیں۔''

مولانا قاضی مجاھد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر مسلم پرسنل لا بورڈ)

اتحاد ملت کانفرنس ممبئی ۱۹۷۲ء

بابری مسجد ....

پھر زخم ہرا ہوگیا دل کا

محمد عبدالرحیم قریشی

6/دسمبر کی تاریخ آتی ہے تو کیفیت عجیب ہوجاتی ہے ہندوستان کے باضمیر مسلمان کو بابری مسجد کی یاد ستاتی ہے ہاں بے ضمیروں کو یہ احساس بے چین نہیں کرتا اور ضمیر فروش اس خلش میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کیوں بابری مسجد کو یاد رکھا جارہا ہے۔

6/دسمبر کو بھلائیں تو کیسے بھلائیں۔ کیا یہ بھول جائیں کہ اس تاریخ کو دن کی پوری روشنی میں اس ہجوم نے جس میں جھوٹ کی بنیاد پر مذہبی جنون جگایا گیا تھا چارسو سالہ قدیم تاریخی مسجد کو ڈھادیا چوری چھپے نہیں، ریاستی پولیس، ریاستی مسلح پولیس، سی آر پی، ریاپڑ ایکشن فورس، خصوصی تربیت یافتہ اور قریب ہی فوج کی مستعد حالت میں موجودگی اور ان کے بیچوں بیچ یہ غارت گری ہوئی۔ کیا یہ بھول جائیں کہ پارلیمنٹ میں بابری مسجد کی حفاظت کا تیقن دینے والے وزیر داخلہ چار دن عین اس وقت پوجا کمرے میں بند اور لال قلعہ سے اور قومی یکجہتی کونسل میں اس تاریخی یادگار کی حفاظت کے عزم کا اعلان کرنیوالے وزیراعظم نرسمہاراؤ ٹی وی پر بابری مسجد پر یلغار کا نظارہ کرتے رہے! کیا یہ بھلادیں کہ جب تک بابری مسجد کے مسمار شدہ محراب و منبر کے پاس مضبوط چبوترے کی تعمیر نہیں ہوگئی اور اس پر لاکر مورتی نصب نہیں کردی گئی اس وقت تک غارت گر ہجوم کو اس مقام سے منتشر کرنے کے احکامات جاری نہیں کئے گئے۔! کیا یہ بھلادیں کہ بی جے پی اور اس کی ساری قیادت نے کیسا طوفان کھڑا کیا تھا اور شیوسینا کے بال ٹھاکرے نے کس طرح سینہ ٹھونک کر اس مجرمانہ حرکت پر فخر کا اظہار کیا تھا۔

پھر سوال یہ ہے کہ بھلائیں تو کیوں کہ بھلائیں! کیا پی۔وی نرسمہاراؤ نے (جن کی لاش کو آگ نے بھی قبول نہیں کیا' دوسرے دن ان کی لاش کو کتے چیرنے اور بھنبوڑنے لگے) فرائض کے انجام دہی سے مجرمانہ غفلت پر شرمندگی کا اظہار کیا اور عوام سے معافی چاہی۔؟ کیا ملک کے وہ قوانین جن میں عبادت گاہ کا انہدام اور اس کی بے حرمتی تو بڑی بات ہے کسی کی جائیداد کو ڈھادینا سخت جرم ہے 'فوری حرکت میں آئے اور غارت گر اور غارت گروں کے سرغنے' اڈوانی، سنگھل' اوما بھارتی سلاخوں کے پیچھے نظر آئے۔۔؟ کیا آر۔ایس۔ایس' بی۔جے۔پی' وی۔ایچ۔پی' بجرنگ دل وغیرہ نے پچھتاوے کا اظہار کیا اور آئندہ کے لئے توبہ کرلی۔! آخر بھلائیں تو کیسے بھلائیں اور کیونکر بھلائیں

یاد ماضی عذاب بھی ہے اور مہمیز بھی

بہت سے خیر خواہی کا دعوی یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ بابری مسجد منہدم نہیں ہونا چاہیئے تھا مگر منہدم ہوگئی اب ہم کیا کرسکتے ہیں۔ بس سمجھو کہ ایک ڈراونا خواب تھا۔ ڈراونا خواب یاد نہیں رکھا جاتا بھول جاؤ۔ ارے متقبل کی طرف دیکھو۔ مستقبل کی فکر کرو۔ (۱۵) سال ہوگئے بات پرانی ہوگئی' ماضی کو بھول جاؤ کہ یاد ماضی عذاب ہوتا ہے۔

ان سے ہم یہی کہیں گے کہ آپ کا مشورہ اپنی جگہ' آپ کے اس مشورہ کے پیچھے آپ کے اپنے مفادات' عہدہ ترقی' اور عہدے کے امکانات یا سیاسی ذہن کارفرما ہے یا واقعی خیر خواہی ہے۔اس پر بھی کوئی تبصرہ اس وقت ہم کرنا نہیں چاہتے۔6/دسمبر کو بھلانا ہمارے لئے آسان ہوجاتا اگر مسجد کی جگہ مسجد بن جاتی' مجرم۔چھوٹے ہوں کہ بڑے' سزا پاتے اور سازشیوں کی گردنیں شرم سے جھک جاتیں۔ اس سے قطع نظر یہ بات پوری طرح صحیح نہیں ہے کہ مستقبل کی فکر کے لئے ماضی کو بھلانا ضروری ہے یہ بات صحیح ہے کہ اگر ماضی کی تلخیاں مایوسی کی کیفیت پیدا کردیں اور حرکت وعمل کے لئے رکاوٹ بن جائیں تو واقعی یہ یادیں پاؤں کی زنجیریں اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں ہیں جن کی جکڑ مستقبل کی سمت میں گام زن ہونے سے روکتی ہیں۔یہ بھی یادرہے کہ کسی چیز کے چھن جانے اور کھوجانے کی یاد ہمیشہ مایوسی کی کیفیت پیدا نہیں کرتی بلکہ ایسی یاد توانائی رہتی ہے کہ جو چھن گئی اس کو پھر حاصل کرو جو کھوگیا ہے اس کی تلاش کرو۔ماضی کی ایسی یادیں ارادوں کو کمزور نہیں بلکہ مضبوط اور طاقتور بناتی ہیں اور ماضی کی ایسی یادیں حرکت وعمل کا پیام ہوتی ہیں اور مہمیز کا کام دیتی ہیں۔ایسی یادوں کو گلے سے لگائے رکھنا ضروری ہے۔بلکہ جو قوم ایسی یادوں کو دبایا بھلا دیتی ہے وہ عزت نفس کھودیتی ہے۔

کیا کیا ہم نے کھویا ہے

یہ تو دیکھو کہ ہم نے 6/دسمبر کو کیا کیا کھویا اور کیا کیا چیزیں چھین لی گئیں۔اس دن بابری مسجد کو ڈھانے کے ساتھ غارت گروں نے کیا کیا نقصان پہنچایا اس کو یاد کرو۔۔ ہندوستان کے سیکولر مملکت ہونے کا امتیاز ختم ہوگیا۔غور کیجئے اب کس کو اس کا بھروسہ ہے یہ ملک ایک سیکولر ریاست ہے حکومت کا مقصد ہی قانون کی برتری و بالادستی کو قائم رکھنا ہے۔اگر یہ نہ ہو تو ہر طاقتور ہر غنڈہ اور ہر دادا بے پروا ہوکر جو چاہے کرے گا۔کسی مجرم کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔6/دسمبر کو دنیا نے دیکھ لیا ہندوستان میں قانون کی برتری' مکڑی کے جالے کی طرح ہے جو کمزوروں کو پکڑ لیتا ہے اور طاقتور ظالم کے آگے ٹوٹ جاتا ہے۔قانون کی برتری مجروح ہوگئی عدلیہ اور اعدلت کا احترام معاشرہ میں قانون کے احترام کی بقا کی ضمانت ہوتا ہے۔ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کے وقار کو ملیا میٹ اس طرح کیا گیا کہ ذرا سی توہین پر چونک پڑنے والی سپریم کورٹ بھی اس توہین کے جرم کو عرصہ تک ٹالتی رہی عدلیہ اور عدالت کا احترام خاک میں مل گیا۔بات پھیلایا جائے تو اور بہت سے نکات سامنے آئیں گے لیکن ہم اس پر اکتفا کریں گے۔یہ سمجھنا کہ بابری مسجد کے انہدام سے صرف مسلمانوں کی عبادت گاہ چھن گئی غلط ہے مسجد کے ساتھ' ملک کا وقار' اس کا سیکولر کردار' قانون کا احترام' تہذیب وتمدن سب کچھ ڈھادیا گیا۔

تازہ رہے یہ زخم دل اپنا

بابری مسجد کی یاد کو تازہ رکھنا اس لئے ہے کہ ہندوتوا کا مکروہ چہرہ دکھائی دیتا رہے' ہندوستان کو واقعی سیکولر ریاست بنانے کا عزم پیدا ہو اور فرقہ وارانہ جارحیت سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ بڑھے دستور ' قانون اور عدلیہ کا احترام بحال ہو اور جو محض عددی طاقت پر من مانی کرنا چاہتے ہیں ان کی ہمتیں توڑنے کا جذبہ پروان چڑھے اور ملک میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہو' بابری مسجد کی یاد کے ساتھ اس کی دوبارہ تعمیر کے عزم وادارے کو پروان چڑھایئے جو ملک کے تابناک مستقبل کا ضامن بن سکتے ہیں۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا ؎

چمکاؤ تم اتنا داغوں کو' مہکاؤ تم اتنا زخموں کو
ہوجائے پشیماں چارہ گری شرمندہ مسیحا ہوجائے

وطن عزیز ہندوستان سے محبت کرنے والو! یاد رکھو بابری مسجد کی یاد ہی عدل وانصاف کو فروغ دینے کا جذبہ جگائے گی اور اس کے لئے کچھ کرنے پر اکسائے گی۔

مسلمانو! یاد رکھو' بابری مسجد کی یاد کو تازہ رکھ کر ہی تم عزت ووقار کا مقام پا سکتے ہو۔

❁ ❁ ❁

لبراہن کمیشن
دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے.........

عبدالقادر شمس قاسمی

حق وانصاف کے برہنہ مذاق کی اگر کوئی مثال دیکھنی ہوتو لبراہن کمیشن کی کارکردگی کے فسانۂ عجائبات کا مطالعہ کریں اور حکومت وعدلیہ کی اٹھکھیلیوں سے روبرو ہونا ہوتو بابری مسجد سے متعلق مقدمات کی رفتار کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

بابری مسجد شہادت کے ذمہ دار عناصر کی شناخت اور پورے ملک کو جھنجھوڑ دینے والے اس اندوہناک واقعہ کی تحقیقات کے لیے قائم جسٹس لبراہن کمیشن کے حوالے سے گذشتہ ہفتہ پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ کمیشن فروری 2008 تک اپنی رپورٹ پیش کردے گا لیکن ایک بار پھر اس پر عمل آوری نہیں ہوسکی اور کمیشن کی مدت کار میں توسیع کردی گئی ہے، واضح ہو کہ لبراہن کمیشن کی یہ 44ویں توسیع ہوئی ہے۔ انصاف کے عمل میں ملک وملت کے ساتھ یہ مذاق ایک جمہوری نظام کے لیے سم قاتل کے سوا کچھ نہیں۔

6دسمبر 1992 کو بابری مسجد کی شہادت کا واقعہ سیاہ رات کے سناٹے میں نہیں بلکہ دن کے اجالے میں رونما ہوا تھا، وہ بھی ریموٹ کنٹرول کے ذریعے نہیں بلکہ لاکھوں کارسیوک اس تاریخی مسجد کو زمیں بوس کرنے میں صبح سے شام تک اپنے خونی ارادوں کو انجام دینے میں ڈٹے رہے۔ رام بھگتوں کی غنڈہ گردی کے جملہ مناظر بعض ٹی وی چینلوں نے راست طور پر دکھایا تھا اور وہ سبھی مناظر کیمرے میں اب بھی محفوظ ہیں اور اس بات کے بھی بہت سے شواہد وثبوت موجود ہیں کہ کارسیوکوں کی بے لگام بھیڑ کی پشت پناہی کرنے والے اور انہیں دادشجاعت دینے والے لال کرشن اڈوانی، مرلی منوہر جوشی، اوما بھارتی اور ونے کٹیار جیسے لیڈران وہاں بنفس نفیس موجود تھے، جن کی سرکردگی میں تاریخی بابری مسجد کو جنونیوں نے شہید کرڈالا۔ یہی نہیں کارسیوک بابری مسجد کی اینٹ بھی اپنے ساتھ بطور یادگار لے گئے اور مختلف شہروں میں اینٹ کی نمائش کے ساتھ فاتحانہ جشن بھی منایا گیا جن کی تصویریں اخبارات کی بھی زینت بنیں۔

اعلانیہ جرم کے اس منظرنامے میں سبھی مجرموں کی شکلیں جانی پہچانی اور پس منظر سے پورے ملک کی واقفیت کے باوجود حکومت کو بابری مسجد منہدم کرنے والوں کی تلاش اور اس کی وجوہات کی دریافت کے لیے ایک عدد تحقیقاتی کمیشن کی ضرورت آن پڑی، چنانچہ جسٹس لبراہن کی سربراہی میں 14دسمبر 1992 کو تحقیقاتی کمیشن قائم کردیا گیا۔

وقتی طور پر مسلمانوں کے غم وغصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے قائم کیے گئے اس کمیشن کی سرگرمی کا ایک برس تک تو پتہ ہی نہیں چل پایا، کمیشن نے جب 41افراد اور پانچ تنظیموں کے خلاف نوٹس جاری کیے تو اس پر اگست 1995 میں دہلی ہائی کورٹ نے اسٹے آرڈر جاری کردیا، پھر 23جولائی 1996 کو جسٹس دیوندر گپتا اور جسٹس ایم کے شرما نے مذکورہ اسٹے آرڈر کو منسوخ کرکے کمیشن کی نوٹس کو جائز قرار دیا۔ کمیشن کی کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کمیشن کا کام پورے پانچ برسوں کے بعد بھی نوٹس، اسٹے اور اسٹے آرڈر کی منسوخی تک ہی پہنچا تھا، اس کے بعد جسٹس

لبراہن کبھی پنجاب وہریانہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے چنڈی گڑھ میں اور کبھی مدراس ہائی کورٹ کے فرائض منصبی ادا کرنے کے لیے چنئی میں رہے اور کمیشن کا دفتر نئی دہلی میں بے یارومدد گار اپنی غیر فعالیت کی کہانی سنا تا رہا۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد ملک بھر میں پھوٹ پڑنے والے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران پورا دیش جلتا رہا اور ہندو مسلم کشیدگی پروان چڑھتی رہی لیکن لبراہن کمیشن کی کارکردگی اپنی سست رفتاری کا ریکارڈ درج کراتی رہی، یہاں تک کہ ملک کے اقتدار پر ان ہی لوگوں کا قبضہ ہوگیا جو بابری مسجد کی شہادت میں راست طور پر ملوث تھے۔ اقتدار کے نشے میں چور بی جے پی نے نہ سی بی آئی کی پرواہ کی اور نہ لبراہن کمیشن کی اور چاہا کہ بابری مسجد کو منہدم کیے جانے کے مقدمے میں ماخوذ اپنے قائدین کو بھی بچالیں اور رام مندر کی تعمیر بھی ممکن العمل ہوجائے، اس کے لیے اقتدار کا دھونس کبھی سی بی آئی پر جمایا تو کبھی عدالتوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی، ایک موقع پر تو رائے بریلی کی عدالت نے لال کرشن اڈوانی کو باعزت بری بھی کردیا تھا۔

دوسری طرف بی جے پی کے اہم لیڈران نے لبراہن کمیشن کے سامنے پیش ہوکر یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی کہ وہ کمیشن سے تعاون کا معاملہ کررہے ہیں جبکہ شروع سے لے کر اب تک کمیشن کے ساتھ ان کا عدم تعاون کا معاملہ رہا ہے چنانچہ کمیشن کی رپورٹ نہ مکمل ہونے میں بہت سی وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک بڑی وجہ بی جے پی کے لیڈران کا عدم تعاون رہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ لکھنؤ کی خصوصی سی بی آئی عدالت نے نامزد ملزموں کو یہ کہہ کر بری کردیا کہ ریاستی حکومت نے جو ایف آئی آر درج کی تھی اس میں الزامات قوی نہیں ہیں، یہ سب دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جب اقتدار پر خود ملزم فائز ہوتو پھر سارے فیصلے اور تاویلات ان ہی کے حق میں ہوتے ہیں۔

لبراہن کمیشن نے اس ڈی بی رائے کو بھی نوٹس دی تھی جو بابری مسجد کی شہادت کے وقت فیض آباد کے پولس کمشنر تھے، انہوں نے بھی کمیشن کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور بار بار کی یقین دہانیوں کے بعد بھی کمیشن کے سامنے اپنا بیان درج کرانے سے بچتے رہے، اس دوران انہوں نے ملازمت چھوڑ کر بی جے پی میں شمولیت بھی اختیار کی اور ممبر پارلیمنٹ بھی منتخب کیے گئے۔

لبراہن کمیشن کے سکریٹری ایس کے پچوری اور کمیشن کے رجسٹرار ارون جیت لال کا درد یکساں ہے، وہ کہتے ہیں کہ کمیشن کے اختیارات محدود ہونے کی وجہ سے رپورٹ کی تکمیل میں بہت ساری دشواریاں پیش آئیں۔

ہندوستان میں بہت سے کمیشن تشکیل دیے گئے لیکن زیادہ تر کمیشنوں کی رپورٹ اور سفارشات کو حکومت نے لائق اعتنا نہیں سمجھا۔ لبراہن کمیشن کی رپورٹ میں غیر معمولی تاخیر کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا بہت مشکل نہیں کہ اس کے ساتھ بھی وہی رویہ روا رکھا جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رپورٹ مکمل ہوچکی تھی تو پھر اعلان کے باوجود وہ پیش کیوں نہیں ہوئی؟ بعض تجزیہ کاروں کا اس سلسلے میں ماننا ہے کہ چونکہ اس رپورٹ میں کانگریس پارٹی پر بھی بابری مسجد کے انہدام کی اخلاقی ذمہ داری عائد کی جائے گی کیونکہ بابری مسجد کے انہدام کو نہ روک پانے کی مجرم کلیان سنگھ کی حکومت تھی تو دوسری طرف نرسمہاراؤ کی حکومت نے بھی غفلت برتنے کا سنگین جرم کیا تھا، شاید خصوصی اختیارات اور دباؤ سے ایسے تمام نکات خارج کرنے کے لیے اس رپورٹ کو صرف دو مہینے کے لیے ٹالا گیا ہے اور خبروں میں یہ کہا گیا ہے کہ اسے حتمی شکل دینے کے لیے توسیع دی گئی ہے۔ بہرحال اس رپورٹ سے زیادہ توقع کرنا احمقوں کی جنت میں گھر بسانا ہے تاہم اس کا انتظار تو ہے ہی۔

باب پنجم

برطانوی سماج اور اسلامی قوانین

برطانیہ میں اسلامی قانون کی گنجائش موجود

ڈاکٹر روون ولیمس

7/فروری 2008کو رائل کورٹ آف جسٹس برطانیہ میں "دیوانی (سول) اور شرعی قوانین۔ ایک مذہبی تناظر" کے موضوع پر آرک بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر روون ولیمس نے ایک لکچر دیا جس پر برطانوی میڈیا اور سیاستدانوں میں کھلبلی مچ گئی، پیش ہے لیکچر کا متن۔ (ادارہ)

بعض اسلامی قوانین جو ہمارے معاشرے میں ایک بڑھتے ہوئے چیلنج کے طور پر شدت سے محسوس کیے جارہے ہیں، یعنی ملک میں ایسے فرقے جو اگر چہ دیگر باشندوں کی طرح قانون کے پابند ہیں لیکن ان کا تعلق کچھ ایسی باتوں سے ہے جو برطانوی قانونی نظام سے پوری طرح تعلق نہیں رکھتیں۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ عوامی اور قانونی سطح پر جو مسائل ابھرتے ہیں انہیں اس مذہبی فرقہ کے شرعی قوانین کی دفعات کے تحت قابل اجازت ہونا چاہئے جو کہ محض اسلام کے ماننے والوں تک ہی مخصوص نہیں ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اگر چہ کلیسائے برطانیہ کا قانون ہمارے ملک کا قانون ہے لیکن اس پر عمل آوری کی ذمہ داری جن افراد کے ہاتھوں میں ہے انہیں خاصی آزادی عطا کی گئی ہے، اس پس منظر میں ایسے سوالوں کی ایک بڑی تعداد ہے جنہیں ہم سمجھتے ہیں اور قانون کے تحت ان کے حل کی توقع کرتے ہیں۔ یہ ایسے سوالات ہیں جو عمومی طور پر ایک سیکولر سماجی ماحول میں اور بھی زیادہ شدت سے ابھر کر آتے ہیں۔

میں اپنی بات کا آغاز اسلامی قانون سے متعلق بعض امور پر اپنی توجہ مرکوز کر کے کروں گا تا کہ اس کے ذریعہ محض وسیع تر مسائل پر اظہار خیال کیا جا سکے۔

برطانوی معاشرہ میں مسلمانوں کے مقام کے بارے میں جو متعدد امور ہیں اور جن پر بحث ہوتی رہتی ہے ان میں سے جو ایک سب سے زیادہ واضح اور سنگین مسئلہ ہے اور عوامی رائے کے سروے کی سنسنی خیز خبروں سے وقتاً فوقتاً اسکی تائید ہوتی رہتی ہے، وہ یہ ہے کہ برطانیہ میں رہنے والے مسلم فرقے اپنے شرعی قوانین کے تحت زندگی گذارنے کی اجازت چاہتے ہیں اور بہت سے لوگ شرعی قوانین سے متعلق جو کچھ جانتے ہیں وہ یہ کہ خواتین کے لئے یہ قوانین جابرانہ ہیں، یہ دقیانوسی اور وحشیانہ ہیں اور جسمانی سزاؤں پر مبنی ہیں۔ ابھی کچھ دن ہوئے یہ خبر آئی تھی کہ ایک نوجوان خاتون کو جس کی جبری طور پر شادی کی گئی تھی بعض دشواریوں کی وجہ سے شرعی قوانین کے تحت سزا دی گئی۔ اس قسم کی خبروں سے جیسا کہ ہم اندازہ کرتے ہیں یہی تصویر سامنے آتی ہے کہ شریعت زیادہ سے زیادہ دور ماقبل جدید کا ایسا نظام ہے جس میں انسانی حقوق کا کوئی عمل نہیں ہے۔

اس مسئلہ کو مسلم اسکالرز بھی آزادانہ طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ نئے افکار پر مشتمل اپنی کتاب 'مغرب کے مسلمان اور اسلام کا

مستقبل، میں طارق رمضان لکھتے ہیں کہ مغرب میں شریعت کے تصور سے اسلام کے تمام تاریک ترین پہلو سامنے آجاتے ہیں۔

معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ بہت سے مسلم دانشور بھی انتہا پسندوں کے خوف سے اس نظریہ کا حوالہ بھی دینے کی ہمت نہیں کرتے یا انہیں یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ محض ایسی اصطلاح کے استعمال سے ان کی تمام تصانیف شکوک وشبہات کے دائرے میں آجائے گی۔(ص31)

بعض ہنگامی خدشات سے قطع نظر ایک واضح غیر یقینی صورت حال یہ رہتی ہے کہ ملک کا قانون کس حد تک ان اقلیتی طبقات کو ان کے سخت دستور اور قوانین پر عمل کی اجازت دے سکتا ہے۔ لہذا یہ مسئلہ صرف اسلام سے متعلق ہی نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے فرقے مثلاً قدامت پرست یہودی بھی شامل ہیں اور درحقیقت گذشتہ ایک سال کے دوران بعض ایسے سوالات بھی ابھرے ہیں کہ جو مذہبی فرقوں کو بعض قانونی دفعات سے مستثنیٰ کئے جانے سے متعلق ہیں۔ جیسا کہ رومن کیتھولک اڈاپشن ایجنسیوں کے مسائل سامنے آئے جو گذشتہ موسم بہار میں جنسی تعلیم سے متعلق دفعات کے سبب پیدا ہوئے تھے۔

اس لیکچر میں شریعت کی نوعیت کا تفصیلی جائزہ پیش نہیں کیا جائے گا کیوں کہ میں اس کا مجاز نہیں ہوں۔ میرا فیصلہ جیسا کہ میں نے بیان کیا یہ ہے کہ ایک سیکولر ملک میں مذہبی فرقوں سے متعلق بعض وسیع تر مسائل کو چھیڑا جائے۔ نیز کچھ اس پر بھی اظہار کیا جائے کہ برطانیہ میں اسلامی شرعی قوانین اور ملکی قوانین کے ایک تعمیری اور منصفانہ امتزاج کے کیا نتائج ہوں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ شریعت کے بارے میں بعض نیرنگیوں کا ازالہ کردیا جائے شریعت کوئی ایک ہی طرح کے (یک سنگی) قوانین کا وسیع مجموعہ نہیں ہے پر بقول طارق رمضان یہ اسلام کے آفاقی اصولوں کی مظہر اور ایک ایسا ڈھانچہ بنیادی طور (دائرہ کار) اور فکر ہے جو انسانی تاریخ میں اسے روبعمل بناتی ہے۔(ص32)

آفاقی اصول کی بابت ہر مسلمان مفسر واضح طور پر کہے گا کہ اس سے مراد کائنات اور بالخصوص سطح ارض پر بسنے والے انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ابدی اور مطلق رضا ہے اسی کے ساتھ اسے اصلیت میں بروئے عمل لانا بھی ہے کیوں کہ یہ کوئی بنا بنایا (ریڈی میڈ) نظام نہیں ہے۔ اگر یہ سماوی قانون کا لب لباب ہے تو شریعت سے مراد اسے اصلیت میں بروئے کار لانا اور اس کا اطلاق کرنا ہے۔ شریعت کے بعض مخصوص عناصر وضاحت سے قرآن وسنت میں بھی بیان کئے گئے ہیں اور قرآن وحدیث کے یہ احکام حتمی تسلیم کئے جاتے ہیں لیکن کوئی ایسا واحد ضابطہ نہیں ہے جس کی بطور شریعت نشان دہی کی جاسکے۔

جب بعض ممالک شرعی قوانین کا نفاذ کرتے ہیں یا جب بعض سرگرم مسلم کارکن ملکی قوانین کے ساتھ ان شرعی قوانین کو بھی تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کی مراد وہ کامل اور آفاقی ضابطہ (کوڈ) سے نہیں ہوتی ہے جو مجموعی طور پر سب کے لئے قابل نفاذ ہے بلکہ وہ چند مخصوص ضوابط کا نفاذ چاہتے ہیں جو کسی امام یا کسی روایت کے مطابق منضبط کئے گئے۔

عصر حاضر میں شریعت کے روایتی شارحین کے نزدیک اس سے شرعی قوانین کا نفاذ ان کے قدیم فقہی مسالک کی تعبیر کے مطابق کیا جائے۔ لیکن اب بہت سی آوازیں اٹھنے لگی ہیں کہ اجتہاد کے تحت دی گئی وسعت کو بروئے کار لایا جائے یعنی روایتی فتوؤں اور فیصلوں کی پابندی کے بجائے ہمیں اولین اصولوں کی بنیاد پر مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو عبداللہ سعید کی

کتاب ''عصری اسلام میں رجحانات۔زمرہ بندی کی ایک ابتدائی کوشش'' (دی مسلم ورلڈ 9.3.2007)

اس طرح عام خیال کے برخلاف جب ہم اسلامی شریعت اور برطانوی قانون کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو ہمیں ان دونوں حریف نظام میں کوئی بیگانگی نظر نہیں آتی۔ ایک طرف شریعت اپنے جواز کے لئے کسی انسانی فیصلے ووٹ یا ترجیحات پر انحصار نہیں کرتی بلکہ اس یقین پر قائم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر مبنی ہے اور اس کے حکم کا مظہر ہے، دوسری طرف جہاں تک تشریعی اور قطعی دفعات وضوابط کا تعلق ہے تو یہ ناقابل تبدیل ہیں۔ شریعت کو تسلیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس فقہی طریقہ کو تسلیم کرنا جو وحی کے ذریعہ نازل شدہ متن وعبارت کے تحت مرتب کیا گیا ہے نہ کہ کوئی ایک واحد نظام۔

گذشتہ سال مراکش کی الاخوان یونیورسٹی میں مولانا صدیقی کے مقالے پر بحث کے دوران ایک کانفرنس میں چند مسلم اسکالرز نے یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ اسلامی شریعت کو محض تنگ نظر ضوابط کا مجموعہ سمجھنا یا قرار دینا اسلام کے آفاقی نظریہ کی تحقیر کے مترادف ہے۔

ایک طرف تو ان آفاقی دعوؤں میں ترمیم وتبدیلی کا امکان نہیں دوسری طرف مومن رضا کارانہ طور پر اس بات کو تسلیم کرنے پر رضامند ہیں کہ طبعی طور پر وہ ایسا کوئی مطالبہ نہیں کرتے کہ غیر مسلموں پر مسلمانوں کا غلبہ ہو۔ تاریخی طور پر بھی اور عصری حالات میں بھی مسلم ممالک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امت کا وجود سیاسی وجغرافیائی حدود میں محدود نہیں ہے۔ دور حاضر میں اس کی مثال پاکستان کے قیام کا نظریہ ہے جو جناح کی قیادت میں وجود میں آیا۔ دوسری مثالیں (اردن اور مراکش) بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ ایسے معاشرے ہیں جہاں شہریت کا وہ تصور نہیں ہے جو امت سے وابستگی سے مطابقت رکھتا ہو۔

ان معاشروں میں اگرچہ شریعت کے غلبہ اور آفاقیت کے تصور کی بابت نہ مصالحت کی جاسکتی ہے نہ اسے کمزور ہونے دیا جاسکتا ہے اور نہ اسلام کے اس ملک یا قوم کا امتیازی مذہب ہونے سے انحراف کیا جاسکتا ہے تاہم یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ معاشرہ کے سبھی مذاہب کے افراد کے حقوق ہیں۔ باہمی ربط اور فرد کے مقام کا بھی وہاں تعین ہے۔

اس طرح اس میں ایک مشترکہ بہبود کا تصور ہے جنکا سماوی ضوابط میں صراحتاً ذکر نہیں ہے، بہرکیف یہ ایک عبوری اور غیر تکمیلی صورت حال ہوسکتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان ایک غالب مسلم اکثریت والے ملک میں بھی ایک طرح سے دوہری شناخت رکھتا ہے بطور اس ملک کے شہری اور مسلمانوں کے طبقہ میں ایک مومن کے طور پر۔

یہ صحیح ہے کہ اس بات کی بعض مسلم بنیاد پرستوں کی طرف سے سختی سے تردید کی جائے گی مثلاً سید قطب کے پیروکار اور ایسے دوسرے مناظرہ پسندوں کی جانب سے بھی۔ تاہم یہ کہنا قرین انصاف ہوگا کہ عالم اسلام میں سنجیدہ مسلم مفکرین کی واضح اکثریت اس کو تسلیم کرے گی کہ یہ سیاسی تکثیر اسلام کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہے اس لحاظ سے (جیسا کہ میں نے پہلے کہا) ہم ایک ہی سطح پر دو حریف نظام کی بات نہیں کررہے ہیں۔ اسلامی معاشرتی فکر اور غیر مسلم دنیا میں ایک عمومی سیاق وسباق میں قانون کی تفہیم کے معاملہ میں باہمی مفاہمت موجود ہے۔

یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ہماری معاشرتی شناخت کسی واحد مخصوص تعلق کے ضابطے یا سلسلہ وابستگی پر تشکیل نہیں دی گئی ہے۔ اگر ان ضوابط میں سے وہ ضابطہ جو بے حد بنیادی مانا جاتا ہے اور

جس کے بارے میں کسی قسم کی مصالحت نہیں کی جاسکتی جو کہ خالق ومخلوق کے درمیان ایک عہد کے طور پر طے پایا ہے (جیسا کہ یہودی اور عیسائی عقیدہ ہے۔ یہاں ایک بار پھر واضح کر دیا جائے کہ ہم کسی مخصوص مسلم مسئلہ کی بات نہیں کر رہے ہیں۔)

خطرہ نہ صرف وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں مذہبی پہلو سے یہ مفروضہ سامنے آتا ہے کہ فرقہ (کمیونٹی) کی رکنیت (امت سے وابستگی یا عیسائی فرقہ سے وابستگی وغیرہ) ہی صرف زمرہ میں شامل ہونا ہے۔ لہذا دیگر سیاسی وسماجی وابستگی یا سرگرمیوں میں حصہ لینا ایک قسم کا انحراف ہے اور جب ایک سیکولر حکومت عوامی اور سیاسی شناخت کی تعبیر کے کام کی اجارہ داری لے لیتی ہے تب بھی یہی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ ایک صورت حال جو کہ عصری مباحث میں غیر معروف نہیں ہے وہ یہ ہے کہ کسی ملک کا شہری ہونے کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس ملک کے تمام قوانین کی پابندی کی جائے یہ پابندی اس انداز سے کی جائے کہ کسی دیگر تعلق، پابندی ورسم رواج کی حیثیت نجی اور انفرادی ہوجائے۔

جیسا کہ میں نے دیگر متعدد مواقع پر کہا ہے کہ جدید معاشرہ میں سیاسی اصلیت کی بڑی غیر اطمینان بخش صورت حال ہے لیکن شہریت اور انسان کے باہمی طور پر ایک دوسرے پر انحصار کے قانونی زمرے کی بابت فکر کی یہ ایک پیچیدہ بنیاد ہے۔ ایلاس ڈیر میکن ماٹر کی پیروی کرتے ہوئے ملیجہ ملک نے اپنے ایک مضمون ''عقیدہ اور قانون کی صورت حال'' (قانون میں عقیدہ)۔ لیگل تھیوری مضامین مرتبہ پیٹر اولیور سائنی ڈگلس اسکاٹ اور وکٹر ٹنڈ روس (صفحہ 49-129) میں لکھا ہے کہ اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مرکزی (مین اسٹریم) معمول کے مطابق کسی احتجاج یا اعتراض کے بغیر ان متفرق ذرائع کو نظر انداز کر دے جن میں فی الحقیقت ان مختلف نوعیت کی فرقہ وارانہ وابستگی اور اعمال وافعال کو سمجھا جاتا ہے جو اس میں کارفرما ہوتے ہیں۔

اگر مفروضہ یہی ہے تو ان رجحانات کا تجزیہ کرنے کے لئے بنیادی عمل کو ہی مناسب مادی آلہ کار سمجھا جائے۔ فرد کے عمل یا معاشرتی رسوم پر توجہ مرکوز کرنے کی بجائے جو عمل کی بنیاد فراہم کرتے ہی، طرز عمل کا ایک علیحدہ اور انفرادی عمل کے طور پر جائزہ لیا جانا چاہئے (ص 40-139)

اسی مجموعہ میں ایک دوسرا مضمون انتھونی بریڈنی کا ''مذہب کے مدمقابل'' کے عنوان سے ہے (صفحہ 105-89) اس میں ان عدالتی فیصلوں کے حوالے دئے گئے ہیں جن میں عدالتوں نے مدعا علیہم کے ذریعہ لئے گئے فیصلوں کے محرکات کے جواز کو اس بنیاد پر مسترد کر دیا کہ صرف عدالت ہی ان کے دعوؤں کے ارتباط اور ان کے اخلاص کی بابت فیصلہ کرنے کی مجاز ہے اور جب عدالتیں اس بنیاد پر جسے عام طور پر معاشرتی طرز عمل کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، فیصلہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو بقول بریڈنی (ص 103-102) انہیں یہ الزام دیا جاتا ہے کہ انہوں نے ان افراد کو اپنی بات کہنے کا موقع نہ دے کر وسیع تر تکثیر کے اصول سے انحراف کیا ہے۔

معزز مسیحی شرعی ماہر قانون چانسلر مارک ہل نے اپنے حالیہ متعدد مقالات میں اس بات پر زور دیا ہے کہ مذہبی عناصر پر مبنی تنازعات میں ذہن واضح نہ ہونے کے سبب کیسے تباہ کن فیصلے لئے گئے ہیں۔ وہ مذہبی جذبہ اور ضمیر کے تحفظ کی جو شریعت میں مطلوب ہے کی بہتر تعبیر وتشریح پر زور دیتا ہے (خاص طور پر ملاحظہ کیجئے رسل سینڈ برگ سے اس کا مکالمہ کیا کچھ بھی مقدس نہیں ہے؟ سیکولر دنیا میں متضاد عناصر کا تصادم۔ پبلک لا مارچ

2007ص488-506)

اپنے ایک حالیہ مباحثہ کے دوران جو مذہبی منافرت بھڑکانے کے خلاف قانون سازی کے اخلاقی پس منظر کے عنوان پر انہوں نے کہا کہ مذہبی جارحیت سے متعلق جرم کو اس ذہنیت کے تناظر میں دیکھا جانا چاہئے جس میں ایسی صورت حال پیدا کردی جاتی ہے کہ کوئی مذہبی شخصیت یا جماعت کو اپنی بات عوام تک پہنچانے کا موقع حاصل نہیں رہتا۔ ایسے جرائم کو مجرمین کی حیثیت اور طاقت کے لحاظ سے دیکھا جانا چاہئے تاکہ کوئی باحیثیت فرد یا گروہ کسی ضرر رسیدہ مظلوم اقلیت کے بارے میں جارحانہ یا توہین آمیز باتیں کہے تو اسے مزید ایذارسانی کا مجرم گردانا جائے۔

جو نکتہ میں یہاں بیان کررہا ہوں وہ بھی ایسا ہی ہے کہ اگر ملکی قانون کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے جو بعض حلقوں کے نزدیک ایک خاص طرز عمل کا سبب بنتا ہو۔ بعض غیر متوقع پیشہ وارانہ ضروریات کے خلاف احتجاج جو مثال کے طور پر مذہبی عقیدہ پر اثر انداز ہوتا ہو تو یہ اس کی واضح ناکامی ہوگی کہ وہ اس شخص تک اپنی بات نہیں پہنچا سکا جو قانونی کارروائی میں الجھا ہوا ہے (یا فی الحقیقت ان کی ترسیل کو نہیں پاسکا) اس طرح ایک قانونی نظریہ (جسے مثال کے طور پر حال ہی میں آر اے ڈوف نے پیش کیا ہے) اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔

اس کے دوہرے نتائج ہوتے ہیں۔ طریق کار سے متعلق ایک سیدھا سادا سوال ہے جس کا جواب بریڈنی یا مارلک دونوں ہی اس سے زیادہ نہیں دیتے۔ یہ کہ موجودہ عدالتیں کس طرح کام کرتی ہیں اور ان مسائل کو کس حد تک اہمیت دی جاتی ہے جن پر ہم یہاں بحث کررہے ہیں۔ لیکن ایک اور زیادہ وسیع نظریاتی اور عملی مسئلہ بھی ہے وہ یہ کہ ایک سے زیادہ عدالتی نظام کے تحت رہنا کیسا ہے یہ بات ہمیں اپنے موضوع پر واپس لے جاتی ہے جس سے ہم نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ یعنی برطانوی عدالتوں کے عمومی دائرہ سماعت کے تعلق سے شریعت کا کردار (یا فی الحقیقت قدامت پرست یہودی شعائر ورسوم) عام طور پر جب یہ پوری شدت سے کہی جاتی ہے کہ ملکی قانون کو افراد ان کی اجتماعی مذہبی شناخت کی بنیاد پر تحفظ دینا چاہئے اور انہیں اپنے مذہبی شعائر کی ادائیگی کی ضمانت دینی چاہئے تو اس سے کئی باضابطہ سوالات سامنے آتے ہیں۔ میں یہاں مختصر طور پر تین مشکلات کا ذکر کروں گا، ان مسائل کا تعلق اس سوال سے ہے کہ آیا قانون کی پیروی میں مذہبی شناخت اور فرقہ وارانہ حقوق کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے یا ایک زیادہ وسیع مسئلہ جسے میں نے بیان کیا یعنی یہ کہ کسی مذہبی فرقہ کی عدالت کو بعض قوانین پر عمل آوری کا اختیار دیدیا جائے یعنی بعض قوانین شرعی عدالتوں کو منتقل کردئے جائیں اور یہ آخری سوال صرف اسلامی شرعی قوانین کے بارے میں ہی نہیں ہے بلکہ قدامت پرست یہودی شرعی قوانین بھی اس کے تحت آتے ہیں۔

مذہبی شناخت کو وسیع تر قانونی اہمیت دینے کے خلاف پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس سے قانونی کارروائی کا عمل (بشمول تنظیموں میں معمولی تادیبی کارروائی) تکلیف دہ مذہبی رخصت اپیلوں کے رحم وکرم پر منحصر ہوکر رہ جائے گی۔ اس کی ایک حالیہ مثال یہ خبر ہے کہ مارکس اینڈ اسپنسر میں ملازم ایک مسلم خاتون نے انجیل کی کہانیوں پر مشتمل ایک کتاب پر کام کرنے سے انکار کردیا۔ یا ہم اور بھی زیادہ سنگین سوالوں کی بابت غور کرسکتے ہیں جیسے جبری شادیوں کے بارے میں جہاں ثقافتی اور تنگ مذہبی پہلو کے درمیان امتیاز کرنا بڑا نازک مسئلہ ہوتا ہے۔

بریڈنی صحیح طور پر ان ججوں کو محتاط رہنے کا مشورہ دیتا ہے جو

مذہبی رخصت کے نظریہ کو مسترد کر دیتے ہیں اور یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ افراد کی معاشرتی شناخت کی تشکیل میں اس کا کیا کردار ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ اس قسم کی حساسیت کو تسلیم کرنے کے لئے ایسے ہی شعوری طور پر حساس دعویٰ کے تسلیم شدہ ذرائع بھی موجود ہونے چاہئیں۔ ایک طریقہ جس سے خالص ثقافتی عادات واطوار اور سنجیدہ مذہبی عقائد وشعائر کے درمیان امتیاز کیا جاسکے۔ نیز مذہبی افکار ونظریات اور مجہول تعصّبات کے درمیان بھی فرق ظاہر ہوسکے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مجاز مذہبی شخصیت تک رسائی حاصل کی جائے جو کسی مذہبی جماعت کے لئے کام کرتی ہو۔ برطانیہ میں ایک اسلامی شرعی کونسل موجود ہے جس سے عائلی امور کے بارے میں فتوے طلب کئے جاتے ہیں اور اگر ہم مذہبی شناخت میں موجود حقوق واجازت (رخصت) کو قانون کے تحت مزید اعانت دیدیں تو ہمیں ایک زیادہ وسیع اور بااختیار ادارہ کی ضرورت پیش آنے لگے گی۔ جس کے پاس زیادہ وسائل ہوں اور اس فرقہ میں ایسے زیادہ وسیع اعتبار حاصل ہوتا کہ پیچیدہ تنازعات پر بھی مجملاً کارروائی عمل میں آسکے۔ ایک سیکولر وکیل کو اس کا علم ہونا چاہئے کہ کونسا مقدمہ حقیقی امکانیات پر مبنی ہے قانون اور شرعی بنیادوں پر مستحکم ہے اور کہاں یہ محض لغویات اور ناواقفیت پر منحصر ہے، بغیر جانچ اور جرح کے کسی کو رخصت کا سادہ چیک نہیں دیا جاسکتا۔

ایک دوسرا مسئلہ جو بے حد سنگین ہے وہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں خصوصاً عائلی قوانین کے معاملے میں اگر ضمنی عدالتی کارروائی کا حق تسلیم کرلیا جائے تو اس سے اس فرقہ میں بعض بے حد انتہا پسند عناصر کو تقویت ملے گی اور ان کی جابرانہ اور رجعت پسندانہ سرگرمیوں سے خواتین کے کردار اور آزادیوں پر ناگوار اثر پڑے گا۔

یہاں جبری شادیوں کے مسئلے کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے اور بلاشبہ اس وقت یہ سب سے زیادہ سنگین اور مجرمانہ نوعیت کا مسئلہ ہے لیکن حقیقتاً اس کا تعلق رسم ورواج اور تہذیبی روایات سے ہے نہ کہ مذہبی عقائد واحکامات سے۔ یہاں میں ایک اور مسئلہ کا حوالہ بھی دوں گا جو کہ وراثت سے متعلق ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ شرعی قوانین کے تحت بیوگان کو وراثت میں جو حصہ دیا جاتا ہے اس میں انہیں نقصان ہوتا ہے اسے ہماری اکثریت ایک ناقابل قبول طریقہ سمجھے گی۔

ایک شرعی (دراصل قرآنی) ضابطہ جو کہ اس دور میں جب کہ تہذیبی طور پر خواتین کے حقوق کا مسئلہ بالکل غیر معروف تھا اک بیوی کی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کا ایک واضح وسیلہ تھا لیکن اگر آج اسے پوری طرح نافذ کیا جائے تو یہ موجودہ حالات میں ان کے عدم تحفظ پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ بطور مثال ملاحظہ ہوا ین ایلزبتھ میسر کی کتاب ''اسلام اور حقوق انسانی'' (1999 ص 111)

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی فرقہ کی شرعی عدالت کا یہ حق تسلیم کرلیا جائے کہ وہ ان امور میں قطعی اور حتمی فیصلے صادر کرسکتی ہیں تو نہ صرف یہ کہ تنازعات کے تصفیہ کی ایک اور سطح وجود میں آجائے گی اور نئے ضابطے شروع ہوجائیں گے بلکہ اقلیتی طبقے کے افراد ان حقوق اور آزادیوں سے محروم ہوجائیں گے جس کے بطور شہری وہ حقدار ہیں، ایک قانونی نظام کے تحت ایک کثیر قومی معاشرہ میں کسی اقلیتی طبقہ کو اپنے مخصوص مسائل اپنے عقیدے کے مطابق حل کرنے کا حق دے کر حقوق ومراعات عطا کئے جاسکتے ہیں لیکن کسی کو ایسے اختیارات کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو ان حقوق کو باطل

قرار دیدیں جنہیں عام طور پر اختیارات تسلیم کیا جاتا ہے۔ایسے سوالات اٹھانے کے لئے یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کے جوابات کیا ملیں گے حالانکہ یہ کوئی جواب نہیں ہے جو کسی تنازعہ کے امکان کو ختم کردے اور کسی قسم کے تکثیری عدالتی نظام کو تسلیم کرلیا جائے تو وہ ان حدود کے تحت ہوگا کہ کسی ضمنی عدالتی نظام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو ان حقوق کی رسائی میں مانع ہو جو دیگر شہریوں کو حاصل ہیں یا ان حقوق کا مطالبہ کرنے پر انہیں سزاوار کرے۔

درحقیقت یہ وہ بات ہے جو ایک اقلیتی طبقہ خود اس کو چاہے گا کہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو کہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے کے سبب وہ ان حقوق ومراعات سے محروم ہوجائے جو ایک سیکولر ملک میں دیگر شہریوں کو حاصل ہیں۔بہتر طور پر اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ شہریت خود کو ایک پیچیدہ منظرنامہ ہے جو کسی فرقہ وارانہ وابستگی سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ سب ہی اس کے دائرہ میں آتے ہیں۔

لیکن اس سے تنازعہ ختم نہیں ہوجاتا۔ایک مخصوص کیس میں ہم نے بیوہ کی وراثت کے حق کا حوالہ دیا ہے۔یہ بات پہلے ہی ثابت ہوچکی ہے کہ بعض مسلم ممالک نے اس معاملہ میں نرمی اختیار کی ہے (یہاں ملیشیا کا حوالہ دیا جاسکتا ہے) لیکن ہم یہاں ایک اور بے حد حساس مسئلہ کو لیتے ہیں یعنی ارتداد کا مسئلہ، کہ صورت میں جو وحشیانہ سزا ہے۔ایک ایسے معاشرے میں جہاں مذہبی عقیدہ کی آزادی کو قانونی تحفظ حاصل ہے کوئی گروہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ کوئی دوسرا مذہب قبول کرنا ممنوع ہے یا دوسرا مذہب قبول کرنے والے کو نشانہ تعزیر بنایا جائے۔یہاں ہم ایک انتہائی حساس پہلو پر گفتگو کررہے ہیں جو نہ صرف قانونی عمل کے بارے میں سوچنے بلکہ بین المذہبی تعلقات سے بھی وابستہ ہیں۔ عصر حاضر کے مسلم شارحین اور اسکالرز کی خاصی بڑی تعداد یہ دلیل پیش کریں گی کہ ارتداد کے بارے میں قرآنی حکم اور اس کی سخت سزا اس صورت حال کا پتہ دیتی ہے۔جب اسلام ترک کرنے کا مطلب امت کے خلاف اعلانیہ جارحیت کے مترادف سمجھا جاتا تھا لہذا اس کی سزا بھی ایسی سخت رکھی گئی ہے جو حالت جنگ کے دوران جاسوسوں اور غداروں کو دی جاتی ہے۔لیکن عصر حاضر میں دنیا کے حالات کے مدنظر یہ دلیل مؤثر نہیں ہوسکتی۔

بلاشبہ قدامت پرست مسلمانوں کے لئے یہ بات قطعی ناقابل قبول ہوگی کیوں کہ ان کے نزدیک یہ ایک عقلیت پسندانہ حکمت عملی ہوگی جو کہ شرعی اعتبار سے اجتہاد کی ایک شکل ہے اور مخصوص روایتی ضوابط کے تحت نہیں آتی، لیکن ابھی استعمال کردہ اصطلاح کو بروئے کار لاتے ہوئے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ایک غالب اسلامی معاشرہ میں بھی اس ملک کے قانون کے تحت لوگ تعلقات کی مختلف انداز میں تعبیر کرتے ہیں اس صورت حال میں ایسے قانون کا جواز ثابت کرنا مشکل ہوجاتا ہے کیوں کہ ان تعلقات کے درمیان رابطہ کا طریقہ ایک کھلی ہوئی دشمنی ہوگی۔ ایسے حالات میں مذہب تبدیل کرنے پر سنگین سزا کی موزونیت ایک خاصے تنگ مسلم دائرہ فکر کے تحت بھی واضح نہیں ہے۔

اس کے مدمقابل جہاں غالب قانونی ضابطہ غیر اسلامی ہے لیکن امت کے اجتماعی مفاد اور حقوق کا سنجیدگی سے احترام کیا جاتا ہے وہاں ایسا کوئی مفروضہ نہیں کہ امت کے دائرہ سے ماوراء کسی عدالتی نظام کا انجام تباہی ہے۔لہذا یہ بات پھر تسلیم کی جاتی ہے کہ اختلاف مذہب خود بخود کوئی مہلک خطرہ نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ یہ ایک نازک اور پیچیدہ مسئلہ ہے، جس پر مسلم دانشوروں کے درمیان مختلف سیاق وسباق میں دبی دبی لیکن حقیقتاً بحث جاری ہے۔ میں نے یہاں جزوی طور پر اس کا

ذکر کیا ہے کیوں کہ بین المذہبی مسئلہ کے طور پر بہت اہم ہے نیز حقوق انسانی اور اقلیتوں سے متعلق بحث میں بھی اس کی اہمیت ہے اور جزوی طور پر یہ دکھانے کیلئے مختلف مگر قریبی معاشرتی تعلقات (جسے دوسرے لوگ تکثیری وابستگی سے تعبیر کرتے ہیں) عورتوں کی حیثیت اور تبدیلئ مذہب (ارتداد) کے اعصاب شکن سوالوں پر غور کرنے کے لئے ایک بنیاد فراہم کر سکتے ہیں۔

ایک ضمنی عدالتی نظام کو تسلیم کرنے کا مطلب نہیں ہے کہ بعض حلقوں میں اس کی مقامی اجارہ داری کو تسلیم کر لیا جائے۔ ایک یہودی ماہر قانون آئیلے شیکسر نے اپنے ایک بے حد اہم اور فکر انگیز رسالہ جو کثیر ثقافتی حدود کار اور خواتین کے حقوق کے موضوع پر ہیں۔ کسی ایسے ماڈل کے خطرے کی کھوج کی ہے جو ایک غیر ریاستی حدود کار کے حق پر منتج ہو، اس سے بے حد سنگین مسائل پیدا ہوں اور اپنے کمزور ترین ارکان کے مزید نقصان کا باعث بنے۔ وہ لکھتی ہے کہ ہمیں مختلف طبقات پر خارجی تحفظ کے امکانات کے خطرات و اثرات کی بابت ہوشیار رہنا چاہئے۔ یہ اثرات جو پہلے ہی سے موجود اندرونی کشمکش کو غیر مقوی طور پر ابتر کر سکتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم ایک ایسے نظام سے بچنا چاہتے ہیں جو ایک عدالتی طریق کار کو معاشرتی کردار کی تعبیر اور تعلقات کی تشریح کی اجارہ داری سمجھتا ہے تو ہم محض ایک ایسے فرقہ وارانہ قانونی نظام کی غیر تنقیدی تائید کر کے مسئلہ حل نہیں کر سکے اس سے اجتناب اسی طرح کیا جا سکتا ہے کہ پورے فرقے کو الگ تھلگ کر دیا جائے بقول شیکسر ''ضرورت یہ ہے کہ ہم اس نظریہ کو یا تو تمہاری ثقافت یا تمہارے حقوق' کے چیلنج پر قابو پائیں''۔

فرقہ وارانہ شناخت کو قانونی اعتبار سے تسلیم کئے جانے کے بڑھتے ہوئے اعتراض کا مقابلہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ ہم ان بنیادی اصولوں کی بابت سوچیں تو مختلف عدالتی نظاموں کے درمیان تعلق کو مربوط کریں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ ہم کسی ایسے غیر تنقیح شدہ نظام سے رابطہ نہ رکھیں جو جابرانہ اثرات کا حامل ہے یا کسی ضمنی عدالتی نظام کے لئے مشترکہ عوامی آزادیوں کو فیصلہ کن طور پر ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یعنی یہاں بھی ہم کوئی سادہ چیک نہیں دے سکتے۔

میں شیکسر کی مثبت تجویز کی تفصیلات کی طرف لوٹوں گا لیکن اس سے پہلے میں تیسرے اعتراض کی جانب متوجہ ہوتا ہوں جو مختلف عدالتی دائرہ کار کے درمیان تعلق کی وضاحت کی پیچیدگیوں کے سبب پیدا ہوا ہے۔ کیا نظریاتی اور عملی دونوں اعتبار سے یہ غلط نہیں ہے کہ ہم قانونی نظام کی اجارہ داری سے وابستہ ہونے کا دعویٰ کریں؟ جدید دنیا میں ہماری فکر جس پر عالمی حقوق کے یوروپی نظریہ کا غلبہ ہے اس فکر کی بنیاد یہ ہے کہ قانون بہر حال قانون ہے اور ہر شخص عوامی قانون کے آگے مساوی حیثیت سے کھڑا ہے لہٰذا اگر ہم مغرب کے قانونی نظام کی معاشرتی اور سیاسی پیش رفت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے مشترکہ شناخت کو تسلیم کرنا اور ضمنی عدالتی نظام کا وجود مربوط ہے۔

اس راہ میں تھوڑا خطرہ بھی ہے ہم بعض اوقات روشن خیالی کے دور کے بعد کی سیاست کے عالمی نظریہ کی بات کرتے ہیں۔ عہد روشن خیال کا عظیم احتجاج اس اقتدار کے خلاف تھا جو صرف روایتوں سے واسطہ رکھتا تھا اور کسی دیگر معیار کو تسلیم کرنے پر رضامند نہیں تھا وہ کسی دلیل یا معیار سے بھی عوامی فلاح اور آزادیاں عطا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک عوامی نظام کو اپنانے کے لئے روایتی طرز حکومت سے دستبردار نہ ہونے کی اس کی روش

قابل فہم تھی۔ اسے ان کے مطلق العنان اقتدار اور لامحدود موروثی مراعات کے پس منظر میں دیکھنا چاہئے جو کہ جدید یوروپ کے ابتدائی دور میں رائج تھے۔

ہماری تہذیبی تاریخ میں سب سے زیادہ مثبت لمحہ وہ تھا جب کہ ہر خاص وعام کے لئے عدالتی نظام تک رسائی اور ہر ایک کے لئے جوابدہی کی مساوی سطح کو اپنایا گیا۔ یہ دراصل اس نظام کی توسیع اور تجدید تھی جو پہلے سے ہی موجود تھا، یہ رومن اور وسطی عہد کی قانونی روایتیں جن کے تحت قانون کی اولیت اور ہمہ گیری پر اصرار کیا جاتا تھا۔ (اور خود بادشاہ بھی اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہیں تھا۔)

لیکن پیچیدہ معاشرتی نظاموں کے حقائق کی بابت صرف انہی امور کو زیر غور لانا کافی نہیں ہوگا، یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ شہریت مساوی رسائی کے خلاصہ کی شکل ہے اور مساوی جوابدہی یا تو بنیاد ہے یا معاشرتی شناخت اور ذاتی محرکات کا مجموعہ ہے۔ جہاں کہیں اس کا نفاذ کیا گیا ہے تو یہ ایک معاشرہ کے لئے کمزور وسیلہ ثابت ہوا ہے اور اس کے نتیجہ میں شدید ناانصافیوں کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ (فرانس میں 1790 میں شہریت کو معقول مساوات کے درجہ تک گھٹا دینے کی متعدد کوششیں اور 1970 کی دہائی میں چین میں ایسی ہی کوششیں اس کی مثال ہیں۔) وہ معاشرے جو نسلی ثقافتی اور مذہبی طور پر مختلف ہوتے ہیں ان میں شناخت کی تشکیل تکثیری تعلق کی بنیاد پر عمل میں آتی ہے جیسا کہ ہم متعدد حالات میں دیکھ چکے ہیں۔

خطرہ اس میں ہے کہ وہ مقتدر عناصر جو مساوی شہریت کے خلاصہ سطح کا نظم کرتی ہے وہ ایک حاکمانہ نظام کی نمائندہ بن کر دوسری سطحوں کے وجود کی اجازت دے لیکن اگر معاشرہ کا وجود تکثیری ہے جیسا کہ متعدد سیاسی مبصرین نے اس طرف اشارہ کیا ہے تو اس سے مشترکہ عوامی زندگی کا ایک نقصان دہ نمونہ سامنے آتا ہے جس میں بعض وابستگیاں اور تعلقات کم کردئے جاتے ہیں یا نجی انداز کے کردئے جاتے ہیں اس حد تک کہ معاشرتی زندگی کی الگ تھلگ ہوکر رہ جاتی ہے جہاں مخصوص قسم کے مفادات ونظریات کو نجی امور سمجھا جاتا ہے لیکن انہیں عوامی مشترکہ فلاح اور ترجیحات کی بابت جاری بحث میں کوئی سند جواز عطا نہیں کی جاتی۔

بطور اختتامیہ اگر ہم اسلام اور برٹش قانون کے تعلق کے بارے میں معقول انداز میں سوچیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں غیر معقول مخالفت اور مفروضات کو ختم کرنا ہوگا۔ خواہ وہ شرعی نوعیت کے ہوں یا روشن خیالی نوعیت کے۔ لیکن جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ قانون کی نوعیت کے بارے میں غور کئے بغیر اس پر عمل کیا جاسکتا ہے یہ آسان ہے کہ کسی قسم کی معصومیت میں پناہ لی جائے اور جسے میں نے قانونی عالمگیریت سے تعبیر کیا ہے جب ایک سخت نظریاتی تائید (اور یہاں میری مراد مذہب سے ہے۔) سے محروم ہوجاتا ہے تو وہ انسانیت ایسی بے معنی ہوجاتی ہے جیسے کوئی دیگر نظریہ۔

اگر یہ نادر نظریہ جو میں نے پیش کیا ہے صحیح ہے یعنی عالمگیر قانون اور عالمگیر حقوق اس جذبہ کو تسلیم کرنے کا ایک وسیلہ جسے انسان کے اندر وہ مشکل سے پایا جاسکتا ہے نہ کنٹرول کیا جاسکتا ہے تو ان مباحث کے درمیان مذہب ہمارا منتظر ہے خواہ ہماری ثقافت اسے دور رکھنے کی کوشش کیوں نہ کرے اور جیسا کہ آپ سمجھ سکتے ہیں میں اس بارے میں کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔

آرک بشپ ڈاکٹر روون ولیمس کا سوانحی خاکہ

ڈاکٹر روون ولیمس کنٹربری کے 104ویں آرک بشپ ہیں وہ ایک متنازعہ شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ان کی سربراہی کے دوران کلیسا انگلستان دو حصوں میں تقسیم ہونے کے دہانے پر پہنچ گیا ہے اس کا سبب ہم جنس کے بارے میں ان کا حکم ہے۔ مذہبی حدود سے باہر قدم نکالنے پر بھی انہیں تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔عراق جن کی مخالفت غلاموں کی تجارت کے لئے تاوان ادا کرنے کے ان کے مطالبہ اور ماحولیات کے بارے میں ان کے خیالات پر بھی سیاسی حلقوں میں تیوروں پر بل پڑ گئے۔

ڈاکٹر روون ولیمس کو 2 دسمبر 2002 کو لندن کے سینٹ پال کیتھڈرل میں بطور آرک بشپ مقرر کیا گیا۔آرک بشپ کنٹر بری کی حیثیت سے وہ دنیا کے 77 ملین انجلیکن عیسائیوں کے سربراہ ہیں۔

ان کی پیدائش 1950 میں سوان سی کے مقام ہوئی جہاں ان کے والد کان (کھان) کے انجینئر تھے۔اپنے اسکول میں وہ ایک مضمون کے علاوہ دیگر تمام مضامین ممتاز رہتے تھے۔ان کی نوٹ بک میں انہیں کھیلوں سے مستثنیٰ رکھنے کا ایک مستقل اندراج تھا انہیں ڈراموں میں بے حد دلچسپی تھی اور ڈینے ورگرامر اسکول میں انہوں نے کئی ڈراموں میں حصہ بھی لیا بعد کو کرائسٹ کالج اور کیمبرج میں بھی حصہ لیا وہاں انہوں نے دینیات کا مطالعہ کیا۔ ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے وہ آکسفورڈ گئے اور میر فیلڈ تھیالوجیکل کالج میں لکچر دئے اس کے بعد وہ کیمبرج اور آکسفورڈ واپس آئے جہاں ایک ممتاز عالم دین (تھیولوجین) کی حیثیت سے انہوں نے تیزی سے شہرت حاصل کی۔

1979 میں ڈاکٹر ولیمس کی پہلی کتاب شائع ہوئی۔ اور 36 سال کی عمر میں وہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے سب سے کم عمر پروفیسر بن گئے۔ویلز کے آرک بشپ بننے سے پہلے انہوں نے 1991 سے 1999 تک مون موتھ کے بشپ کے طور پر فرائض انجام دئے وہ ایک ہزارے کے دوران آرک بشپ آف کنٹربری کے عہدے پر فائز ہونے والے ویلز کے پہلے باشندے ہیں اور بڑی روانی سے ہر زبان بولتے ہیں۔

ان کی بے باکی گفتار کی ایک مثال اس وقت سامنے آئی جب فروری 2003 میں اپنی تخت نشینی کے موقعہ پر انہوں نے اپنے وعظ (سرمن) میں انہوں نے عیسائیوں پر زور دیا کہ وہ سیاسی دنیا کو بھی اپنے ساتھ لائیں۔اس وقت سے اب تک وہ مختلف امور پر اپنے خیالات واضح کر چکے ہیں اس میں قرضے کم کرنا، دہشت گردی، عراق کی جنگ، صارفیت، غلامی اور ماحولیات وغیرہ شامل ہیں۔

لیکن یہ ہم جنس پرست پادریوں کا مسئلہ۔ جوان کے لئے سب سے بڑا دردسر ہے جون 2003 میں ریڈنگ میں جیفرے جان نام کے ایک معروف ہم جنس پرست پادری کو بطور بشپ تقرر کیا گیا ابتداءً ڈاکٹر ولیمس نے اس تقرری پر کوئی اعتراض نہیں کیا جس پر برطانیہ اور اس کے باہر قدامت پرستوں نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا جب یہ ہنگامہ زیادہ بڑھا تو جیفرے جان اس

منصب سے دستبردار ہوگئے۔ دومہینہ کے بعد امریکہ میں انجلیکن کلیسا کے عیسائیوں نے نیو ہمپشائر کے ایوریںڈ کینن جین رابطسن کو بشپ منتخب کرلیا جوکہ ایک معروف ہم جنس پرست ہیں۔ ایک افریقی آرک بشپ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ شیطان ہمارے کلیسا میں داخل ہوگیا ہے۔ کوشش کے باوجود ڈاکٹر ولیمس روایت پرست کلیسائی لیڈروں (خصوصاً افریقہ میں) اور شمالی امریکہ کے آزاد خیال افراد کے اختلافات کو ختم کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ اس مسئلہ پر دنیا بھر میں انجلیکن عیسائیوں کے درمیان تفریق کا اندیشہ لاحق ہوگیا ہے۔

اگرچہ اس وقت دونوں فریقوں کے درمیان ایک غیر اعلان شدہ جنگ بندی ہے لیکن یہ مسئلہ کسی وقت پھر ڈاکٹر ولیمنس کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔ گذشتہ دسمبر میں ڈاکٹر ولیمس ایک اور طوفان میں گھر گئے جب انہوں نے یہ بات کہی کہ مسیح کی پیدائش ایک کہانی ہوسکتی ہے اور پوپ سے دو ملاقاتوں کے بعد بھی وہ رومن کیتھولک کلیسا سے کوئی بامعنی رابطہ قائم کرنے میں ناکام ہیں۔

ڈاکٹر ولیمس کا سب سے بڑا مسئلہ ان کی نادر پوزیشن سے متعلق ہے کلیسا کی وسیع نوعیت جس میں اینگلو کیتھولک، اور انجلیکن اور لبرل سب شامل ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ متعدد متنازعہ امور پر اجماع ہوسکے لیکن پوپ کے برخلاف انہیں اسے اختیارات حاصل نہیں کہ وہ اپنے 38 آرک بشپ منصب داروں کو اپنی بات منوانے پر مجبور کرسکیں۔

آرک بشپ آف کنٹربری کی قسمت مشکلات میں گھری رہی ہے تھامس بیکٹ کو قتل کیا گیا ہے۔ دیگر بطور خاص تھامس کرامل جیسے جلادوں کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتاردئے گئے۔ تاریخی اعتبار سے یہ آرک بشپ بادشاہوں کے ہاتھیوں میں کھیلتے رہے ہیں۔ سیاستدانوں نے ان کی تضحیک کی اور اخبار والوں نے بھی انہیں طعنے دئے۔ ڈاکٹر ولیمس کی بیباک گوئی اور نظریات نے واضح کردیا ہے کہ ان کے بارے میں لوگ مختلف الخیال ہیں۔

(بشکریہ بی بی سی ورلڈ 8؍فروری 2008)

کوئی بھی نظام معاشرت منظور نہیں

"ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا کرنا چاہئے۔ اور یہ ہمارا شہری، آئینی، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور اس جمہوری ملک کا آئین اور دستورنہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتاہے کہ جمہوریت کی بقاء، اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی، ہرفرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے"۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر مسلم پرسنل لابورڈ)

(ماخوذ از خطبۂ صدارت کلکتہ اجلاس ۱۹۸۵ء)

برطانیہ میں قانون شرعیہ کا اطلاق

(آرک بشپ کی رائے)

انور علی ایڈوکیٹ

انگلینڈ میں سرکاری مذہب عیسائیت ہے۔'چرچ آف انگلینڈ' رومن چرچ سے (پوپ کی اتھارٹی سے) آزاد ہے۔آرک بشپ آف کینٹر بری'۔(جو اینگلی عقیدہ کا پاسبان ہے) نے ایک لیکچر میں کہا ہے کہ:''انگلینڈ میں چند مسلم شرعی قوانین کو اپنانا ناگزیر ہے۔شرعی قوانین کو''مناسب حدتک'' انگلش سسٹم آف لاء میں شامل کرنا (Aceommodate) ضروری ہے''۔

آرک بشپ صاحب کے اس بیان سے انگلینڈ سمیت دوسرے ملکوں میں بھی یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ''ملک کے لیگل سسٹم میں اقلیتوں کے مذہبی یا ادارتی قوانین کو مناسب حدتک شامل کرنا'' کی''حد'' اور''وسعت''۔(LIMIT AND EXTENT) کیا ہے؟۔آرک بشپ روون ویلمس نے یہ ریمارک رائل کورٹس آف جسٹس میں اپنے لیکچر (موضوع تھا''سِول اور مذہبی قوانین''۔) میں دیئے۔برطانیہ میں -1.6- ملین مسلمان ہیں۔ان کے نمائندے ہاؤس آف کامنز میں،اور ہاؤس آف لارڈز میں ہیں۔ دونوں ہاؤس نے آرک بشپ کی رائے کی مخالفت کی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ''اس سے انگلینڈ کی فرقہ وارانہ واری کو ضرر پہنچے گا'' جبکہ کچھ انگریز دانشوروں کی رائے ہے کہ''اگر مسلمان اپنی پرائیوٹ اور عائلی زندگی کو اپنے مذہبی اور ادارتی قوانین سے ریگولیٹ کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔'' لیکن آرک بشپ صاحب کے خلاف تنقید کرنے والے دانشوروں کا کہنا ہے کہ اگر شرعی قوانین کو عائلی، پبلک لائف میں تسلیم کیا جاتا ہے تو اس سے عورتوں کی حیثیت پر اثر پڑے گا، جو ان کو انگریزی قوانین کے تحت حاصل ہے۔طلاق، چہار زوجگی، وراثت کے قوانین (جو اِن دانشوروں اور سیاست دانوں کی نظر میں عورتوں کے ساتھ غیر منصفانہ ہیں) وغیرہ کو برداشت کرنا پڑے گا جو انگریزی روایات کے خلاف ہے۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ کچھ چنیدہ (Selective) مسلم شرعی قوانین کو لاگو کیا بھی جائے تو وہ برطانیہ کے موجودہ قوانین کے متضاد (Repucnant) ہوں گے۔ برطانوی روایات اور انسانی حقوق سے متصادم ہوں گے۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ خط فاصل کھینچنا مشکل ہوگا کہ کس حدتک شرعی قانون لاگو کئے جائیں اور کس حدتک برطانوی قوانین اور روایات و رواجی قوانین تمام برطانوی شہری قانون کے سامنے برابر ہیں۔ مختلف مذہبی فرقوں پر، مختلف قوانین کا اطلاق برطانوی سماج کو منتشر کردے گا۔مثلاً اگر مسلم شرعی قانون چہار زوجگی کو لاگو کیا جاتا ہے تو برطانوی یک زوجگی قانون (Monogamy) پر کیا اثر ہوگا؟ یہ تو انتہا پسندی کے سامنے جھکنا ہوگا۔'' یہ ہے آرک بشپ صاحب

کے بیان پر تنقید کا دائرہ۔

لیکن برطانوی سماج کی صورت حال کیا ہے؟ برطانوی قانونی ڈھانچہ میں کچھ مخصوص دیوانی مذہبی قوانین شرعیہ کا سمویا جانا ناگزیر ہے۔ برطانیہ میں آبادی کا رنگ (Demography) میں تیزی سے بدلاؤ آیا ہے۔ 2001 کی مردم شماری بتاتی ہے کہ برطانیہ میں 78.8 فیصد لوگ مذہب کے پیروں ہیں۔ 71.6 فیصد عیسائی ہیں۔ 2.7 فیصد مسلمان ہیں۔ ایک فیصد ہندو ہیں، باقی سکھ، بودھ اور یہودی ہیں۔ آرک بشپ صاحب کا کہنا ہے کہ متنوع نسلی، تہذیبی، ثقافتی آبادی پر یکساں قوانین (Uniform-law) کا اطلاق مناسب نہیں ہے کیونکہ اصطلاحی طور پر انگلینڈ سیکولر نہیں، عیسائی ملک ہے۔ برمنگھم میں ایشائی آبادی اکثریت میں ہے، پھران میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ آبادی کے رنگ میں (Demography) بدلاؤ سے یہ ناگزیر ہے کہ مختلف لیگل سسٹموں کو برطانوی لیگل سسٹم میں مفید طریقہ سے سمویا جائے۔ آرک بشپ صاحب نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ ''مسلم شریعہ قوانین کو لاگو کرنے میں اعتراض کیوں؟ جب کہ برطانیہ میں یہودی مذہبی عدالتیں کام کررہی ہیں۔ مذہب کی بات نہیں، مختلف فرقوں کے مختلف رواجی اور مذہبی قوانین کو آدر دیا جانا ضروری ہے۔ مختلف کلچرز کے قوانین محض شادی، طلاق وغیرہ سے متعلق ہی لاگو کیا جانا ہوگا۔ ٹریڈ کامرس اور معاہداتی قوانین شرعیہ بھی برطانوی قوانین سے متضاد نہیں ہیں''۔

آرک بشپ صاحب نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ ''مسلم شریعہ قوانین کو لاگو کرنے میں اعتراض کیوں؟ جب کہ برطانیہ میں یہودی مذہبی عدالتیں کام کررہی ہیں۔ مذہب کی بات نہیں، مختلف فرقوں کے مختلف رواجی اور مذہبی قوانین کو آدر دیا جانا ضروری ہے۔

ہندوستان میں مختلف مذہبی اکائیوں کے قوانین آدر سے لاگو کئے جاتے ہیں، ہندوؤں کے مختلف فرقوں اور اکائیوں کے رواجی قوانین لاگو کئے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کے شادی، طلاق کے قوانین، یہودی، اور پارسیوں کے قوانین اِن فرقوں پر لاگو کئے جاتے ہیں اور عدالتوں میں کسی طبقہ کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ کوئی ملک خواہ سیکولر ہو یا اسکا سرکاری مذہب کوئی بھی ہو، قوانین کے اطلاق میں آبادی کے متنوع فرقوں اور تہذیبی کلچر، مذہبی اکائیوں کے قوانین کو آدر سے لاگو کیا جانا سوسائٹی کے اتحاد کیلئے ضروری عُنصر ہے۔ آرک بشپ صاحب نے ایک اہم سماجی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان میں جو سیاسی اور کلچرل عنصر، کامن سول کوڈ کی بات کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ چانسلر بسمارک (1976) جرمنی سے سویت یونین اور یوگوسلاویہ کے بکھراؤ تک (1988) ہر جگہ، کامن سول کوڈ کا تجربہ ناکام ہوا ہے۔ ہندوستان کے مذہبی، کلچرل اور تہذیبی اختلاف اور تنوع (Diversity) کا تقاضہ ہے کہ ہر فرقہ کو اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہو۔

برطانیہ میں قوانین شرعی کے نفاذ کی تجویز

زعمائے ملت کی بصیرت کا امتحان

مولانا محمد عیسیٰ منصوری (چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم، لندن)

برطانیہ میں فروری ۲۰۰۸ء کے شروع میں چرچ آف انگلینڈ کے سربراہ آرچ بشپ ڈاکٹر روون ولیمز نے (جو دنیا بھر کے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے عالمی سربراہ ہیں) نے برطانیہ میں اسلامی شریعت کے چند قوانین کے نفاذ پر غور و فکر کی دعوت دے کر یہاں کی فضا میں ارتعاش بلکہ تہلکہ بپا کر دیا۔ آرچ بشپ ڈاکٹر روون نے یہ تجویز غور وفکر کے لئے اپنی سنڈ (چرچ آف انگلینڈ کی پارلیمنٹ) میں پیش کی تھی مگر یہاں کا میڈیا (جس پر صہیونیت کی گہری چھاپ ہے) نے اس طرح ہنگامہ بپا کر دیا گویا صلاح الدین ایوبی نے برطانیہ پر حملہ کر دیا ہو۔ مغربی میڈیا نے نائن الیون کے بعد اسلامی فوبیا کا جو ہوا کھڑا کیا ہے اسے اسلام کے خلاف شورشغب کا بہانہ مل گیا، چنانچہ میڈیا کی شرارت کے سبب ڈاکٹر روون ولیمز کو غصے میں بھرے دھمکی آمیز اور ناشائستہ الفاظ میں بہت سے فون، خطوط اور ای میل ملے، آرچ بشپ کی شریعت کے بعض قوانین کی حمایت میں ہمدردانہ بیانات پر میڈیا تو ان کی مخالفت میں پیش پیش تھا ہی خود چرچ کے بعض ممبران اور سابق آرچ بشپ آف کنٹربری لارڈ کیری نے بھی برطانیہ میں شریعت اسلام کے بعض قوانین کے نفاذ پر غور وفکر کی دعوت کو خطرناک قرار دے کر ڈاکٹر روون پر تنقید کی، حتیٰ کہ برطانوی پارلیمنٹ میں بشپ ولیمز کے استعفیٰ کی گونج سنائی دی۔ کینٹ پولیس کے سینئر ذرائع نے صورت حال کو دیکھتے ہوئے آرچ بشپ کو چوبیسوں گھنٹہ پولیس تحفظ کی پیش کش کی اور ان کی سیکوریٹی کے حوالے سے گہری تشویش کا اظہار کیا لیکن آرچ بشپ ڈاکٹر ولیمز نے پولیس کی پیش کش کو مسترد کر دیا، انہوں نے پریس کو بتایا کہ وہ نہ اپنے بیان پر معذرت کریں گے نہ ہی استعفیٰ دیں گے اور وہ اپنا موقف پریس کے بجائے اپنی سنڈ (چرچ آف انگلینڈ کی پارلیمنٹ) میں پیش کریں گے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر روون ولیمز نے برطانیہ میں کسی متوازی عدالتی نظام کی تجویز پیش نہیں کی بلکہ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ شادی بیاہ، طلاق و وراثت جیسے بعض معاملات میں بعض اسلامی قوانین کی جگہ موجود ہے اور اسلامی شریعت کے چند قوانین اختیار کر لینے سے برطانیہ میں بسنے والے مسلمان کو کمیونٹی سماجی قربت اختیار کرنے میں مدد ملے گی، آرچ بشپ نے بڑے پتہ کی بات کہی کہ مسلمانوں کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ شریعت قانون نہیں اصول قانون ہے، یعنی شریعت نے وہ بنیادی اصول فراہم کئے ہیں جن کو سامنے رکھ کر ہر دور کے تقاضوں اور معاشرہ کی ضروریات پر قوم ونسل کے مزاج ونفسیات کی رعایت کے ساتھ قانون سازی ہوسکتی ہے، یہ ایک عالمی پہلوؤں کا اصولی ضابطہ ہے۔ اس بات پر برطانوی میڈیا نے اسلام کے خلاف جذبات میں آگ لگادی جس میں سیاست دانوں سمیت آٹھ طبقات بہہ گئے اور ہر طرف سے ان پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ ایسے میں ان کی اصل حمایت ان کی سنڈ (چرچ کی پارلیمنٹ) اور ان کے اپنے طبقہ سے ملی ان کے حق میں ایک مضبوط آواز چرچ آف

اسکاٹ لینڈ کی سربراہ ریونڈ شیلا کیسٹک کی تھی انہوں نے کہا کہ بعض افراد نے جان بوجھ کر آرچ بشپ کے الفاظ کو غلط معنیٰ پہنائے اور انہیں ذاتی طور پر نشانہ بنایا ہے جو انتہائی افسوس ناک ہے، میں ڈاکٹر ولیم کے شانہ بشانہ کھڑی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ ہم خوش قسمت ہیں جن کے پاس ایک ایسا رہنما موجود ہے جو بعض اہم نازک مسائل میں گہری سوچ و بچار سے بحث کا آغاز کا حوصلہ رکھتا ہے، یہ خوشی کی بات ہے کہ ایک دوسرے مذہب کے اعلیٰ ترین رہنما نے زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی قوانین کے متعلق ایک مثبت بحث کا آغاز کردیا ہے، اس بحث کا مقصد ایک سیکولر نظام میں رہنے والے اقلیتی طبقوں کے لوگوں کو ان کے مذہبی عقائد کے مطابق زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچانا ہے اور ملکی قوانین و مذہب کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، اس کا اطلاق صرف اسلام یا مسلمانوں ہی تک محدود نہیں ہوگا بلکہ بتدریج دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی اس کا فائدہ پہنچے گا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ چرچ آف انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے آرچ بشپ آف کنٹر بری ڈاکٹر روون ولیمز کے ریمارکس کے خلاف میڈیا کے عام ردعمل پر مایوسی کا اظہار کیا اور آرچ بشپ کی ملکی حمایت کا اعلان کیا، سنڈ (پارلیمنٹ) کا اجلاس شروع ہونے سے قبل بشپ آف لچفیلڈ جو ناتھن گلیڈ ین نے کہا کہ ڈاکٹر ولیمز کے ریمارکس کو غلط سمجھا گیا ہے، آرچ بشپ کوئی فیصلہ نہیں دے رہے تھے محض غور وخوض کیلئے ایک مسئلہ اٹھا رہے تھے۔ سنڈ میں جب ڈاکٹر ولیمز نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے خطاب کے دوران کہا کہ ان کی بات کو غلط انداز میں لیا گیا ہے، ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ برطانیہ میں مسلم کیمونٹی بعض اسلامی قوانین پر پہلے ہی سے عمل پیرا ہے اس سے ایک وقت آئے گا جب اس عمل کو قانون کا حصہ بنانا ہوگا، اس پر انہیں ارکانِ سنڈ کی طرف سے بھر پور حمایت ملی اور برطانوی میڈیا کی غوغا آرائی طوفانی سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مسلم رہنماؤں اور تنظیموں کا ردعمل اکثر منفی تھا۔ بیرونس سعیدہ وارثی نے کہا کہ شرعی قوانین سے اتحاد کے بجائے تقسیم میں اضافہ ہوگا، دومتوازی نظام قانون معاشرے کے بہت بڑے حصہ کو تنہائی کا شکار کردیں گے اور قانونی تضادات میں اضافہ ہوگا۔ دوسری طرف کئی مسلم رہنما شریعت سے برأت کرتے نظر آئے، بعض ماڈرن خواتین نے برملا کہا کہ ہمیں شریعت نہیں چاہئے برطانوی قانون نہایت عمدہ ہے۔ دینی تنظیموں اور علماء کرام نے عام طور سے اس بحث میں حصہ لینے کی ضرورت نہیں سمجھی شاید ان کے نزدیک حالات وحقائق سے آنکھیں بند رکھنا ہی جملہ مسائل کا حل ہے۔

برطانیہ ومغرب کے زمینی حقائق:

برطانیہ میں اس وقت کم وبیش دوملین یعنی بیس لاکھ مسلمان بستے ہیں، فرانس میں تقریباً ۵۰ لاکھ، اسی طرح بیلجیم، ہالینڈ سمیت تمام ہی یوروپی ممالک میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، سوئزرلینڈ میں سرکاری طور پر اسلام دوسرا بڑا مذہب تسلیم کرلیا گیا ہے، عملاً اسلام یورپ وامریکہ کا دوسرا بڑا مذہب بن چکا ہے۔ حالیہ دنوں میں جن ۲۷ ملکوں نے یوروپ میں شمولیت اختیار کی ان میں بڑی تعداد مقامی مسلمانوں کی ہے مثلاً بلغاریہ میں تقریباً تیس فیصد ترکی نسل کے مسلمان آباد ہیں، آئندہ جلد ہی جو ممالک یورپ کا حصہ بننے والے ہیں ان میں کوسو، بوسنیا، البانیہ جیسے مسلم علاقے اور ممالک بھی ہیں۔ عالم اسلام کا عظیم ملک ترکی بھی یوروپ میں داخلہ کیلئے دروازے پر کھڑا ہے، ایک جوہری فرق یہ ہے کہ پرانے یورپ (برطانیہ، فرانس، جرمنی وغیرہ) میں اکثر مسلمان تارکین وطن کے قبیل سے تھے، باہر سے آکر آباد ہوئے بلکہ جو ممالک حالیہ ای ای سی (آل یورپ) کا حصہ بنے اور عنقریب بننے والے ہیں ان میں بسنے والے مسلمان اسی زمین کے فرزند اور اسی یوروپی نسل سے ہیں، امریکہ یورپ میں

مسلمانوں کی بڑھتی تعداد کے خطرے کو بھانپ کر ہی صہیونی صلیبی گٹھ جوڑ کے لیے نہایت مہارت و چابکدستی سے نائن الیون کا واقعہ انجام دے کر اس کا الزام مسلمانوں کے سر لگایا ہے تاکہ ایک طرف مغرب کو عالم اسلام پر فوجی یلغار کر کے تباہ کرنے کا بہانہ فراہم ہو دوسری طرف یہاں اسلام کے خلاف نفرت کی آندھی چلا کر بڑھتی ہوئی مسلم آبادی پر بریک لگایا جا سکے۔

یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ شروع ہی سے مغرب میں اسلام کا مطالعہ کرنے والے تقریباً تمام ہی طبقات (مؤرخین، ادیب، شعراء) کا تعلق ارکان کلیسا اور چرچ سے رہا، ان کے نزدیک یورپ پر بیرونی مسلمانوں کے عسکری وسیاسی دباؤ کا واحد تحفظ اسلام کے خلاف نفرت انگیز جھوٹا پروپیگنڈہ تھا، جب صلیبی جنگوں میں پورا یورپ تین صدیوں تک اپنی پوری طاقت جھونک کر بھی اسلام کو ختم نہیں کرسکا تو ریمنڈلل اور راجر بیکن جیسے اسکالرز نے پوپ کے سامنے اسلام کی بیخ کنی کیلئے اسلام کے مطالعہ کی تجاویز رکھیں، طویل بحث و مباحثہ کے بعد اسے منظوری مل گئی چنانچہ شروع ہی سے مغرب کے مطالعہ اسلام کا بنیادی مقصد اسلام کی خامیاں تلاش کرنا اور اسلام پر نظریاتی حملوں کیلئے مواد جمع کرنا تھا۔ جب تک مغرب کو مسلمانوں سے عسکری خطرہ رہا اس وقت تک مستشرقین کی تحریریں شدید تر عناد ونفرت میں ڈوبی رہیں، جیسے جیسے خطرہ کم ہوتا گیا کھلے عناد و نفرت کی شدت میں بظاہر کمی آتی گئی، بیسویں صدی میں جب مغرب کو عالم اسلام پر ہمہ جہتی غلبہ حاصل ہوگیا اور مسلمان عسکری ، سیاسی، علمی، فکری طور پر مغلوب ہوگئے تب اسلام کو سمجھنے کی کوشش شروع ہوگئی، غرض مغرب میں اسلام کا مطالعہ کرنے والا گروپ (مستشرقین) کی حیثیت ہمیشہ یہاں کی حکومتوں کے آلۂ کار کے اوران کی تحریروں کی حیثیت اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کی تھی، اس لئے سترھویں صدی کی تحریروں کی زبان انتہائی تلخ، پرعناد اور اسلوب جارحانہ نے اٹھارویں صدی (خلافت عثمانیہ کے کمزور ہوجانے کے بعد) میں کچھ متانت و سنجیدگی اختیار کر لی۔ کچھ کچھ اسلامی، معاشرتی، تاریخی، علمی اثرات دبی زبان سے تسلیم کئے جانے لگے، پہلے مغربی مؤرخین ومصنفین اسلام کا مطالعہ ترکی سے شروع کرتے تھے، اٹھارویں صدی میں سائمن اوکلے نے عہد وصال نبوی ﷺ سے شروع کیا پھر انیسویں و بیسویں صدی عالم اسلام کے ابتلا اور شکست کی صدی تھی، اب مغرب کے عالم اسلام کو سیاسی، اقتصادی، علمی وفکری طور پر شکنجہ میں جکڑ لیا تھا، اب اسلام کے مزید کچھ محاسن تسلیم کئے جانے لگے، مگر انیسویں و بیسویں صدی کے مغربی اہل قلم کی تحریریں احساس برتری سے لبریز ہیں کہ اصل تہذیب، مذہب وقانون مغرب کا ہے۔ تکبر کے احساس سے طعن وتشنیع، دل آزاری اور انتقامی انداز نمایاں ہو اغرض مغربی اسکالرز و دانشوروں کی تحریریں ہمیشہ سے سرد جنگ کا حصہ تھیں، ان کا پروپیگنڈہ اس قدر شدید طاقت ور ہے کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جس نے اسلام کو اپنے اصل مآخذ کے بجائے مغربی تحریروں سے پڑھا ہے، اس کی سوچ وفکر مکمل طور پر مغربی اہل قلم ومستشرقین سے ہم آہنگ ہے، مغرب میں روزگار کی خاطر آنے والے مسلمانوں کی بھاری اکثریت اسلام کے حوالے سے بے یقینی کا شکار ہے، نظریاتی بے یقینی معاشرہ کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے نیز طاقت ور حریف انہیں بآسانی اپنے ہی معاشرہ کے خلاف آلۂ کار بنالیتا ہے جیسا کہ برطانیہ میں ہزاروں مسلمان برطانوی انٹلی جنس کے لئے کام کررہے ہیں ان میں بے شمار مولوی بھی ہیں۔ یہ علمی سرد جنگ (مستشرقین) جو تقریباً پانچ صدیوں سے جاری ہے اس کا ازالہ تو کجا ابھی تک اس کے بیشتر گوشے پردۂ راز میں مستور ہیں، تاہم تاریخ میں پہلی بار یا اب موقع آیا ہے کہ آج گلوبل ویلیج کے عنوان سے مغرب اوراس کے واسطے سے پوری دنیا میں جو عالمی ضابطۂ اخلاق اور معاشرتی اقدار کی تدوین وترتیب ہورہی ہے اس میں ہم

اسلام، قرآن اور شریعت کے انسانی معاشرہ کیلئے مفید، بہبود کے ضامن اور مثبت پہلوؤں سے مغرب کو روشناس کرایا جاسکتا ہے اس طرح انسانی معاشرتی واجتماعی مسائل کے حل کیلئے سیرت نبوی ﷺ کے بہت سے گوشے مدد ومعاون ہو سکتے ہیں، کیا مغرب میں بسنے والے کروڑوں مسلمان اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاسکیں گے؟

آج کی دنیا ایک بستی یا گاؤں (گلوبل ویلیج) اور مختلف ممالک اس کے محلے بن چکے ہیں، ہر ملک ملٹی نیشن، ملٹی کلچر وملٹی ریلیجین ملک ہے، دنیا کے ہر بڑے شہر میں ایک پڑوسی کرسچین، دوسرا یہودی، تیسرا شوشلسٹ یا بدھسٹ ہونا عام بات ہوگئی ہے نیز سیکولرزم، ڈیموکریسی انسانی حقوق کو عصری دنیا بطور ایک عقیدہ ومذہب کے تسلیم کرچکی ہے اور سیکولرزم کے معنیٰ کسی خاص مذہب یا تمدن کی ترجیح کے بجائے ہر مذہب وکلچر کو مساوی حقوق دینا اور سب کیلئے مواقع فراہم کرنا ہے تاکہ ہر مذہب وکلچر کا فرد باہمی رواداری قربت، محبت سے رہ کر ملک وقوم کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکے۔ آج دنیا کا سب سے اہم مسئلہ یہی باہمی قربت، افہام وتفہیم، رواداری کا ماحول ہے، جب تک دنیا کی دو بڑی قوموں (مسلمان وکرسچین) کے درمیان یہ رواداری و افہام وتفہیم کی روایت قائم نہیں ہوگی دنیا میں امن کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ ان دو بڑی قوموں کے درمیان ٹکراؤ وکشیدگی سے صرف اور صرف صہیونی نسل پرستوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ اس طرح انہیں دونوں قوموں پر اپنے خونی پنجے گاڑنے کا مزید موقع ملے گا، یہ بات مغرب جتنی جلدی سمجھے اس کے اور انسانیت کے حق میں بہتر ہوگا۔

اس وقت دنیا کا سب سے مقبول نظام وسسٹم ڈیموکریسی و سیکولرزم ہے جس پر مغرب کا نہ صرف ایمان ویقین ہے بلکہ وہ اس کی خاطر قوموں کی نسل کشی پر بھی آمادہ ہے۔ افغانستان وعراق میں اپنی خونریزی کو جواز دینے کیلئے امریکہ ویٹو کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم ڈیموکریسی وسیکولرزم کی برکات بانٹنے آئے ہیں اور ان دونوں کی روح ہے حکومت اور قوانین معاشرہ کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہوں نہ کہ باہر سے مسلط کئے جائیں حتی کہ دنیا کی کسی (ربڑ اسٹامپ) پارلیمنٹ کو بھی یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ عوام کی مرضی کے خلاف کسی سپر پاور کے دباؤ میں آکر قوانین معاشرہ پر مسلط کرے۔ غرض یہ عصری حاضر کی بنیادی ضرورت ہے کہ رواداری وافہام وتفہیم کا ماحول قائم کرنے کیلئے اقوام عالم کو چند مشترکہ نکات پر اتحاد واشتراک کرنا ہوگا، چودہ سو سال پہلے قرآن نے تینوں آسمانی مذاہب کیلئے مفاہمت واتحاد کا تین نکاتی فارمولا دیا تھا (۱) خالق کے سوا کسی کی حقیقی عبادت وتابعداری نہ کی جائے (۲) اس عبادت واطاعت میں کسی بھی طاقت وقوت کو شریک نہ ٹھہرایا جائے (۳) اقوام عالم (طاقتور وکمزور) ایک پھیرے پر رب وخالق بن کر اپنی مرضی مسلط نہ کریں۔ پہلے دو نکات یہودیت، کرسچینیٹی اور اسلام میں مسلم ہیں، یہ تینوں آسمانی مذاہب توحید کے قائل اور شرک سے بیزار ہیں البتہ مغرب تیسرے نکتہ کے خلاف ڈیڑھ ہزار سال سے پاپا کریسی میں مبتلا رہا ہے۔ کرسچینٹی کے مذہبی طبقہ سے بنیادی غلطی یہی ہوئی کہ انہوں نے خالق کا اطاعت وقانون سازی کا حق پوپ کو دے کر اسے عملاً رب وخالق کا درجہ دے دیا تھا، ہزاروں سال تک پوپ مطلق العنان بن کر مذہبی، معاشرتی، سیاسی حتیٰ کہ شہنشاہوں کے فیصلے کرتا رہا، یہ فیصلے محض اس کی ذاتی مرضی وصوابدید پر منحصر ہوتے تھے اور دنیا کی کسی عدالت میں انہیں چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر پوپ نے اپنے اقتدار کی خاطر یورپ کے عوام ومعاشرہ پر اپنی تھیوری مسلط کردی، سوچ وفکر پر پہرے بٹھادیے، ہزار سال پوپ کے مطلق العنان اقتدار کے تاریک دور (Dark) کے بعد علم وسائنس کا دور شروع ہوا، خود چرچ نے استبداد کی طاقت سے اہل

فکر و محققین کو قتل وزندہ جلا کر علم وسائنس کی راہ روکنی چاہی، یورپ نے کرسچینٹی کی اس غلطی (پاپا کریسی) کا صدیوں تک خمیازہ بھگتا، اس علم و مذہب کی جنگ میں اعلیٰ اخلاقی قدریں زوال پذیر ہوکر مغرب میں اخلاقی انارکی کا دور شروع ہوا۔گذشتہ دوصدیوں میں سازش، سرمایہ و میڈیا کی بدولت مٹھی بھر شاطر ٹولہ (صیہونی نیوفون) نے یورپ کے معاشرہ کو بے بس کرکے یرغمال بنالیا،اب مغرب کے عوام کو اس گھناؤنی سازش کا احساس ہونے لگا ہے چنانچہ یہ شیطانی ٹولہ (جی-8 وسرمایہ دار ملٹی نیشنل کمپنیاں) جہاں جمع ہوتے ہیں نفرت کی صورت میں عوام کا ردّعمل سامنے آتا ہے مگر اب تک انسانیت کے سارے وسائل پر قابض ہونے کی وجہ سے یہ ٹولہ کامیاب ہے مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کا حشر بھی پاپا کریسی کی طرح ہوتا نظر آرہا ہے، بقول ایک مفکرُ تاریخ کا پہیہ اگرچہ آہستہ چلتا ہے مگر پیتا باریک ہے' لگتا ہے مغرب کا معاشرہ ایک بار پھر بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہوکر بکھراؤ کی طرف چل پڑا ہے، اگر مغرب کے مفکرین واہل دانش نے گلوبل ویلیج معاشرہ کیلئے اقدار وضابطہ تلاش نہ کیا تو تباہی سامنے کی بات ہے، یہ مسلم علماء واہل دانش کیلئے بھی لمحۂ فکریہ ہے کہ عالمی انسانی بہبودی کی اقدار وضابطہ کے تعین میں شریعت، فقہ اسلامی کا رول کیا ہو، اگر ہمارے علماء واہل دانش اس خلاء کے پُر کرنے پر اپنی سوچ وفکر اور علمی کاوشوں کا رخ کرسکیں اسلام ہی کی نہیں پوری انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔

اسلامی قانون کا امتیاز یہ ہے کہ یہ بنیادی طور پر غیر سرکاری قانون ہے جس کے بنانے، مرتب کرنے اور توسیع دینے میں کبھی بھی کسی حکومت، ریاست، طاقت ورطبقہ کی مداخلت نہیں رہی، یہ عوامی علماء کے ذریعہ مرتب ہوا، امام ابوحنیفہؒ کا دماغ عظیم ترین دماغوں میں ایک تھا جن کی تعبیر قانون کو مسلمانوں کا دوتہائی کے قریب حصہ تسلیم کرتا ہے، وہ کسی حکومتی قانون ساز ادارہ کے رکن نہیں ہیں، امام احمد بن حنبلؒ جن کے فقہی اقوال کو آج سعودی عرب میں قانون کی حیثیت حاصل ہے ان کو کسی بادشاہ نے قانون سازی کیلئے مقرر نہیں کیا تھا، اسلام کی پوری تاریخ گواہ ہے اگر کبھی کسی حکمراں یا فوجی ڈکٹیٹر نے طاقت کے زور پر کوئی قانون نافذ کرنا چاہا تو مسلم عوام نے اسے مسترد کرکے علماء، فقہاء وعابدین کے آراء پر عمل کیا جبکہ دنیا کے تمام قوانین (بشمول کرسچینٹی کے مذہبی عقائد) شہنشاہوں اور طاقت ورحکمرانوں کی مرضی کے مطابق مرتب ہوئے حتی کہ نیقہ کونسلوں کے گہرے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کرسچینٹی کے بنیادی مذہبی عقائد تک تمام قوانین و فیصلے رومن شہنشا کی مرضی سے بنتے رہے نہ کہ کاؤنسلوں کے اراکین (جوصرف مذہبی پادری ہوتے تھے) کی آراء سے دنیا کے تمام قوانین ودساتیر کی تاریخ ہی ہے کہ پہلے ریاست قائم ہوئی پھر اس نے اپنی طاقت سے قانون بنا کر نافذ کیا مگر اسلام میں قانون پہلے بنا پھر اس کے مطابق ریاست قائم ہوئی ۔اسلام میں بھی ریاست کا جواز صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ قانون شریعت کی حفاظت ونفاذ کرے ورنہ وہ ایک قانونی جواز کھوبیٹھتی ہے۔

آج جبکہ دنیا کا ایک بڑا مسئلہ جرائم کی بہتات وکثرت ہے، ہرسال کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ قتل، چوری ڈکیتی، زنا بالجبر سمیت تمام جرائم دن بدن بڑھتے جارہے ہیں، انہیں ختم کرنے بلکہ کم کرنے کی ہرکوشش ناکام ہے، دنیا کی سب سے ترقی یافتہ، متمدن کہلانے والی قوم امریکہ میں ہرروز بلکہ ہرگھنٹہ کے جرائم ہوش ربا اعداد وشمار اس بات کی دلیل ہے کہ مغربی قوانین جرائم کی روک تھام میں بالکل ناکام ہوچکے ہیں، مغرب کے ہر ملک میں جتنی جیلیں تعمیر ہوتی ہیں ناکافی ہوجاتی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب میں عام انسانوں سے زیادہ حقوق مجرموں اور قاتلوں کے ہیں، امریکہ میں ایک شخص سو کے قریب معصوم بچوں کو اغوا کرکے ان

سے بدفعلی و بدکاری کر کے انہیں بے دردی سے قتل کرتا ہے جب پکڑا جاتا ہے تو امریکہ کے بہت سے نامور وکیل انسانی ہمدردی میں اسے پھانسی سے بچانے کیلئے میدان میں آجاتے ہیں، جبکہ یہ معلوم تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کا قانون شریعت جرائم کو جڑ سے اکھاڑ کر نا پید کر دیتا ہے، ۱۴ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی اسلامی قانون شریعت سے کسی ملک و قوم نے فائدہ اٹھایا تو سوسائٹی کو جرائم سے پاک کرنے میں انتہائی مدد ملی۔ آج سعودی عرب میں اسلامی قانون وشریعت کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ (حدود وقصاص) کے نفاذ کی وجہ سے وہاں جرائم کی تعداد دنیا میں سب سے کم ہے، کیا یہ بات اقوام عالم اور مغرب سمیت ہر تمدن و معاشرہ کیلئے غور وفکر کا تقاضہ نہیں کرتی کہ گلوبل ویلیج کا بنیادی تقاضہ ہے کہ رنگ ونسل، قومیت وطبقہ کی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر کھلے دل سے دنیا کے تمام قوانین، شرائع، دساتیر کا جائزہ لیا جائے، مطمح نظر صرف جرائم کا خاتمہ اور انسانی بہبود ہو نہ کہ کسی خاص تمدن وآئین کا تسلط۔ آرچ بشپ ڈاکٹر ویلمز کے ریمارکس سے برطانیہ میں مسلمانوں کو شریعت کے حوالے سے شریعت کا صحیح موقف پیش کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ آیا تھا مگر مسلمان اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے، اس کے برخلاف اسلام دشمن (صہیونی ویئوکون) طاقتور میڈیا کے ذریعہ اسلام کا ہوا کھڑا کر کے اقوام یورپ کو ڈرا دیا، حتیٰ کہ وضاحت کے بہانے ڈاکٹر روون ویلمز کو بھی ایک حد تک پسپائی اختیار کرنی پڑی، لیکن اس بحث سے مثبت نتائج بھی نکلیں گے چنانچہ ۲۸ فروری ۲۰۰۸ء برطانیہ کے دو روز ناموں ''فائننشل ٹائمز اور ٹیلی گراف'' نے خبر دی ہے کہ حکومت سنجیدگی سے سوچ رہی ہے کہ برطانیہ میں بسنے والے مسلم علماء کو اسلامی قانون اور شریعت کی باقاعدہ ٹریننگ دی جائے، اس مسئلہ میں برطانیہ کی اسلام دشمن اور اسلام کے سخت گیر پالیسیوں کے حامی قوتوں کی پوری کوشش ہوگی کہ شریعت لاء کی تعبیر وتشریح مغربی نکتہ نظر کے مطابق یا دوسرے الفاظ میں مغربی اقدار وسسٹم کو کسوٹی بنا کر کی جائے لیکن قدرت نے ہمارے لئے بھی بہت سے مواقع پیدا کر دئے ہیں کہ ہم اسلام وشریعت کے انسانی سوسائٹی کے متعلق فلاح و بہبود اور فائدہ مند پہلوؤں کو سامنے لائیں جن میں ایک یہ ہے کہ اسلام نے اس دور میں جب ایک مذہب تمدن کے لوگوں کے درمیان دوسرے مذہب کا زندہ رہنا مشکل تھا دوسرے مذاہب وشرائع نے اپنے اپنے مذہبی قوانین کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی مکمل ضمانت دی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے میثاق مدینہ میں یہودیوں اور مدینہ واطراف کے غیر مسلم بُت پرست قبائل کو پوری آزادی کے ساتھ ان کے قوانین پر چلنے کی آزادی دی، اسی طرح اور خلفاء راشدین نے یروشلم، عراق، وسط ایشیاء کے تمام مفتوحہ ملک میں تمام مذاہب واقوام کو ان کے قوانین پر چلنے کی آزادی وتحفظ فراہم کیا۔ آج بھی مصر کے قبطی کرسچن ہوں یا عرب دنیا کے یہودی، سب آزادی سے اپنے قانون وشرائع پر عمل پیرا ہیں، اگر یہی حق اکیسویں صدی میں مغرب میں بسنے والی مختلف مذاہب کی کیمونٹیز کو مل جاتا ہے تو اس سے کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑے گا، نہ یہاں کے عدالتی سسٹم وقانون کیلئے کوئی خطرہ یا مسئلہ پیدا ہوگا بلکہ ملک میں بسنے والی تمام کیمونٹیز میں باہمی ہم آہنگی اور قربت کا ذریعہ بنے گا۔ جب آرچ بشپ کے ذریعے برطانوی میڈیا میں یہ بحث چھڑ گئی ہے تو ہماری پوری کوشش ہونی چاہئے کہ بحث کو مثبت رنگ دیں اور شریعت کے انسانیت ومعاشرہ کیلئے نفع بخش پہلوؤں کو سامنے لائیں خاص طور پر اس غلط فہمی کا ازالہ کریں کہ شریعت صرف چور کا ہاتھ کاٹنے یا زانی کو سنگسار کرنے کا نام نہیں ہے، حدود وقصاص کا نفاذ اسلام میں معاشرہ کی مکمل اصلاح اور معاشرہ کے مکمل طور پر آخری آسمانی تعلیمات پر استوار ہونے کے بعد ہی ممکن ہے۔

❁ ❁ ❁

برطانوی مسلمانوں میں

اسلامی عدالت کا بڑھتا شوق

وسیم احمد

اسلام کے تمام احکام اور آئینی شقیں خالق کائنات کی طرف سے بنائی گئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام جزوی وکلی پہلو انسانی فطرت سے بھرپور میل کھاتے ہیں۔اگر سیاسی، مالی یا وقتی مفاد کے تحت اس کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی جائے تو عارضی طور پر انسان ایسا کرسکتا ہے اور اسے وقتی طور پر کچھ فائدے بھی نظر آتے ہیں، مگر کبھی نہ کبھی اس پر حقیقت آشکار ضرور ہوتی ہے اور وہ اس بات کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ کامیابی کا صحیح مفہوم دستور اسلامی کو اپنانے میں ہی پنہاں ہے، جیسا کہ پچھلے دنوں برطانیہ کے ایک عیسائی پیشوا نے اسلامی قوانین کی کچھ شقیں برطانوی دستور میں شامل کرنے کی باتیں کیں، اس سے ان کا مقصد برطانوی آئین کو استحکام دینا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی باتوں کو سیاسی رنگ دے کر ماننے سے انکار کردیا گیا اور وہاں کے دستور میں اسلامی قوانین کی شقوں کو جگہ دینے سے معذرت کر لی گئی، مگر سچ تو یہ ہے کہ حکومت نے بیشک اس کے نفاذ سے معذرت کر لی ہو مگر عوامی سطح پر اس کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔آج بھی برطانیہ کے ہزاروں لوگ اسلامی قوانین میں ہی اپنی کامیابی کا راہ تلاش کر رہے ہیں۔ایک اندازے کے مطابق برطانیہ میں تقریباً 1.8 ملین مسلم آباد ہیں، اور یہ تمام لوگ اپنے پرسنل لا کو برطانوی عدالت میں لے جانے کے بجائے اسلامی عدالت کے ذریعے حل کرنے کو پسند کرتے ہیں۔اپنی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کچھ مذہبی پیشواؤں کی کوششوں سے وہاں جا بجا 'اسلامی عدالتیں' قائم ہیں، جہاں ہر روز بڑی تعداد میں نکاح وطلاق اور میراث کے فیصلے سنائے جاتے ہیں۔ یہ تمام فیصلے قرآن واحادیث کی روشنی میں کیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صہیب (جنرل سکریٹری برائے تنظیم اسلامی امور) کے مطابق حکومت برطانیہ گرچہ اسلامی جزیات کو برطانوی آئین میں شامل کرنے سے انکار کرتی ہے مگر یہاں کے مسلم عوام میں بڑھتی دلچسپی کی وجہ سے 10 ایسے اسلامی محکمے قائم ہیں جہاں اسلامی دستور کے مطابق فیصلے سنائے جاتے ہیں۔انھوں نے لوگوں میں اسلامی قوانین کو اپنی زندگی میں نافذ کیے جانے کے تعلق سے کہا کہ اب تک ان اسلامی عدالتوں سے مجموعی طور پر 7000 قضیے جو ازدواجی زندگی کے متعلقات میں سے تھے، نپٹائے جا چکے ہیں۔55 سالہ ڈاکٹر صہیب مشہور عالم دین مرحوم عبداللہ بن باز (مفتی عام سعودی عرب) کے شاگرد خاص میں شمار کیے جاتے ہیں۔1966 میں انھیں افریقہ کے لیے مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا جہاں 9 سال قیام کرنے کے بعد وہ لندن واپس آگئے اور یہاں 1982 میں ایک اسلامی محکمے کی داغ بیل ڈالی۔ان محکموں کے قیام سے ان کا مقصد تھا لوگوں میں پرسنل لا

میں احکام اسلامیہ کی پیروی کا مزاج پیدا کرنا۔شاید وہاں کی مسلم آبادی کو بھی کسی ایسے ہی محکمے کا شدت سے انتظار تھا،اسی لیے جب وہاں اسلامی عدالت قائم ہوئی تو ہر شخص نے اس کی پذیرائی کی اور اپنے پرسنل لا کے تعلق سے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کے لیے یہاں رجوع کرنے لگے۔

لندن کے مختلف حصوں میں 10 محکمے قائم ہیں اور ہر محکمہ اپنا فیصلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی کرتا ہے۔لہٰذا تمام مکاتب فکر کے لوگ حنفی، مالکی، مقلد، غیر مقلد، سنی اور شیعہ کسی کی تفریق نہیں، سبھی آتے ہیں اور فتاوے لے کر اسے اپنی زندگی میں نافذ کرتے اور سکون قلب حاصل کرتے ہیں۔قضیوں کو سلجھانے میں محکمے کا اپنا مخصوص طریقہ کار ہے۔جب کبھی طلاق کا معاملہ سامنے آتا ہے تو پہلے طرفین کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے ولی کو سامنے بیٹھا کر دونوں فریق کے درمیان ہم آہنگی کی راہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اگر صلح کے تمام راستے بند ہو جائیں اور طرفین میں سے کوئی بھی ملنے پر رضامند نہ ہوں تو پھر موقع اور سیاق وسباق کے مطابق طلاق یا خلع کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔اب تک ان محکموں کے ذریعے تقریباً 50 فیصلے صرف طلاق سے متعلق سنائے جا چکے ہیں۔ڈاکٹر صہیب کے مطابق ان محکموں میں صرف ایسے معاملے ہی درج کیے جاتے ہیں جن کا تعلق ازدواجی زندگی سے ہو۔اگر معاملہ زنا یا قتل یا پھر چوری وغیرہ کا ہو تو ایسے معاملوں کو یہاں زیر غور نہیں لایا جاتا، بلکہ صاحب معاملہ کو ان قضیوں کو لے کر حکومت کے ذریعے بنائی ہوئی عدالتوں میں لے کر جانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔جب یہاں کوئی معاملہ سامنے آتا ہے تو پہلے اس پر بحث کی جاتی ہے، پھر علمائے کرام کے درمیان جو طے ہوتا ہے اس کو تحریری شکل میں صاحب معاملہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔جن علمائے کرام کے درمیان بحث کی جاتی ہے ان میں شیخ معز العرب، ھیثم الحداد الفلسطینی، احمد عویس صومالی اور مولانا ابو سعد شامل ہیں۔اگر مدعی و مدعا علیہ راضی ہوں تو ایجار واستیجار (کرائے کا لین دین) کے معاملے بھی زیر غور لائے جاتے ہیں۔ڈاکٹر صہیب کے مطابق اگر چہ فیصلہ سنا دیے جانے کے بعد اس کو نافذ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی قانونی حمایت حاصل نہیں ہے مگر یہاں کے مسلمانوں میں ان فیصلوں کو ماننے کا جذبہ بھر پور طریقے پر پایا جاتا ہے۔بلکہ وہ دیگر معاملوں میں بھی اپنے مسائل کو یہیں حل کرنا چاہتے ہیں مگر عدالت پرسنل لا کے علاوہ کسی دیگر موضوع کو قبول نہیں کرتی ہے۔اس وقت مسلمانوں کی 40 فیصد آبادی اسلامی عدالتوں میں اپنی ذاتیات سے متعلقہ معاملے لے کر آتی ہے۔عمر البکر اللبنانی جو اس وقت لندن کے ''کلیۃ الشریعۃ لتعلیم اصول الدین'' سے وابستہ ہیں، کہتے ہیں کہ 1982 میں اسلامی عدالت کا قیام عمل میں آیا، اس میں عوام کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے 1993 میں اصول دین کی تعلیم وتعلم کے مقصد سے مذکورہ کلیے کی بنیاد رکھی گئی، ساتھ ہی یہاں پرسنل لا کے مسائل بھی حل کیے جاتے ہیں، چنانچہ اب تک یہاں سے 1365 نکاح، 212 طلاق، 74 خلع، 17 دیت، اور 112 بیع وشراء کے تعلق سے فیصلے سنائے جا چکے ہیں۔یہاں کے مسلم عوام کی دیرینہ خواہش ہے کہ ان کے مسائل اسلامی آئین کے مطابق حل کیے جائیں۔

❁ ❁ ❁

جمعية الإمام قاسم التعليميه الخيريه الاسلاميه الهند

جمعیۃ الامام قاسم التعلیمیۃ الخیریہ الاسلامیہ الہند ایک دینی، اصلاحی، اور فلاحی ادارہ ہے، جو شمالی بہار میں متحرک اور فعال ہے۔ ہندوستان کی ریاست بہار کے شمال مشرقی علاقہ کوسی اور پورنیہ دو مشہور کمشنریاں ہیں جو سات اضلاع پر مشتمل ہیں، یہ علاقہ مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے ایک طرف نیپال کی لمبی سرحد ہے تو دوسری طرف شمال مشرقی ہند کی ریاستوں اور بنگلہ دیش کی سرحد ملی ہوئی ہے اس علاقہ میں تقریباً ۵۰/ لاکھ مسلمان آباد ہیں جو تعلیمی، معاشی اور سیاسی طور پر انتہائی پسماندگی کا شکار ہیں، مسلمانوں کی معاشی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت تو دور ان کی صحیح طریقہ سے کفالت کی بھی استطاعت نہیں رکھتے اور قبائلی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان حالات کا ادراک کرتے ہوئے جمعیۃ کے ماتحت مکاتب و مدارس کا قیام، دینی و اصلاحی پروگرام، مسلمانوں کی شعوری و فکری تربیت اور مسلمانوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

الحمدللہ اس وقت 75 مکاتب کام کررہے ہیں، ضلع سُپول میں بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے ''معہد عائشہ للبنات''، مولانا زکریا میموریل ہاسپٹل، مولانا آزاد اسکول اینڈ ٹیکنیکل سینٹر کا قیام زیر منصوبہ ہے اور اسی طرح ایک انگلش میڈیم اسکول کے لیے فاربس گنج ضلع ارریہ بہار میں ایک ایکڑ زمین کا بھی معاملہ طے کرلیا گیا ہے جس کی رقم کی ادائیگی ابھی باقی ہے۔ ان منصوبوں کی تکمیل کی لاگت کا تخمینہ ڈھائی کروڑ روپے ہے۔ اس کے علاوہ امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا اس علاقے کے معاشی طور پر کمزور افراد اور یتیم بچیوں کی شادی کا نظم بھی کرتا ہے اور سیلاب زدگان کی راحت وریلیف کا بھی نظم کرتا ہے۔

مدارس کے غریب اور نادار فضلاء کے لیے جو کالجز اور یونیورسٹی میں داخلے کے خواہش مند ہیں، حتی المقدور وظائف کا نظم کرتا ہے۔ ان سب منصوبہ جات پر عمل درآمد کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے، جو آپ حضرات کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں، خاص کر ۱۱/ستمبر کے بعد مسلمانانِ ہند جس طرح کے حالات سے دوچار ہوئے ہیں اس پس منظر میں اہل ثروت اور تعاون کا جذبہ رکھنے والے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ کسی نہ کسی سطح پر دست تعاون دراز کریں، تاکہ آپ کے تعاون سے یہ عظیم کام انجام پا سکے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا کرے اور تمام آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ آمین

الـــداعيـــان

مفتی محفوظ الرحمان عثمانی	مولانا فرید الدین قاسمی
صدر: امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا	سکریٹری جنرل: امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا
بانی و مہتمم، جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدہوبنی سپول بہار	واستاذ حدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند

مولانا محمد یوسف انور قاسمی: سکریٹری

باب ششم

مختلف اسکولوں کا تعارف

بنگال محمڈن

میریج ایکٹ

قانون (عدالتی) نوٹی فکیشن

۱۴؍اگست ۱۹۲۰ء بنگالی محمڈن میرج اینڈ ڈائیورس (شادی و طلاق) ایکٹ کی دفعہ ۳۴ جسے ٹرانسفر پروجیکٹ (عارضی انتظام) ایکٹ کے قاعدہ ۲ (۲) کے ساتھ پڑھا جائے اور اس ایکٹ کی دفعہ ۱۸ اور ۲۴ کے تحت مرتب تمام سابقہ قواعد کو منسوخ کرتے ہوئے حکومت بنگال تمام اضلاع کے لئے مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کرتی ہے۔

۱۔ مستقل کمیٹی: انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن کے مشورے سے حکومت بنگال تین سال کی مدت کے لے اس مستقل کمیٹی کے ممبران کا تقرر کرے گی، جو ریز ولیوشن مورخہ ۱۴؍اگست ۱۹۲۰ کے ذریعہ تشکیل دی گئی ہو۔

۲۔ مستقل کمیٹی کی ذمہ داریاں: یہ کمیٹی انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن کو مسلمان رجسٹراروں کے تقرر کے سلسلہ میں امیدواروں کے انتخاب میں مشورہ دے گی نیز دیگر ایسے عام امور میں بھی انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کو مشورہ دے گی جو اسے بھیجے جائیں گے۔

۳۔ امیدواروں کے سلیکشن (انتخاب) کا طریقہ کار، (کلکتہ کے علاوہ دیگر اضلاع میں محمڈن رجسٹرار کی آسامی خالی ہونے یا نئی آسامی وضع ہونے پر) رجسٹرار فوری طور پر ایک عارضی تقرری کرے گا، تاکہ اسی عہدہ کی ذمہ داریاں ادا کی جاتی رہیں، وہ جگہ خالی ہونے کی اطلاع انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کو ارسال کرے گا اور اس منصب پر مستقل تقرری کے لئے درخواستیں طلب کرے گا۔ انسپکٹر جنرل رجسٹریشن بھی تقرر کے لئے درخواستیں طلب کرسکتا ہے، لیکن ان موصولہ درخواستوں کو وہ متعلقہ ضلع کے رجسٹرار کو ارسال کردے گا، رجسٹرار ان درخواستوں کو اپنی سفارشات کے ساتھ انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کو ارسال کرے گا ان درخواستوں میں سے چار بہترین امیدوار کے نام بہ لحاظ ترجیح برائے تقرر بھیجے جائیں گے، باقی درخواستوں پر ''نا قابل سفارش'' لکھا جائے گا یہ درخواستیں موصول ہونے پر انسپکٹر جنرل رجسٹرار اپنے ریمارکس (رائے) کے ساتھ مستقل کمیٹی کو پیش کرے گا کمیٹی ان درخواستوں پر غور کرکے ہر خالی جگہ پر تقرری کے لئے ترجیحی امیدواروں کے ناموں کی سفارش کے ساتھ اپنے ملاحظات اسے پیش کرے گی۔ یہ سفارشات وہ

گورنمنٹ کوارسال کرے گا۔ گورنمنٹ تین ناموں سے کسی ایک کومنتخب کرے گی کسی خاص سبب کے تحت امیدواروں کی فہرست میں سے کسی دیگر امیدوار کوبھی منتخب کیا جاسکتا ہے۔

(بی) عارضی تقرر کے لئے طریقۂ کار:

عارضی تقرر کے لئے مستقل کمیٹی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کے ذریعہ ڈسٹرکٹ رجسٹرار کی سفارشات حکومت کو پیش کردی جائیگی اگر وہ اسے منظور نہ کرے تو تقرری کے لئے کسی دیگر نام کی سفارش کرسکتی ہے۔ حکومت کے منظور شدہ امیدوار کوایک عارضی لائسنس جاری کردیا جائے گا۔

(سی) کلکتہ میں عارضی یا مستقل اسامیوں کو پر کرنے کا طریقہ کار:

کلکتہ میں عارضی یا مستقل آسامیوں کو پر کرنے کی درخواستیں انسپکٹر جنرل رجسٹریشن وصول کرے گا۔ عارضی تقرریوں کے لئے وہ موزوں امیدوار کے ناموں کا انتخاب کر کے حکومت کوارسال کرے گا، مستقل آسامیوں (عہدے) پر تقرری کے لئے وہ مستقل کمیٹی سے مشورہ کرے گا کمیٹی ہر خالی جگہ کے لیے تین ناموں کی سفارش کرے گی وہ ان ناموں کی فہرست کو اپنی اور کمیٹی کی رائے کے ساتھ حکومت کو پیش کرے گا۔

۴۔امیدوار کی قابلیت:

محمڈن رجسٹرار کے عہدے پر منتخب کئے جانے والے امیدوار کو عربی زبان اور محمڈن لا (شریعت) کے شادی وطلاق کی بابت بخوبی علم ہونا چاہئے اوراسے اچھے اخلاقی کردار کا حامل ہونا چاہئے وہ امیدوار جو تقرر کے لئے مستقل کمیٹی کے ممبران سے رابطہ کرے گا خود یا کسی دیگر ذریعہ سے اسے اس عہدہ پر تقرر کے لئے نا اہل سمجھا جائے گا۔

(بی) مقامی امیدواروں کو ترجیح دی جائے گی:

امیدواروں کے انتخاب میں رجسٹرار انسپکٹر جنرل رجسٹریشن اور مستقل کمیٹی جہاں تک ممکن ہو اچھے کردار کے موزوں اور بہتر قابلیت رکھنے والے مقامی امیدواروں کو ترجیح دے گی۔

درخواست فارم:

امیدوار کو مندرجہ ذیل فارم کی خانہ پری کر کے درخواست دینی چاہئے۔

اسی کے ساتھ اچھے اخلاقی کردار کے حامل ہونے کا سرٹیفکٹ اور کسی مدرسہ سے تعلیمی قابلیت کا سرٹیفکٹ بھی منسلک کرنا چاہئے۔ امیدوار کو یہ سرٹیفکٹ بھی پیش کرنا ہوگا کہ وہ عربی زبان اور نکاح وطلاق سے متعلق محمڈن لا سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے۔ اس سرٹیفکٹ پر دو مسلمانوں کے دستخط ہونے چاہئیں۔

۱۔ امیدوار کا نام اور دستخط۔ درخواست دینے کی تاریخ اور پورا پتا

۲۔ عمر.......................

۳۔ امیدوار کا پیشہ یا موجودہ مشغلہ۔ موجودہ تنخواہ یا پنشن۔

۴۔ والد کا نام اور پیشہ..................................

۵۔ امیدوار کے خاندان کی موجودہ رہائش

۶۔ محمڈن رجسٹری آفس اور صدر اسٹیشن سے امیدوار کی رہائش گاہ کا فاصلہ۔

۷۔ کیا امیدوار کے پاس دفتر کے لئے تعمیر شدہ مکان ہے؟

۸۔ اگر پہلے سرکاری ملازمت کی ہے تو سابقہ ملازمت کی

تفصیل۔ اگر ملازمت سے برخاست ہوا ہے تو اس کی کیفیت۔

۹۔ ان اشخاص کے نام اور پتے جنہوں نے امیدوار کی سفارش کی ہے۔

۱۰۔ کیا امیدوار عربی، فارسی، اردو، بنگالی اور انگریزی سے واقف ہے؟

۱۱۔ کیا امیدوار محمڈن لاء سے واقفیت رکھتا ہے اور کیا کسی پرائیوٹ، سرکاری مدرسہ سے سند حاصل کی ہے (مدرسہ نام لکھئے)

۱۸۷۶ء کا بنگال ایکٹ 1

دی محمڈن ۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۰ء تک ترمیم شدہ اینڈ ٹورس رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۷۶

مسلمانوں کی شادیوں اور طلاق کے لازمی رجسٹریشن کا ایکٹ ۱۹/ جنوری ۱۸۷۶ء

چونکہ یہ قرین مصلحت ہے کہ مسلمانوں میں شادی اور طلاق کے معاملات رضا کارانہ اندراج کرایا جائے، مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کیے جاتے ہیں۔

مقامی دائرہ نفاذ: اس ایکٹ کا آغاز اور نفاذ، بنگال بہار اور اڑیسہ کے اضلاع میں ہوگا۔ یہاں کی صوبائی حکومتیں ایک حکم کے ذریعہ جسے سرکاری گزٹ میں شائع کیا جائے گا اس کا نفاذ کریں گی اور اس حکم کے اقرار کی تاریخ اس کا نفاذ عمل میں آئے گا۔

تشریح:- اس ایکٹ میں جب تک کہ اس کے برخلاف مذکور نہ ہو۔

محمڈن رجسٹرار: سے مراد وہ شخص ہوگا جسے اس ایکٹ کے تحت شادی اور طلاق کے رجسٹریشن کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن: انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن اور رجسٹرار سے بالترتیب افسران مراد ہوں گے جنہیں اس ایکٹ کے تحت ان عہدوں پر مقرر کیا جائے یا کسی دوسرے ایکٹ کے تحت جو فی الوقت نافذ العمل ہو۔

محمڈن میرج اینڈ ڈائیورس ایکٹ ۱۸۷۶

(بنگال ایکٹ ۱)

سیکشن (۳-تا-۶)

۱۔ ضلع: ضلع سے مراد وہ علاقہ ہوگا جسے انڈین رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۰۸ء کی دفعہ ۱۶ کے تحت تشکیل دیا گیا ہو۔

۲۔ پردہ نشین: پردہ نشین سے مراد وہ عورت ہوگی جو اپنے ملک کے رسوم و رواج کے مطابق کسی عوامی دفتر میں پیش ہونے سے معقول طور پر اعتراض کرے۔

۳۔ ریاستی حکومت کے لئے از روئے قانون یہ درست ہوگا کہ وہ کسی محمڈن (مسلمان) کو کسی خاص علاقے میں ایسی شادیوں اور طلاق کے رجسٹریشن (اندراج) کے لئے لائسنس دے جس کے اندراج کے لئے اسے درخواست دی گئی ہو۔ اس کے ساتھ ریاستی سرکار کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ ایسے لائسنس کو معطل یا منسوخ کردے۔

۴۔ ہر محمڈن رجسٹرار ایک سیل (مہر) استعمال کرے گا جس میں فارسی میں یہ عبارت درج ہوگی محمڈن رجسٹرار برائے (علاقہ کا نام)

۵۔ ریاستی حکومت ہر محمڈن رجسٹرار کو مذکورہ بالا مہر اور دیگر کتابیں

فراہم کرے گی جو اس ایکٹ کے تحت مطلوب ہوں۔

ان کتابوں کے صفحات پرترتیب سے نمبر چھاپے جائیں گے اور یہ کتابیں جاری کرنے والا افسر صفحوں کی تعداد کا سرٹیفکٹ کتاب کے ٹائٹل صفحہ پر دے گا۔

٦۔ محمڈن رجسٹرار مندرجہ ذیل رجسٹر رکھے گا۔

رجسٹر ۱ شادیوں کا رجسٹر بشمول اس عورت کی شادی جسے طلاق تفویض دیدی گئی ہو اس کا اندراج فارم سیڈول ۱ میں کیا جائے گا جو اس ایکٹ میں شامل ہے۔

رجسٹر۲ طلاقوں کے اندراج کا رجسٹر اس میں فارم بی (ایکٹ مذکور) میں ان طلاقوں کا اندراج کیا جائے جو خلع (طلاق تفویض) کے تحت نہیں آتیں۔

دی بنگالی محمڈن میرج اینڈ ڈائیورس رجسٹریشن ایکٹ۱۸۷۲ء

دفعہ۷اور ۸

رجسٹر **iii** وہ طلاقیں جو خلع کے طور پر جانی جاتی ہیں یہ فارم سی ایکٹ مذکور میں درج کی جائیں گی، رجسٹر ار۴ ایسی طلاقوں کے اندراج کا رجسٹر میں وہ طلاقیں درج کی جائیں گی جو طلاق تفویض کہلاتی ہیں انہیں ایکٹ کے فارم ڈی میں درج کیا جائے گا۔

۷۔ ان جملہ رجسٹروں میں جو اندراجات کئے جائیں گے ان پر طریقِ کار کے مطابق ترتیب وار نمبر اندراج دیا جائے گا یہ اندراج سال شروع ہونے سے سال کے اختتام تک جاری رہیں گے، نئے سال میں نمبر اندراج از سرِ نو شروع کیا جائے گا۔

۸۔ شادی کے رجسٹریشن کی درخواست زبانی طور پر محمڈن رجسٹرار کو دی جائے گی جو حسب ذیل ہوگی، اگر وہ درخواست شادی کے اندراج کے لئے ہے اس میں اس عورت کی شادی بھی شامل ہے جسے طلاق تفویض دی جا چکی ہے۔

یہ درخواست فریقین یعنی زن و شوہر کے ذریعہ مشترکہ طور پر دی جائے گی، لیکن اگر زن و شوہر نابالغ ہوں تو یہ درخواست ان کے متعلقہ ولی (سرپرست) کے ذریعہ دی جائے گی۔ مزید یہ کہ اگر عورت پردہ نشین ہے تو یہ درخواست اس کے بااختیار وکیل کے ذریعہ پیش کی جائے گی۔

اگر یہ درخواست طلاق کے اندراج کے لئے یعنی خلع یا طلاق تفویض کے تحت نہیں ہے اور اس شخص نے پیش کی ہے جس نے طلاق دی ہے۔

اگر یہ خلع کے اندراج کی درخواست ہے جسے متعلقہ فریقین نے پیش کیا ہے بشرطیکہ اگر عورت پردہ نشین ہے تو اس کا بااختیار وکیل یہ درخواست پیش کرسکتا ہے۔

سکشن ۹ اور ۱۹ اے

۹۔ محمڈن رجسٹرار کو کسی شادی یا طلاق کے اندراج کے لئے اس کے وقوع پذیر ہونے سے ایک ماہ کے اندر درخواست دی جائے گی اور اس کے ساتھ وہ فیس بھی ادا کی جائے گی جو اس ایکٹ میں مقرر کی گئی ہے تو محمڈن رجسٹرار

(اے) اسی بات کی جانچ کر کے خود کو مطمئن کرے گا کہ آیا وہ شادی یا طلاق واقعتاً عمل میں آئی تھی جس کے اندراج کے لئے فریقین نے درخواست دی ہے۔

(بی) ان افراد کی شناخت کی بابت خود کو مطمئن کرے گا جو شادی یا طلاق کے اندراج کے لئے اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور دعویٰ کر رہے ہیں شادی یا طلاق عمل میں آ چکی ہے۔

(سی) اگر کوئی شخص مرد/عورت کی جانب سے بطور نمائندہ پیش ہوخواہ بطور ولی (سرپرست) یا بطور وکیل پیش ہوتو محمڈن رجسٹرار اس امر کے متعلق خود کو مطمئن کرے گا کہ آیا ان لوگوں کو اس حیثیت میں پیش ہونے کا حق حاصل ہے۔

اگر محمڈن رجسٹرار مذکورہ بالا امور کے بارے میں مطمئن ہے تو اس شادی یا طلاق کا اندراج متعلقہ رجسٹر میں کرے گا۔

اس شرط کے ساتھ کہ کوئی بھی اندراج محض اس شخص کی موجودگی میں ہی کیا جائے گا، جو اس ایکٹ کی دفعہ ۱۱ کے تحت رجسٹر میں اندراج کے طور پر دستخط کر سکتا ہے۔

(۹اے) محمڈن رجسٹرار مندرجہ ذیل کا اندراج نہیں کرے گا۔

اے) کسی ایسی عورت کی شادی جسے طلاق تفویض دی جا چکی ہو۔

I) ماسوائے اس کے کہ کوئی ایسی دستاویز پیش کرے جو انڈین رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۰۸ء کے تحت رجسٹر شدہ ہو یا کسی دیگر ایکٹ کے تحت جو اس وقت اس قسم کے رجسٹریشن کے لئے نافذ العمل ہو وہ دستاویز جج کے فیصلہ کی مصدقہ نقل داخل کرے۔ جس میں کیا گیا ہو کہ طلاق واقع ہو چکی ہے۔ یا ایسی دستاویز جس سے ظاہر ہو کہ طلاق کا اندراج رجسٹرار برائے اندراج طلاق تفویض (رجسٹرار ۴) میں کیا جا چکا ہے۔

II) اس ایکٹ کی دفعہ ۹ کے تحت مندرجات کے باوجود سابقہ شوہر کے طلاق دینے کی تاریخ ۶ ماہ کے اندر

III) سابقہ شوہر کو رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعہ ایک ماہ آنوٹس دیے بغیر جو اس فارم میں دیا جائے گا جس میں اس دفعہ ۲۴ کے تحت تفصیلات مطلوب ہیں۔

(بی) وہ طلاق جسے طلاق تفویض کے طور پر جانا جاتا ہے جب تک کوئی دستاویز پیش نہ کی جائے انڈین رجسٹرار ایکٹ ۱۹۰۸ء کے تحت اندراج شدہ ہو یا کسی دیگر ایکٹ کے تحت جو اس وقت نافذ العمل تھا اور اس کے مطابق شوہر نے طلاق کا اختیار بیوی کو دیدیا ہو۔ یا شادی رجسٹر (رجسٹر ا) میں اندراج کی مصدقہ نقل جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس قسم کا اختیار دیا گیا ہے۔

۱۰۔ بنگال محمڈن میرج اینڈ دائیورس رجسٹریشن ایکٹ ترمیمی ایکٹ ۱۹۳۴ء کی دفعہ ۳ کے محمڈن رجسٹرار گریجوئٹی (عطیہ) لے سکتا ہے۔

۱۱۔ اس ایکٹ کے تحت رکھے گئے ہر رجسٹر کے ہر اندراج میں مندرجہ ذیل انداز میں دستخط کئے جائیں گے۔ اگر یہ شادی کا اندراج ہے جو اس ایکٹ کے تحت فارم ا میں کیا گیا ہے۔

فریقین زن وشوہر دونوں کو اس پر دستخط کرنے ہوں گے۔ لیکن اگر دونوں یا ان میں سے ایک نابالغ ہو تو اس کے متعلقہ سرپرست کو اس پر دستخط کرنے ہوں گے، اگر عورت پردہ نشین ہے تو اس کا با اختیار وکیل و اس کی جانب سے دستخط کر سکتا ہے۔

۲۔ دو گواہ جو شادی کے وقت وہاں موجود تھے۔

۳۔ ایسے کیس میں جہاں عورت کی نمائندگی کوئی وکیل کر رہا ہے۔ دو گواہوں کے دستخط ہوں گے جو یہ تصدیق کریں گے کہ

وکیل مذکور کو با قاعدہ مختار بنایا گیا ہے کہ وہ اس عورت کی نمائندگی کرے۔

۴۔ محمڈن رجسٹریشن کے دستخط

اگر یہ کیس ایسی طلاق کا ہے جسے ضلع کہا جاتا ہے تو اس کا اندراج ایکٹ میں مذکور فارم (سی) میں ہوگا،

۱۔ دونوں فریقین دستخط کریں گے۔ لیکن اگر عورت پردہ نشین ہے تو اس کی جانب سے باضابطہ طور پر مقرر کردہ وکیل دستخط کی شناخت کرے گا۔

۲۔ وہ گواہ جو اس شخص کی شناخت کرے گا۔

۳۔ اس شخص کے جو اس عورت کی شناخت کرے گا۔

۴۔ اگر یہ درخواست عورت کی طرف سے اس کے وکیل نے داخل کی ہے تو گواہوں کے دستخط جو اس بات کی تصدیق کریں گے کہ وکیل مذکور کو با قاعدہ مختار بنایا گیا ہے کہ وہ اس عورت کی نمائندگی کرے۔

۵۔ اگر مرد مسلک شیعہ سے تعلق رکھتا ہے تو دو گواہوں کے دستخط کہ طلاق دی گئی۔

۶۔ محمڈن رجسٹرار کی دستخط

اگر یہ اندراج اس طلاق کا ہے جسے طلاق تفویض کہتے ہیں تو اس رجسٹرار کے فارم ڈی میں درج ہوگا جو ایکٹ میں مذکور ہے۔

۱۔ اس عورت کے دستخط جس نے طلاق دی۔

۲۔ اس شخص کے دستخط جو اس عورت کی شناخت کرے گا جس نے طلاق دی۔

۳۔ اگر عورت کا تعلق مسلک شیعہ سے ہے تو دو گواہوں کے دستخط کہ طلاق دی گئی۔

۴۔ محمڈن رجسٹرار کے دستخط

۱۲۔ شادی یا طلاق کے اندراج کے بعد محمڈن رجسٹرار اندراج کی ایک ایک مصدقہ نقل فریقین کو دے گا اس مصدقہ نقل کے لئے کوئی فیس وصول نہیں کی جائے گی۔

۱۳۔ ہر ایک دفتر میں جہاں مذکورہ بالا رجسٹر رکھے جائیں گے وہاں ان رجسٹروں کے اندراجات کی فہرست مرتب کی جائے گی، اس فہرست میں جہاں تک ممکن ہو تمام اندراجات نقل کئے جائیں گے یہ اندراجات محمڈن رجسٹرار کی جانب سے متعلقہ رجسٹر میں اندراج کے فوراً بعد کئے جائیں گے۔

۱۴۔ اس فہرست میں شادی یا طلاق کے اندراج کی بابت فریقین کے نام ولدیت مقام اور رجسٹریشن کی تاریخ درج کی جائے گی۔

۱۵۔ مقررہ فیس کی پیشگی ادائیگی پر ان فہرستوں کو جو رجسٹرار یا ڈسٹرکٹ رجسٹرار کے وہاں دستیاب ہوں گی اور اس ایکٹ کی دفعہ ۲۳ کے مطابق رکھی جائیں گی ہر شخص کو ان کے مطالعہ کا حق حاصل ہوگا جو ان کے مطالعہ کے لئے درخواست دے اور ہر رجسٹر کے اندراجات کی مصدقہ نقول ان تمام درخواست کنندگان کو دی جائیگی جو ایسی نقول کے لئے درخواست دیں۔

۱۶۔ ہر ایک ڈسٹرکٹ رجسٹرار اور محمڈن رجسٹرار کو یہ اختیار ہوگا کہ اس ایکٹ کے مقاصد کی بجا آوری کے لئے مندرجہ ذیل فیس مقرر کر سکتے ہیں۔

کسی رجسٹر یا فہرست کے معائنہ اور درخواست کے لئے چار آنے فیس ادا کرنی ہوگی۔

ایکٹ کی دفعہ ۱۲ کے تحت مذکور پہلی کاپی کے علاوہ کسی دوسرے اندراج کی مصدقہ نقل کے لئے فیس ایک روپیہ ہوگی۔

۱۷۔ ہر محمڈن رجسٹرار اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی اس ضلع کے رجسٹرار کی نگرانی اور کنٹرول کے تحت کرے گا جس ضلع میں وہ تعینات ہے اور اس کا دفتر ہے۔

کلکتہ میں تعینات ہر محمڈن رجسٹرار اپنے فرائض منصبی انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کی نگرانی اور ماتحتی میں انجام دے گا۔

ہر رجسٹرار اور کلکتہ میں انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ (شکایت موصول ہونے پر یا اس کے علاوہ بھی) محمڈن رجسٹرار کی غلطی پر ایسے مناسب احکام جاری کرسکتا ہے جو اس ایکٹ کی مندرجات سے مطابقت رکھتے ہوں۔

۱۸۔ انسپکٹر جنرل رجسٹریشن کو تمام محمڈن رجسٹرار پر عام نگرانی کا اختیار ہوگا اور اسے یہ اختیار بھی حاصل ہوگا کہ محمڈن رجسٹرار کی ہدایت اور دفتری امور سے متعلق ایسے قواعد مرتب کرے جو اس ایکٹ کے مقاصد سے مطابقت رکھتے ہوں۔

۱۹۔ آخری سے پہلی دفعہ کے مطابق جو قواعد مرتب کئے جائیں گے انہیں برائے منظوری ریاستی حکومت کو پیش کیا جائے گا، حکومت کی منظوری حاصل ہونے کے بعد ان ضوابط کو وہی حیثیت حاصل ہوگی جو ایکٹ کی دیگر مندرجات کو حاصل ہے۔

۲۰۔ ہر محمڈن رجسٹرار جو کسی شادی یا طلاق کے اندراج سے انکار کرے وہ اس انکار کی وجوہات کو اس رجسٹر میں درج کرے گا جو اس مقصد کے لئے مخصوص ہوگا نیز وہ اس بارے میں آڈر بھی جاری کرے گا۔

۲۱۔ محمڈن رجسٹرار کی جانب سے شادی یا طلاق کا اندراج نہ کرنے کے حکم کے خلاف اپیل رجسٹرار کے حضور کی جائے گی جس کے ماتحت وہ محمڈن رجسٹرار کام کررہا ہے۔ یہ اپیل انکار کا حکم جاری ہونے کی تاریخ سے ۳۰ دن کے اندر داخل کی جاسکتی ہے اگر رجسٹرار محمڈن رجسٹرار کے حکم کو کالعدم قرار دے یا اسے تبدیل کردے تو اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۲۲۔ ہر ماہ کے اختتام پر محمڈن رجسٹرار اس رجسٹر میں جو ایکٹ کی دفعہ ۶ کے تحت مخصوص کیا گیا ہے۔ کے اندراجات کی تصدیق کرے گا، نیز ان فہرستوں (انڈکس) کے اندراجات کی بھی تصدیق کرے گا جو ایکٹ دفعہ ۱۳ اور ۱۴ کے تحت مرتب کی گئی ہیں، اس کے بعد یہ مصدقہ ریکارڈ اس رجسٹرار کو ارسال کردیا جائے گا جس کے زیر اختیار علاقے میں وہ محمڈن رجسٹرار تعینات ہے۔ یہ رپورٹیں موصول ہونے پر رجسٹرار انہیں اپنے ریکارڈ میں رکھے گا۔

۲۳۔ ہر محمڈن رجسٹرار یا لائسنس یافتہ رجسٹرار ایسے تمام رجسٹرار بحفاظت اپنی تحویل میں رکھے گا جب تک وہ بھر نہ جائیں اس کے بعد وہ انہیں متعلقہ دسٹرکٹ رجسٹرار کے دفتر میں بحفاظت ریکارڈ میں رکھنے کے لئے بھیج دے گا۔ یا اس شخص کو بھیجے گا جس کے لئے ڈسٹرکٹ رجسٹرار ہدایت جاری کرے۔

۲۴۔ ریاستی حکومت وقتاً فوقتاً ایسے قواعد مرتب کرسکتی ہے جنہیں وہ مناسب سمجھے بشرطیکہ یہ قواعد ایکٹ مندرجات سے متصادم نہ ہوں۔

(اے) ایسے افراد کی قابلیت کی تعیین کرنے کے لئے جنہیں

ایکٹ کی دفعہ۳ کے تحت اس کام کے لئے لائسنس جاری کیا جائے گا۔

(اے اے) ایکٹ کی دفعہ (۹) کے تحت محمڈن رجسٹرار کوادا کی جانے والے فیس مقرر کرنا۔

(اے اے اے) ایکٹ کی دفعہ (۹) اے کے تحت مطلوب نوٹس اور فارم کے لئے تفصیلات مرتب کرنا۔

(بی) محمڈن رجسٹرار کو شادی کی تقریبات میں جانے اور اس حاضری کے لئے معاوضہ کی رقم کی تعیین کرنا۔

(سی) محمڈن رجسٹرار اور رجسٹرار کی جانب سے نقول فراہم کرنے کا ضابطہ مرتب کرنا۔

(ڈی) محمڈن رجسٹرار کو سیل (مہر) فارم اسٹیشنری رجسٹر اور دیگر متعلقہ اشیاء جو حکومت کی طرف سے انہیں مہیا کی جاتی ہوں ان کے لئے رقم کی ادائیگی کا ضابطہ بنانا۔

(ای) رجسٹرار اور محمڈن رجسٹرار کی جانب سے ایکٹ کے تحت عائد کردہ فیس کے اطلاق کا ضابطہ بنانا۔

(ایف) دیگر ایسے ضوابط اور قواعد بنانا جو اس ایکٹ کے مقاصد کی بجا آوری کے لئے ریاستی حکومت کے خیال میں ضروری ہیں۔

۲۵۔ ہر محمڈن رجسٹرار سرکاری ملازم ہوگا اور اس ایکٹ کے تحت اس کے فرائض منصبی کو سرکاری ڈیوٹی سمجھا جائے گا۔

۲۶۔ اس ایکٹ میں مذکور کسی بھی ضابطے کی اس طرح تعبیر نہیں کی جائے گی کہ:

(اے) مسلمانوں کی کسی بھی شادی یا طلاق کے معاملے کو جو بصورت دیگر جائز ہو محض اس وجہ سے ناجائز نہیں قرار دیا جائے گا کہ اس کا اندراج نہیں کرایا گیا۔

(بی) کسی ایسی شادی کو جو بصورت دیگر جائز نہ ہو محض اس بنیاد پر ناجائز قرار نہیں دیا جائے گا کہ اس کا اندراج نہیں کرایا گیا۔

(سی) محمڈن رجسٹرار کی کسی شادی کی تقریب میں شرکت کو اس وقت تک باضابطہ نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اسے دونوں متعلقہ فریقین (لڑکی اور لڑکے والوں) کی جانب سے مدعو نہ کیا جائے۔

(ڈی) کسی بھی شخص کو جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اسے اس ایکٹ کی مندرجات کے تحت دستخط کرنے کی بجائے روشنائی سے نشان (انگوٹھا) لگانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔

شیڈول (ضمیمہ)

(دیکھئے ایکٹ مذکور کی دفعہ ۶ اور ۱۱)

فارم اے رجسٹر ۱

ایکٹ کی دفعہ ۶ کے تحت مطلوب مسلمانوں کی شادی اور طلاق کے رضا کارانہ اندراج کے لئے رجسٹرار شادی (اس میں اس عورت کی شادی بھی شامل ہے جسے ایسی طلاق دی گئی ہے جسے طلاق تفویض کیا جاتا ہے)۔

۱۔ نمبر شمار (بہ لحاظ ترتیب)

۲۔ دولہا اور اس کے والد کا نام۔

۳۔ دلہن کا نام اور اس کے والد کا نام مع پتار ہائش گاہ۔

۴۔ کیا دلہن معمر کنواری ہے۔ بیوہ ہے مطلقہ ہے جسے اس کے سابقہ شوہر نے طلاق دیدی ہو یا ایسی طلاق دی گئی ہے جسے طلاق تفویض کہا جاتا ہے اور کیا وہ بالغ یا نابالغ؟

۵۔ اگر دلہن کو طلاق تفویض دی گی ہے تو اس کے ثبوت دستاویز

پیش کی جائے۔

۷۔اگر دلہن کو طلاق تفویض دی گئی تھی تو اس کی تاریخ اور مقام جہاں اسے رجسٹر کرایا گیا تھا اور سابق شوہر کا نام اور پتا۔

۸۔ اگر دلہن نابالغ ہے تو اس کے سرپرست (ولی) کا نام اس کے والد کا نام اور اس کا پتا اور دولھا سے اس کا کیا رشتہ ہے جس کے تحت وہ اس کا سرپرست بنا ہے۔

۹۔دلہن کے وکیل کا نام مع ولدیت اور اس کا پتا اور بالخصوص یہ کہ اس کا دلہن سے کیا رشتہ ہے جس کے تحت وہ اس کا وکیل بنا ہے۔

۱۰۔ان گواہوں کے نام مع ولدیت اور پتا جو اس بات کی شہادت دیں کہ دلہن کے وکیل باضابطہ مقرر کیا گیا ہے نیز یہ کہ دلہن سے ان کا کیا رشتہ ہے جس کے تحت وہ گواہ بنے ہیں۔

۱۱۔شادی ہونے کی تاریخ انگریزی کیلنڈر اور ضلع میں مروجہ کیلنڈر کے مطابق۔

۱۲۔مہر کی رقم۔

۱۳۔مہر کی کتنی رقم معجّل (فوری ادائیگی) اور کتنی موجل (موخر کردہ) ہے۔

۱۴۔کیا مہر کی کچھ رقم موقع پر ادا کی گئی اگر ہاں تو کتنی رقم؟

۱۵۔کیا مہر کی پوری رقم یا اس کے کچھ حصہ کے عوض کوئی جائیداد (اثاثہ) دیا گیا اگر ہاں تو اس کی تفصیل۔

۱۶۔خاص شرائط اگر کوئی ہوں۔

۱۷۔اس گاؤں قصبہ پولیس اسٹیشن اور ضلع کا نام جہاں شادی عمل میں آتی۔

۱۸۔اس شخص کا نام مع ولدیت جس کے گھر شادی کی تقریب منعقد ہوئی۔

۱۹۔ کیا شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دیا ہے؟

۲۰۔رجسٹریشن کی تاریخ (انگریزی کیلنڈر کے مطابق)

فارم بی (رجسٹر ۲)

رجسٹر برائے اندراج طلاق، سوائے اس طلاق کے جسے خلع یا طلاق تفویض کہا جاتا ہے۔ ایکٹ کی دفعہ ۶ برائے رضاکارانہ اندراج شادی وطلاق مسلمانان۔

۱۔ نمبر شمار۔

۲۔شوہر کا نام مع ولدیت اور پتا۔

۳۔بیوی کا نام۔

۴۔ طلاق کی تاریخ انگریزی اور ضلع میں مروج کیلنڈر کے مطابق۔

۵۔ طلاق کی تفصیل۔

۶۔ طلاق کس طریقے سے دی گئی۔

۷۔اس موضع، قصبہ، ضلع اور پولیس اسٹیشن کا نام جہاں طلاق دی گئی۔

۸۔ اس شخص کا نام اور ولدیت جس کے گھر میں طلاق دی گئی۔

۹۔ طلاق کا گواہ اگر کوئی ہوں مع ولدیت اور ہر ایک کا رہائشی پتا۔

۱۰۔اس شخص کا نام اور پتا مع ولدیت جس نے محمڈن رجسٹرار کے روبرو شوہر کی شناخت کی۔

۱۱۔ اندراج کی تاریخ۔انگریزی کیلنڈر کے مطابق۔

فارم (سی) رجسٹر ۳

رجسٹر برائے اندراج طلاق جسے خلع کہا جاتا مسلمانوں کے

رضا کارانہ اندراج شادی وطلاق ایکٹ کی دفعہ ۶ کے تحت۔

۱۔نمبر شمار بہ لحاظ ترتیب۔

۲۔شوہر کا نام اور پتا مع ولدیت۔

۳۔بیوی کا نام اور پتا مع ولدیت۔

۴۔خلع کی تاریخ انگریزی اور مقامی کیلنڈر کے مطابق۔

۵۔مہر کی رقم۔

۶۔کیا بیوی نے محمڈن رجسٹرار کے روبرو خلع کا اعتراف کیا۔

۷۔اس شخص کا نام اور پتا مع ولدیت جس نے محمڈن رجسٹرار کے روبرو اس عورت کی شناخت کی اور اس عورت سے اس کی کیا رشتہ داری ہے؟

۸۔اگر خلع کا اعتراف محمڈن رجسٹرار کے روبرو عورت کے وکیل نے کیا ہے تو اس وکیل کا نام مع ولدیت اور پتا بالخصوص یہ کہ اس وکیل کی اس عورت سے کیا رشتہ دای ہے۔

۹۔ ان دو گواہوں کے نام مع ولدیت اور پتے جنہیں زوجہ کے وکیل نے بااختیار کیا ہو۔

۱۰۔اس موضع، قصبہ، ضلع اور پولس اسٹیشن کا نام جہاں خلع کی کارروائی عمل میں آئی۔

۱۱۔اس شخص کا نام مع پتا اور ولدیت جس کے گھر میں ضلع کی کارروائی کی گئی۔

۱۲۔گواہوں کے نام مع ولدیت اور پتے جن کی موجودگی میں طلاق دی گئی۔

۱۳۔اس شخص کا نام جس نے شوہر کی شناخت کی اس شخص کی ولدیت اور پتا۔

۱۴۔رجسٹریشن اندراج کی تاریخ انگریزی کیلنڈر کے مطابق۔

فام ڈی رجسٹر ۴

رجسٹر برائے اندراج طلاق (جسے طلاق تفویض کیا جاتا ہے) مسلمانوں کی شادی اور طلاق کے رضا کارانہ اندراج کی بابت ایکٹ کی دفعہ ۶ کے مطابق۔

۱۔نمبر شمار (ترتیب وار)۔

۲۔شوہر کا نام مع ولدیت اور دونوں کے پتے۔

۳۔زوجہ کا نام مع ولدیت اور دونوں کے پتے۔

۴۔اس شخص کا نام جس نے محمڈن رجسٹرار کے روبرو اس عورت کی شناخت کی اس شخص کی ولدیت اور پتا اس تفصیل کے ساتھ کہ اس کی اس عورت سے کیا رشتہ داری ہے؟

۵۔اِن دستاویزات کی تفصیل جن سے یہ ثابت ہو کہ شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق کا حق منتقل کیا۔

۶۔ طلاق تفویض دیئے جانے کی تاریخ انگریزی اور مقامی کیلنڈر کے مطابق۔

۷۔مہر کی رقم۔

۸۔اس موضع، قصبہ، پولس اسٹیشن اور ضلع کا نام جہاں طلاق دی گئی۔

۹۔اس شخص کا نام مع ولدیت اور پتا جس کے گھر میں طلاق دی گئی۔

۱۰۔گواہوں کے نام اگر کوئی ہوں مع ولدیت اور پتے جن کی موجودگی میں طلاق دی گئی۔

۱۱۔رجسٹریشن (اندراج) کی تاریخ انگریزی کیلنڈر کے حساب سے۔

❁ ❁ ❁

مختلف ایکٹوں کا تعارف

شریعت ایکٹ 1937

علمائے کرام اور عام مسلمانوں کے مطالبہ اور کوشش کی بناء پر 1937 میں مسلم پرسنل لا (شریعت اپلیکشن ایکٹ 1937 نافذ کیا گیا تھا۔ اور آج تک نافذ ہے۔ اسی ایکٹ کو مختصر طور پر شریعت ایکٹ 1937 کہتے ہیں، یہ چند دفعات پر مشتمل ایک مختصرا یکٹ ہے جس کے متن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(1) وراثت، نکاح، تنسیخ نکاح بشمول طلاق، ہبہ اور اوقاف کے معاملات میں عام مسلمان لازمی طور پر مسلم پرسنل لا کے تابع ہوں گے اور ان معاملات سے متعلق ایسے تمام مقامی رسم ورواج جو شریعت سے متصادم ہوں قطعاً باطل ہوں گے۔

(2) وصیت اور تبنیت کے معاملات میں مسلم پرسنل لا کا اطلاق اختیاری ہوگا۔ اگر کوئی عاقل وبالغ شخص شریعت ایکٹ میں مذکورہ طریقہ پر ان معاملات میں بھی مسلم پرسنل لا کو قبول کرلیتا ہے تو وہ خود، اس کی نابالغ اولاد اور ان کے بعد کی پشتیں ان دونوں معاملات میں شرعی قوانی کے تابع ہوں گی۔

(3) زرعی آراضی کی وراثت سے متعلق مقدمات پر مسلم پرسنل لا کا اطلاق نہ ہوگا۔

موپلا وراثت ایکٹ 1981ء اور موپلا وصیت ایکٹ 1928

جنوبی ہند کے موپلا مسلمان، جن کی بھاری اکثریت ریاست کیرالا کے علاقہ مالابار میں رہتی ہے۔ اس ملک میں اسلام کے قدیم ترین نام لیواؤں میں سے ہیں اور عصر حاضر میں ایک بااثر اور محترم حیثیت کے مالک ہیں۔ اس طبقے سے متعلق دو خصوصی قوانین ہیں جو 1918 اور 1928 میں پاس ہوئے تھے ان کی رو سے وراثت اور وصیت کے تمام معاملات میں موپلا مسلمان لازمی طور پر اسلامی قوانین کے تابع ہیں۔ موپلا وراثت ایکٹ 1918 میں اور موپلا وصیت ایکٹ 1928 میں پاس ہوا تھا۔

میمن ایکٹ 1938

مسلمانوں کے میمن طبقے کے لئے 1938 میں ایک خصوصی قانون پاس ہوا تھا جو وصیت کو اسلامی قوانین کے لئے لازمی اطلاق سے مستثنی نہیں کرنا۔

وصیت اور تبنیت کے معاملات

موجودہ قانونی کیفیت یہ ہے کہ کوئی مسلمان اگر موپلا یا میمن ہے تب تو وہ لازمی طور پر وصیت کے شرعی مسائل کا پابند ہوگا ورنہ اسے اختیار ہوگا کہ وہ ان پر عمل کرے یا مقامی رواج کا پابند

رہے۔ وصیت کے متعلق اسلام میں ایک مکمل قانون موجود ہے جس کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی جائداد کے ایک تہائی سے زیادہ حصے کی وصیت کرنے کا مجاز نہیں تا کہ وراثت کے شرعی احکام نافذ ہوسکیں۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں وصیت کے مقامی رواج ہیں جو شریعت سے متصادم ہیں، کیوں کہ وہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتے اور ان مقامات کے مسلمان بشرطیکہ وہ موپلا اور میمن نہ ہوں ان رواجوں کے اطلاق پر اصرار کرسکتے ہیں جس کا جواز شریعت ایکٹ 1938 کی دفعہ 3 میں موجود ہے۔

تبنیت، یہ کسی کو بیٹا بنانے سے متعلق مقامی رسوم کو بھی مسلمان اپنا سکتے ہیں اگر وہ اس مسئلے میں شریعت کی پیروی نہ کرنا چاہیں۔ اسلام میں منھ بولے بیٹے کی کوئی قانونی یا شرعی حیثیت نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی کسی کو بیٹا بنالے تو اسلامی قانون کی نظر میں ان دونوں میں کوئی ایسا رشتہ قائم نہ ہوگا جو حرمت نکاح اور حقوق وراثت کو لازمی قرار دے، البتہ اگر مقامی رواج کے مطابق تبنیت کی قانونی حیثیت مسلم ہو اور وہ شخص شریعت کے بجائے اس رواج کے اطلاق کا خواہش مند ہو تو عدالتیں اسی کو نافذ کرے گی۔

مہر سے متعلق ایکٹ

اودھ لاز ا ایکٹ 1876 دفعہ 5 اور جموں وکشمیر مسلم مہر ایکٹ 1920 دفعہ 2

ریاست جموں وکشمیر اور اودھ میں مہر سے متعلق مقامی قوانین ہیں جن کے مطابق اگر کسی نکاح نامے میں مذکور مہر مسمی کی رقم شوہر کی مالی حالت کے اعتبار سے غیر معمولی طور پر زیادہ ہو تو عدالت کو اس میں ضروری تخفیف کرنے کا اختیار ہوگا۔

تنسیخ نکاح ایکٹ 1939

علماء کی تائید سے مرکزی مجلس قانون ساز کے رکن محمد احمد کاظمی مرحوم نے ایک بل پیش کیا جس کی بنیاد پر تنسیخ نکاح ایکٹ 1939 پاس ہوا۔ اس کے متن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(1) ہر مسلمان عورت کو حق ہوگا کہ وہ شوہر کی گم شدگی، نفقہ یا دیگر حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی، سزائے قید، مستقل نامردی، جنون، جذام یا کسی جنسی بیماری میں ابتلاء یا اس کی طرف سے بے رحمی کے سلوک کی صورت میں اس کے ساتھ اپنے نکاح کے فسخ کے لئے عدالت سے ڈگری حاصل کرے۔

(2 0) مندرجہ بالا حالات کے علاوہ 'خیار البلوغ' یا شریعت کے کسی اور مسئلے کی بنیاد پر بھی مسلمان منکوحہ کے نکاح کو فسخ کرنے کا عدالت کو اختیار ہوگا۔

(3) اگر کوئی مسلمان عورت تارک اسلام ہوجائے تو اس سے اس کا نکاح خود بخود فسخ نہیں ہوگا۔

(3) البتہ ایسا کرنے کے بعد وہ مذکورہ بالا بنیادوں میں کسی پر اپنا نکاح عدالت کے ذریعہ فسخ کراسکتی ہے۔

وقف علی الاولاد ایکٹ 1913

1913 کا جواز مسلم اوقاف ایکٹ وقف علی الاولاد کو قانوناً وقف صحیح قرار دیتا ہے۔ یہ ایک وضاحتی قانون ہے جس کی مختصر تاریخ یہ ہے 1886 میں اس وقت کی اعلیٰ ترین عدالت نے ایک مقدمے کے فیصلے کے دوران وقف علی الاولاد کو شرعاً ناجائز قرار دیا تھا جب کہ قدیم فقہاء کی رائے اس کے جواز کے حق میں تھی۔ اس فیصلے کے خلاف علامہ شبلی نعمانیؒ اور دیگر اکابر نے احتجاج کیا اور آخر کار حکومت نے 1913 کا وقف ایکٹ پاس کرکے اوقاف علی الاولاد کو صریحاً جائز قرار دیا تھا۔

اسپیشل میرج ایکٹ 1954

یہ ایکٹ ہر شخص کو خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیرو ہو، یہ اختیار

دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی پرسنل لا کے بجائے اس ایکٹ کے تحت شادی کرلے یا اپنے موجودہ نکاح کو اس ایکٹ کے تحت رجسٹر کرالے، دونوں صورتوں میں وہ اپنے مذہبی پرسنل لا کے ازدواج اور وراثت سے متعلق احکام کا پابند نہ ہوگا بلکہ اس پر ایکٹ مذکور اور 1925 کے 'ہندوستان وراثت ایکٹ' کا اطلاق ہوگا۔

اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت مثال کے طور پر بیوی اپنے شوہر کے نصف جائداد کی حق دار ہوجاتی ہے۔)

نوٹ: یہ تمام معلومات ان کی عبارتوں کے ساتھ پروفیسر طاہر محمود انڈین لاانسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کی کتاب 'مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ' سے ماخوذ ہیں۔

تنسیخ زمینداری ایکٹ 1950

یوپی میں زمینداری کی تنسیخ کے بعد 1950 میں یہ ایکٹ پاس ہوا ہے۔ اس سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، بلکہ ان پر بھی یہ ایکٹ نافذ ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ 171 وراثت سے متعلق ہے۔ اس میں زمین، کاشت اور باغات کی وراثت کے سلسلے میں بنائے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(1) اگر میت کی اولاد ذکور موجود ہو خواہ بیٹا ہو یا پوتا یا پوتے کا بیٹا تو تنہا وہی میت کی متروکہ تمام زمینوں، کاشتوں اور باغوں کا مالک ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان میت کے تمام شرعی ورثہ کو بیٹا پوتا محروم کردے گا۔

(2) اگر میت کی اولاد ذکور موجود نہ ہو تو میت کی بیوی (بیوہ) تمام زرعی جائداد کی تنہا مالکہ ہوگی۔ بشرطیکہ وہ عقد ثانی نہ کرے۔

(3) اگر اولاد ذکور بھی نہ ہو، میت کی بیوی بھی نہ ہو تو میت کا باپ مالک ہوگا۔

(4) اگر باپ بھی زندہ نہ ہو تو میت کی غیر شادی شدہ لڑکی مالک ہوگی۔

(5) اگر یہ بھی نہ ہو تو غیر شادی شدہ بہن مالک ہوگی۔

(6) بھائی بھی نہ ہو تو غیر شادی شدہ بہن مالک ہوگی۔

(7) اگر یہ بھی نہ ہو تو میت کی شادی شدہ لڑکی مالک ہوگی۔

(8) یہ بھی نہ ہو تو نواسہ۔

(9) نواسہ بھی نہ ہو تو بھتیجا مالک ہوگا۔

اسی طرح اس میں 15 ضابطے ہیں۔ اس ایکٹ کا نہ فیضی نے اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے اور نہ طاہر محمود صاحب نے اپنی کتاب 'مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کا مسئلہ' میں ذکر کیا ہے۔ اس ایکٹ کی بنیاد شریعت ایکٹ 1937 کی دفعہ میں موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ 'زرعی آراضی کی وراثت سے متعلق مقدمات پر مسلم پرسنل لا کا اطلاق نہ ہوگا۔ ۞ ۞ ۞

ایک ہمہ گیر قانون

''مسلم پرسنل لاء احکام الٰہی اور ارشادات نبوی ﷺ کے مطابق ہے یہ کسی ذہن انسانی کا اختراع نہیں ہے۔ انسانی قوانین گردوپیش کے حالات سے متاثر ہوسکتے ہیں، سیاسی وجوہات اور مصلحتوں کا بھی ان میں دخل ہے۔ اس لیے یہ نہ تو ہمہ گیر جامع اور مکمل ہیں اور نہ ہی مستقل صورت اختیار کرسکتے ہیں، لیکن جہاں تک مسلم پرسنل لاء کا تعلق ہے یہ دوامی اور مستقل ہیں اور ان میں ہمہ گیریت پائی جاتی ہے۔''

مولانا ضیاءالدین بخاری (سابق ایم.ایل.اے)

اتحاد ملت کانفرنس ممبئی ۱۹۷۲ء

ترمیمات برائے قانون وقف ۱۹۹۵ء

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں ''لوک سبھا، راجیہ سبھا'' کی ایک مشترکہ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کے ذمہ وقف بورڈ کی کارکردگی کا جائزہ لینے اور موجودہ قانون وقف میں ضروری ترمیمات کی سفارشات پیش کرنے کا کام کیا گیا ہے۔اس سے پہلے بھی ایسی کمیٹی قائم کی گئی تھی جس کے صدر نشین جناب کے۔رحمٰن خان صاحب (موجودہ نائب صدر نشین راجیہ سبھا) تھے۔موجودہ کمیٹی کے صدر جناب لال جان پاشا صاب رکن راجیہ سبھا نامزد کئے گئے ہیں۔ جناب رحمٰن خان صاحب کی کمیٹی نے ایک سوال نامہ جاری کر کے جوابات طلب کئے تھے مگر موجودہ کمیٹی نے امور وقف کی بہتری کے لئے اور قانون وقف میں ترمیمات کے لئے تجاویز طلب کی ہیں۔اس کے لئے یکم اپریل ۲۰۰۷ء آخری تاریخ مقرر کی گئی تھی لیکن چونکہ اس کی اطلاع و اشتہار صرف دلی کے اخبارات میں شائع ہوئے۔ جناب لال جان پاشا صاحب سے بات کر کے ۳۰؍ جون کی تاریخ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تجاویز کے لئے مقرر کروائی گئی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ۱۹۹۵ء کے قانون وقف کی ترمیم کے موقع پر جو تجاویز پیش کی گئی تھیں اور بعد ازاں کے۔رحمٰن خان صاحب کمیٹی کے سوال نامے کا جو جواب دیا گیا تھا ان کو پیش نظر رکھ کر تجاویز مرتب کی گئیں۔

قانون وقف ۱۹۹۵ء میں ترمیمات کی تجاویز کے اہم نکات:

۱۔ ۱۹۵۴ء اور ۱۹۸۴ء کے قانون وقف میں ہندوستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر کسی غیر مسلم کی جانب سے قائم کردہ وقف کو وقف تسلیم کیا گیا تھا۔لیکن ۱۹۹۵ء کے قانون میں وقف کی تعریف میں صرف مسلمانوں کے قائم کردہ وقف کو ہی وقف تسلیم کیا گیا البتہ ایک دوسرے دفعہ کی تحت کسی وقف یعنی مسجد، عیدگاہ، امام باڑہ، درگاہ، مقبرہ، قبرستان یا مسافر خانے کی مدد کے لئے غیر مسلم کی جانب سے قائم کئے گئے وقف کو تسلیم کرنے کی گنجائش نکالی گئی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے یہ تجویز پیش کی جارہی ہے ۱۹۵۴ء کی تعریفات کو بحال کیا جائے تا کہ غیر مسلموں کی جانب سے قائم کردہ وقف بھی وقف شمار کئے جائیں۔

۲۔ وقف کے قانون ۱۹۸۴ء میں وقف انکوائری کمیٹی کی سفارشات پر وقف کی تعریف میں ''معافیاں، خیراتی، قاضی خدمات اور امداد معاش'' کو بھی وقف شمار کیا گیا تھا۔ یہ حکمرانوں اور جاگیرداروں اور رئیسوں کی جانب سے مختلف علاقوں میں دئے جانے والے مذہبی خدمات سے مشروط انعامات کی اصطلاحیں ہیں۔۱۹۸۴ء کے اس اضافے کو شامل کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔

۳۔ تعریفات میں منشائے وقف کو متعین کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ مذہبی اور خیراتی مقاصد ہیں جن کا ذکر وقف کی دستاویز میں کیا گیا ہے یا جن کا اظہار وقف کی نوعیت اور اس کے استعمال سے ہوتا ہے۔وقف کی دستاویز سے یا اس کی

نوعیت منشائے وقف واضح نہ ہونے یا منشائے وقف نہ قابل حصول ہوجانے کی صورت میں مسلمانوں کی عام بہبودی کو اس وقف کا منشاء تصور کیا جائے گا۔

۴۔ اس سے پہلے جناب کے۔ رحمٰن خان صاحب کی سرکردگی میں تشکیل کردہ جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی میں وقف علی الاولاد کے بارے میں ایک تجویز رکھی گئی تھی ۱۹۹۵ء کے قانون میں کسی وقف علی الاولاد جائیداد کے اُتنے ہی حصے کو وقف قرار دیا گیا ہے۔ جس کو مقدس مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لئے مختص کیا گیا۔ تجویز یہ تھی کہ وقف جائیداد کے صرف ایک حصے کو وقف قرار دینے کا جملہ حذف کیا جائے تا کہ ساری جائیداد وقف قرار پا سکے۔ یہی وقف ۱۹۵۴ء کے قانون میں تھا۔ مگر اب یہ طے کیا گیا ہے کہ حذف کرنے کی تجویز پیش نہ کی جائے کیونکہ کلکتہ ہائیکورٹ ۲۰۰۴ء میں یہ فیصلہ دے چکا ہے کہ وقف کے ایک تناسب کو مقدس مذہبی و خیراتی مقاصد کے لئے مختص کرنے کے باوجود ساری جائیداد وقف شمار ہوگی۔

۵۔ قانون یہ رہا ہے کہ کسی ریاست میں وقف کی جائیدادوں کا سروے ہونے اور اسکی رپورٹ ریاست کے سرکاری گزٹ میں شائع ہونے کے ایک سال کے گذرنے کے بعد وقف کی فہرست قطعی قرار پاتی ہے اور کوئی شخص اس فہرست میں شامل وقف کی کسی جائیداد کی نوعیت وقف کو چیلنج نہیں کرسکتا۔ لیکن ۱۹۷۹ء میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ اس کا اطلاق اس جائیداد پر مخالفانہ قبضہ اور مخالفانہ ادّعا رکھنے والے پر نہیں ہوگا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے سے پیدا شدہ اس دشواری کو دور کرنے کے لئے ۱۹۹۵ء کے قانون میں ایک وضاحت کا اضافہ کیا گیا، مگر اس کے باوجود گجرات ہائی کورٹ نے کچھ وقف بورڈ بھوج کے ایک مقدمے میں ۱۹۹۵ء کے قانون کو نظر انداز کر دیا اور سپریم کورٹ کی نظیر کے مطابق فیصلہ دیا۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لئے واضح انداز میں ترمیمات کی تجویز رکھی گئی ہے۔

۶۔ وقف کے سروے سے متعلق دفعات میں ''قانون کے نفاذ کے آغاز کے وقت موجود اوقاف'' کے سروے کی بات کہی گئی ہے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ وقف سروے کمشنر کو ریاست میں پائی جانے والی تمام اوقافی جائیدادوں کے سروے کا اختیار دیا جائے اور اختیار کو قانون کے نفاذ کی تعریف پر موجود جائیدادوں تک محدود نہ کیا جائے۔

۱۹۹۵ء کے قانون کے تحت ایک مرتبہ سروے ہونے کے کم از کم (۲۰) سال بعد دوسرا سروے کیا جاسکتا ہے، عموماً سروے میں کئی نقائص پائے گئے ہیں اور ۲۰ رسال کی شرط کی وجہ سے دوسرا یا تازہ سروے نہیں کیا جاسکتا ہے، ناقص سروے (۲۰) سال تک نافذ رہے گا اس لئے یہ ترمیم تجویز کی گئی کہ جب ریاستی حکومت ضرورت محسوس کرے وہ ایک نئے سروے کا حکم دے سکتی ہے۔

۷۔ ریاستی وقف بورڈ کی تشکیل کی سلسلہ میں میں تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ وقف بورڈ کے کم سے کم تین چوتھائی ارکان منتخبہ ہوں اور اس کے لئے مسلمانوں کے دیگر زمروں سے ارکان منتخب کئے جاسکتے ہیں جیسے مسلم میڈیکل ڈاکٹرس، چارٹرڈ اکاؤنٹینٹس، فینانشیل مینیجرس وغیرہ۔ دوسری تجویز یہ پیش کی گئی ہے کہ ریاستی بار کونسل کے ارکان کا جو زمرہ قائم کیا گیا ہے اس کی تاویل آندھرا پردیش، گجرات اور مہاراشٹر میں یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد ریاستی بار کونسل کے لئے منتخبہ مسلم ارکان ہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ ملک کی

کئی ریاستوں میں بارکونسلس کے لئے ایک بھی مسلم ایڈووکیٹ منتخب نہیں ہوا۔ چند ایک ریاستوں میں ایک یا دو مسلم ایڈووکیٹس بارکونسل کے لئے منتخب ہوئے ہیں۔اس لئے یہ ترمیم پیش کی گئی ہے کہ ریاست کی بارکونسل میں رجسٹرڈ تمام ارکان کو زمرہ قرار دیا جائے اور ان میں سے وقف بورڈ کے لئے ارکان منتخب کئے جائیں۔

موجودہ قانون میں ممتاز مسلم تنظیموں کے نمائندوں کو منتخب کرنے کا اختیار ریاستی حکومتوں کو دیا گیا ہے۔تجربہ یہ رہا ہے کہ ریاستی حکومتیں برسرِ اقتدار پارٹی کے کسی مسلم رکن کو نامزد کرتی ہے اور جس مسلم رکن کو نامزد کیا جاتا ہے وہ مسلمانوں کے کسی ادارے یا انجمن سے ایک خط حاصل کرلیتا ہے کہ یہ ہمارے رکن ہیں۔ یہ رکن بورڈ میں برسرِ اقتدار پارٹی کے مفاد کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ حکومت اسی رکن کو وقف بورڈ کا صدر منتخب کرواتی ہے۔اس لئے تجویز یہ پیش کی گئی ہیں کہ کسی ممتاز مسلم تنظیم کے نمائندے کی بجائے ممتاز مسلم تنظیموں کے عہدیداروں کو حکومت کی طرف سے نامزد کیا جائے۔ یہ بھی تجویز رکھی گئی ہے کہ ایسے اشخاص کو نامزد نہ کیا جائے جو کسی وقف جائیداد پر ناجائز قابض ہوں یا جن کے خلاف وقف بورڈ نے کیس دائر کیا ہو یا جنہیں وقف کے مفادات کے خلاف کام کرنے کا خاطی پایا گیا ہو یا جنکے خلاف کسی کمیشن یا کسی تحقیقاتی کمیٹی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو کہ اس نے وقف کے انتظامات میں بے ضابطگیاں کی ہیں یا جس کے خلاف انتظام وقف میں بے ضابطگیوں کی چھان بین اور تفتیش جاری ہوا ایسے تمام اشخاص وقف بورڈ کی رکنیت کے لئے نااہل قرار دیا جائے۔

قانون وقف بابت ۱۹۹۵ء میں ریاستی حکومت کو ڈپٹی سکریٹری کے رتبے کے عہدیدار کو بورڈ کا رکن نامزد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔تجویز یہ رکھی گئی ہے کہ حکومت کے اس اختیار کو ختم کردیا جائے اور اس کے بجائے مسلم تنظیموں کے عہدیداروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔۱۹۵۴ء کے قانون میں ڈپٹی سکریٹری کے رتبے کے سرکاری عہدیدار کو رکن نامزد کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔حکومت کو کبھی شکایت نہیں رہی کہ ایسے کسی عہدیدار کی عدم موجودگی کی وجہ سے حکومت کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں دشواری پیدا ہوئی ہو۔مزید برآں یہ کہ خود چیف ایکزیکیٹو آفیسر جو وقف بورڈ کا سکریٹری بھی ہوتا ہے وہ ایک سرکاری عہدیدار ہوتا ہے۔ اس لئے مزید کسی سرکاری عہدیدار کی بورڈ کی موجودگی مناسب نہیں ہے۔

۸۔ چیف ایکزیکیٹو آفیسر کے بارے میں یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ وہ بحیثیت ڈسٹرکٹ کلکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کام کرچکا ہو یا ریاست کی کسی اور سروس میں ایسے عہدہ پر فائز رہا ہو جو ضلع مجسٹریٹ وکلکٹریٹ کے رتبے سے کم نہ ہو۔عموماً تحصیلدار، معاملت دار، منڈل ریونیو آفیسرس اور بلاک آفیسر کے رتبے کے عہدیدار یا زیادہ سے زیادہ ڈپٹی کلکٹر یا ریونیو ڈیوشیرنل رتبے کے عہدیدار نامزد کئے جاتے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ عہدیدار ضلع کلٹر کے ذریعہ جو کام کروانا ہے وہ کام نہیں کرواسکتے۔اگر ایک آئی اے ایس آفیسر وقف بورڈ کا چیف ایکزیکیٹو آفیسر ہو تو اس کے مراسلہ کو نظر انداز کرنا سرکاری دفاتر کے عہدیداروں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔موجودہ قانون چیف ایکزیکیٹو آفیسر کو یہ اختیار

بھی دیتا ہے کہ وہ چند وجوہات کو بتاتے ہوئے وقف بورڈ کے کسی فیصلے کو نظر انداز کردے یا روبہ عمل نہ لائے اور حکومت سے ہدایت حاصل کرے۔ یہ بات وقف بورڈ کی داخلی خود مختاری کے خلاف ہے۔ ایکزیکیٹو آفیسر کو ایسے اختیارات نہیں دینا چاہئے کہ جس سے وقف بورڈ جس کی نوعیت مسلمانوں کے منتخبہ نمائندوں کے اداروں کی ہے اس کی اہمیت گھٹ جائے۔

۹۔ قانون وقف میں بورڈ کو اوقاف کے انتظام کے لئے انتظامی آفیسر (ایکزیکیٹو آفیسر) اور اس کے عملے کو مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ بورڈ کی جانب سے اس میں یہ ترمیم تجویز کی جارہی ہے کہ ایکزیکیٹو آفیسر کے تقرر کا اختیار بورڈ کو اس وقت حاصل ہونا چاہئے جبکہ کسی متولی کے خلاف اس کو علیٰحدہ کرنے کی انکوائری چل رہی ہو اور متولی کی جانب سے پیش کی گئی صفائی کا جائزہ لینے کے بعد بورڈ اس وقف کے بہتر انتظام کے لئے ایکزیکیٹو آفیسر کے تقرر کو ضروری سمجھے۔ ایکزیکیٹو آفیسر کا تقرر ان اصولوں پر ہونا چاہئے جنکی بنیاد پر ضابطے دیوانی آرڈر (۴۰) رول (۱) کے تحت ایک دیوانی عدالت رسیو کا تقرر کرتی ہے۔

۱۰۔ موجودہ قانون کے تحت متولی کو قرض دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ شریعت اسلامی میں کسی ضرورتمند کو قرض دینا خیر کا کام ہے اور ایسے کئی اوقاف ہیں جن کے مقاصد میں ضرورتمندوں اور غریبوں کو قرض حسنہ فراہم کرنا شامل ہے۔ شریعت کے تحت ایک قاضی بھی وقف کے مقاصد کو تبدیل نہیں کرسکتا ہے جب تک کہ وہ قابل عمل اور قابلِ حصول ہیں۔ اس لئے یہ پابندی شریعت اسلامی کے خلاف معلوم ہوتی ہے، اس لئے متعلقہ دفعہ کو حذف کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے اور اس کے بجائے یہ گنجائش فراہم کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے کہ متولی کو سنی لاء یا شیعہ لاء کے تحت جس کے تابع کے متعلقہ وقف ہو وقف بورڈ سے منظوری حاصل کئے بغیر قرضِ حسنہ دینے کا اختیار ہوگا۔

۱۱۔ موجودہ قانون ایک میں دفعہ موجود ہے جس کے تحت ایسے وقف کو جو کہ وقف بورڈ میں رجسٹرڈ نہ ہو عدالتی چارہ کار یا اپنے حقوق کے استقرار کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ یہ قانون وقف ۱۹۹۵ء کا سب سے زیادہ نقصان رساں دفعہ ہے، اگر متولی یا اس کے وقف کے ذمہ داروں کی کسی غلطی کی وجہ سے وقف کو اس کے حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ ملک میں ایسے بے شمار اوقاف ہیں جو کسی متولی کے تحت نہیں ہیں اور جو وقف علی الاستعمال (Wakf by User) کی نوعیت رکھتے ہیں۔ اگر ان کا رجسٹریشن نہیں ہوسکا تو دراصل یہ سروے کا نقص ہے جس کے لئے سروے کے عہدیداران ذمہ دار ہیں۔

۱۲۔ ان اہم امور میں تجاویز کے علاوہ انتظام، متولیوں کے خلاف کارروائی، حسابات اور وقف بورڈ کے مالیات اور عدالتی کارروائیوں کے سلسلہ میں بھی تجاویز مرتب کی گئی ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے نادار و مفلس مطلقہ خواتین کی مدد کے لئے ایک فنڈ قائم کرنے سے متعلق دفعہ کے اضافہ کی تجویز رکھی گئی ہے۔ مسلم مطلقہ کے حقوق کے قانون کے تحت بعض صورتوں میں ایک مسلم مطلقہ کو گذارہ دینا وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے اس قانونی ذمہ داری پر عمل آوری کے لئے ایسے فنڈ کے قیام سے متعلق دفعہ کا اضافہ ضروری ہے۔

❁ ❁ ❁

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ
نبیرہ الامام محمد قاسم النانوتویؒ مؤسس دار العلوم دیوبند
کی ایک معرکۃ الآرا کتاب

مقامات مقدسہ

جو اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے

پیش کش و ترتیب نو

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

مہتمم جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ سپول (بہار)

یہ کتاب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی آخری تصنیف ہے۔ اس میں تمام مقامات مقدسہ کا تفصیلی ذکر ہے، ان کے ۶۰ سالہ اسفار کا سبق آموز نچوڑ، دل کو چھو لینے والی اور اشک بار آنکھوں سے پڑھی جانے والی تاریخی تحریر ہے۔

ناشر: امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ (انڈیا)
این: ۹۳، دوسری منزل، سلنگ کلب روڈ لائن نمبر ۲، بٹلا ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی
فون: 011-26981876 فیکس: 011-26982907

باب هفتم

مسلم پرسنل لا بورڈ

ایمان و یقین کے متوالوں کا کارواں

مسلم پرسنل لا بورڈ

.... مولانا محمد ولی رحمانی (سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

یہ کاروانِ دین وشریعت بڑا محترم ہے، اوراس کی خدمات دین ودنیا میں کامیابی وکامرانی اوراجر وثواب کا ذریعہ ہیں اور یہ بورڈ مسلمانان ہند کا متحدہ پلیٹ فارم ہے، جس پر نہ صرف ملت اسلامیہ کواعتماد ہے بلکہ پورا ملک اس کے فیصلوں کو سننے کا منتظر رہا ہے، بزرگوں کی یہ امانت قابل قدر بھی ہے لائق شکر بھی اور ہر لحاظ سے اس کی مستحق ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے، اسے ترقی دی جائے، اور ہم سبھوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی انفرادیت، مسلک ومشرب کے فاصلوں اور جماعتی حلقہ بندیوں سے بلند ہوکر صرف دین کی سربلندی اور ملت اسلامیہ کی بہی خواہی کی خاطر اس سمندر میں ضم ہوجائیں اور ہم میں سے ہر ایک کی انفرادیت موتی کی طرح سمندر کی تہ میں رہے جس سے سمندر کا وقار ووزن تو بڑھے، مگر اس کی روانی میں کوئی فرق نہ آئے۔

۳۷ رسال قبل جب اس کارواں کے دھندلے نقوش ابھر رہے تھے، بورڈ بنا بھی نہیں تھا، بمبئی کنونشن کا مرحلہ تھا اور نشیمن کی تعمیر کیلئے ہمارے بزرگوں کے اخلاص، فراست اور جہد مسلسل نے نہ صرف رکاوٹوں کو دور کیا، بلکہ فضل الٰہی کے سایہ میں بکھرے تنکے جمع ہوتے چلے گئے، قدم سے قدم ملا، دل سے دل ملے، آشیانہ بھی تعمیر ہوا، اور بمبئی کے سیل بے کراں نے حیدرآباد میں صاف ستھرے مستحکم آشیانہ کی شکل اپنالی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل ہوگئی، بورڈ کی تعمیر وتشکیل کے مرحلے دشوار تھے۔ کرب تخلیق کی اذیتیں جھیلی گئیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مصیبتوں اور کلفتوں کو گلے لگائے بغیر کامیابیوں اور راحتوں کے مرحلے نہیں آتے، آج ہم بورڈ جیسے شجر سایہ دار تلے بیٹھے ہیں، وہ بزرگوں کی محنت کا نتیجہ اوراس کا بہترین ورثہ ہے!

آج جب ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو دارالعلوم دیوبند کی مختصر مگر بنیادی نشست، بمبئی کے تاریخ ساز کنونشن اور حیدرآباد کے غیر معمولی اجلاس کی تصویر نگاہوں میں آجاتی ہے، بڑی بڑی باوقار اور باوزن شخصیتیں، ایسا لگتا ہے کہ سامنے کھڑی ہیں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی، حضرت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی صاحب، محترم ڈاکٹر سید یوسف نجم الدین صاحب، حضرت مولانا برہان الحق قادری رضوی صاحب، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب، محترم مولانا ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی صاحب، بابائے میمن جناب محمد یوسف پٹیل صاحب، محترم قاضی الطاف خورشید صاحب، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب اور جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب رحمہم اللہ، اور مختلف سطح پر خدمت انجام دینے والی بہت ساری شخصیتوں

کے چہرے نظر میں ہیں، دیکھتے دیکھتے کیسے کیسے لوگ اٹھ گئے، امت اسلامیہ کے ردائے کلیمی میں ہی نہیں، وطن عزیز کے مطلع علم وسیاست پر کیسی کیسی شخصیتیں تھیں، جواٹھ گئیں، دیکھتے دیکھتے منظر بدل چکا ہے! خدا کا شکر ہے، اس وقت کے چند نمایاں چہرے آج بھی ہیں، جناب غلام محمود بنات والا، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، جناب عبدالستار یوسف شیخ مدظلہم ماضی کی جدوجہد کی زندہ تاریخ ہیں، اور تاریخ ساز بھی اور کنونشن کے دفتر کا یہ جاروب کش، بمبئی کے منبر ومحراب کا یہ گمنام واعظ کل بھی گرد کارواں کی طرح شریک کارواں تھا، اور آج بھی خادمانہ شریک ہے!

بورڈ کی زندگی میں بڑے موڑ بہت سے مرحلے آئے، ایمرجنسی کے تاریک دنوں ۷۵ء، ۷۶ء، میں جبری نس بندی کی مخالفت کی گئی، متبنیٰ بل۱۹۷۲، جو یکساں سول کوڈ کی طرف مضبوط قدم تھا، کے خلاف صف آرائی جس میں آخر میں کامیابی ملی، مساجد ومقابر کے تحفظ کیلئے ملک گیر تحریک ۷۸ء-۷۹ء جس نے خطرات کے درمیان عوام کے ذہن وعمل کی تربیت کی اور جمہوریت میں آواز بلند کرنے کا شعور بخشا، شاہ بانو کیس کے نتیجہ میں پیدا شدہ حالات (۸۲ء-۸۶ء) کے نتیجہ میں رائے عامہ کو بنانے اور دین وشریعت کے کیس کو دانشوروں اور ارباب سیاست کو سمجھانے کا مرحلہ گذرا، اوقاف کی جائدادوں کو انکم ٹیکس سے مستثنی کرنے (۱۹۸۰ء) کی کامیاب جدوجہد کے لمحے بھی بیتے، قانون وقف (۱۹۸۴ء) میں ترمیم کی جدوجہد بھی سامنے آئی، لازمی نکاح رجسٹریشن (۱۹۸۱ء اور ۱۹۹۰) کے معاملہ پر قابو پایا گیا، معاشرہ کی اصلاح کی تحریک چلائی گئی، لیگل کمیٹیوں کے ذریعہ قانون ساز اداروں کی کاروائی کا جائزہ اور ضروری اقدام کئے جاتے رہے، دارالقضاء کے قیام کی ضرورت کا احساس پورے ملک میں پیدا کیا گیا اور منصب قضا کیلئے لائق اور ذی استعداد افراد کی تربیت کا انتظام مختلف مقامات پر ہوا، اور بعض مقامات پر قاضی متعین کئے گئے، انتہائی سخت اور مخالف مرحلہ میں ۹۰ء میں حق کی وہ آواز بلند کی گئی کہ مسجد مسجد ہے، وہ خدا کا گھر ہے، اس کی سودابازی نہیں ہوسکتی، اور نہ کسی مسلمان کو حق ہے کہ وہ خدا کی ملکیت کو دوسرے کے حوالہ کردے، ساتھ ہی بورڈ نے دستور ہند کے احترام اور عدلیہ کے وقار واعتبار کو ماننے کا درس اس فیصلہ کے ذریعہ دیا، کہ مسلمان بابری مسجد کے سلسلہ میں کورٹ کے فیصلہ کو قبول کریں گے، پھر ذہنی اور فکری تعمیر کیلئے بورڈ نے کئی زبانوں میں لٹریچر شائع کیا، علمی، فکری اور قانونی سطح پر بورڈ کا یادگار کارنامہ مسلم پرسنل لا سے متعلق ''اسلامی قانون'' کی ترتیب وتہذیب اور بڑے پیمانہ پر اس کی اشاعت ہے، یہ سارے اور ان جیسے اقدامات اور خدمات کے ذریعہ بورڈ کی تاریخ بنی ہے، آپ انہیں فراست ایمانی، اخلاص، قربانی، اور سبھوں کو ساتھ لیکر تلخ وترش سہکر مسلسل کام کرتے رہنے کی تاریخ بھی کہہ سکتے ہیں!

آج کے حالات سخت ہیں، امت مسلمہ پر جو حملے ہورہے ہیں، جو سازشیں رچی جارہی ہیں، جو عزائم ہیں، وہ طشت ازبام ہیں۔ شعائراللہ زد پر ہیں، جان ومال، عزت وآبرو کے لالے پڑے ہیں، دھمکیوں سے سہانے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، اور وطن عزیز کا یہ منظر کتنا دلخراش ہے کہ اس دھرتی پر قانون بیچارہ ہوتا جارہا ہے، انصاف شرمسار ہے، سچائی کو مٹایا جارہا ہے، حقیقتوں کو پروپیگنڈہ میں دبایا جارہا ہے، اور بے بصیرتی کی انتہا یہ ہے کہ وہ ملت جس کا ہر فرد ہمارے وطن کا چھٹا انسان ہے اسے ڈرا دھمکا کر اس کے حقوق غصب کرنے کی فضا بنائی جارہی ہے۔ بیشک مرحلہ سخت ودشوار سامنے ہے اور بڑا امتحان ہے ۔

بجھ گئے کوئے یار میں کانٹے
کس کو عذر برہنہ پائی ہے

لیکن وطن عزیز کے کانٹوں کو چننے کی ذمہ داری اور اسے گلزار بنانے کی جو ابدہی ہمیں قبول کرنا ہوگی۔ یاد رہے! نفرت کی آبیاری اور ظلم وعداوت کی کاشتکاری اقتدار کی مجبوری تو ہوسکتی ہے مذہبی تعلیم کبھی نہیں ہوسکتی۔ اقتدار کی طلب، اس کی ہوس، اسکے تقاضے کسی کے دل میں انگڑائی لے سکتے ہیں، اس شخص کا کسی مذہب سے تعلق ہوسکتا ہے، اس کا نام ہلاکو اور چنگیز ہوسکتا ہے، اسے ہٹلر اور مسولینی کے نام سے پکارا جاسکتا ہے وہ نادر شاہ جنرل ڈائر کی شکل میں سامنے آسکتا ہے وہ بش اور بلیئر کہلاسکتا ہے، واجپائی اور اڈوانی اس کا نام ہوسکتا ہے، اقتدار کا فتنہ خیز ذہن اور ہوس ملک گیری کیلئے طاقت کا بے جا استعمال اور سازشوں کا جال ایک مریض جذبہ ہے، اور یہ جذبہ کسی بھی مذہب کے ماننے والے میں پایا جاسکتا ہے، مگر ہے بہرحال یہ مرض!

اس مرض پر صاف ستھرے سچے مذہب اور روحانی قدروں ہی سے قابو پایا جاسکتا ہے، اسی نسخہ کو اپنا کر ملکوں ملکوں میں مشاکل ومسائل حل ہوئے ہیں، اور یہی نسخہ شفا امتوں کا محاسب بھی ہے، راہ رو بھی اور منزل بھی! ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ صرف حالات بدل گئے ہیں یا ہم بھی کچھ بدل گئے ہیں، اس مرحلہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہماری دستگیری کرتا ہے:

"ما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفو عن كثير" (سورۃ الشوریٰ)

(تم جس مصیبت میں پھنسے وہ تمہاری کمائی ہوئی ہے، اور اللہ بہت سی غلطیوں کو معاف بھی کر دیتا ہے)

وطن عزیز کے کانٹوں کو چننے کی ذمہ داری اور اسے گلزار بنانے کی جو ابدھی ھمیں قبول کرنا ھوگی۔یاد رھے! نفرت کی آبیاری اور ظلم و عداوت کی کاشتکاری اقتدار کی مجبوری تو ھوسکتی ھے مذھبی تعلیم کبھی نھیں ھوسکتی۔

یقیناً حالات سخت ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے خرمن کو جلانے کیلئے چاروں طرف سے گرج رہی ہے، اس نازک وقت میں سرکار ذی وقار صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رہنمائی فرماتے ہیں:

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم يوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الآكلة إلى قصعتها، قال قائل ومن قلة نحن يومئذ، قال بل أنتم يومئذ كثير ولكنكم غُثاء كغثاء السيل ولينزن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذف في قلوبكم الوهن قال قائل يا رسول الله ما الوهن قال صلى الله عليه وسلم حب الدنيا و كراهية الموت (مشكوٰة المصابيح)

(براویت حضرت ثوبانؓ، سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا: جس طرح دسترخوان پر لوگ دوسروں کو بلایا کرتے ہیں تمہارے خلاف بھی قومیں ایک دوسرے کو بلائیں گی، کسی نے پوچھا: کیا اس دن تعداد تھوڑی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تمہاری تعداد بہت ہوگی لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے جھاگ کی سی ہوگی، خدا تعالیٰ تمہارے وقار اور وزن کو مخالفتوں کے دل سے نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں "وہن" ڈال دینگے کسی نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے ناگواری)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کا جونقشہ کھینچا تھا، وہ دورنزدیک نظر آرہا ہے، آپ نے مرض کی جو تشخیص فرمائی، وہ بھی واضح ہے، آپ کا پیغام امت کے ہر فرد کیلئے دعوت فکر ہے، اور فیصلہ امت کو کرنا ہے، کہ اسے قلب وروح عزیز ہے یا اس کا معدہ اور مادہ ابھی آسودہ نہیں ہوا ہے! وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ''راز زندگی'' اور ''نسخہ جاودانی'' کو دل میں اتارنے کیلئے تیار ہے یا نہیں؟ امت کا ایمان کے تقاضوں پر زوال یقین اوراسے زندگی میں برتنا ہی کامیابی کی شاہ کلید ہے۔

اقتدار کے تقاضے نفرت کی آبیاری اور عداوت کی کاشتکاری ہوسکتی ہے، مگر ایمان کے تقاضے، دنیا کی محبت اور موت کا خوف نہیں ہوسکتے، ''ایمان کا تقاضہ تو ماأتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھو ''ہے(رسول کریم نے جو کچھ دیا اسے پکڑلو اور جس چیز سے تمہیں روکا ہے اس سے باز آجاؤ۔ سورۃ الحشر)اس لئے:

سارا جہاں خلاف ہو پروا نہ کیجئے
پیش نظر تو مرضئ جاناناں چاہئے

یقین کیجئے دینی فکر اور مذہب سے سچا عشق اور اس پر عمل شاہراہ حیات ہے، روحانی قدروں کو اپنے اندر سمولینا زندگی کی معراج ہے، اورایسی ہی زندگی کیلئے ''لاخوف علیهم ولا هم یحزنون'' کی بشارت ہے، ہم سب جو اس بشارت کے طلبگار اور امیدوار ہیں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ہدایتوں کو ہر گھر میں پہنچادیں اور ہر دل میں اتاردیں، تو ساری بگڑی بن سکتی ہے، ہم محاسبہ نفس بھی کریں، محاسبہ معاشرہ بھی، اصلاح نفس بھی کریں اوراصلاح معاشرہ بھی، اور یہ بھی بتاتے چلیں کہ حب الدنیا رأس کل خطیئة (دنیا کی محبت ہر غلطی کی جڑ ہے) اوردلوں میں اتارتے چلیں کہ جب بھی دنیا کی محبت اور موت کا خوف ہوگا، وہ عہد ہوگا ہم پر امتوں کے ٹوٹ پڑنے کا!

یہی سبق ہے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا!

مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاریخ ایمان ویقین کے متوالوں کی تاریخ ہے، بصارت وبصیرت، جرأت وعزیمت کی تاریخ ہے، صبر وبرداشت، احتیاط وپرہیز کے ساتھ سوز دروں اور جذب و جنوں کی تاریخ ہے۔ بروقت فیصلے اور فیصلوں پر مسلسل عمل کی تاریخ ہے وہ احتیاط جو بزدلی کا تحفہ دے، وہ پرہیز جو حالات سے گریز سکھائے، وہ صبر جو ظلم مسلسل کی حسین تعبیر تلاش کرے اوروہ برداشت جو بے عملی تک پہنچادے، زندہ افراد اور زندہ اداروں کیلئے نہ قابل قبول ہے اور نہ گوارہ! ۞ ۞ ۞

اسلام کی سرحدیں اٹل

آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت ودرایت کے لحاظ سے اس کی ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقبل اور امتیازی شان ہے۔ مذہب کی دنیا دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اور مذاہب کی مثال ایک ایسی مملکت کی سی ہے جس کی سرحدیں نہیں، اگر ہیں تو وقت کی دھارے سے ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن اسلام ایک ایسی مملکت ہے کہ جس کی سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں، جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں۔ زمانہ کی کسی ضرت سے نہ وہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔

مولانا قاری محمد طیبؒ (بانی صدر مسلم پرسنل لا بورڈ)

اتحاد ملت کانفرنس ممبئی ۱۹۷۲ء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کا خطبہ صدارت

عارف باللہ حکیم الاسلام حضرت اقدس **مولانا قاری محمد طیب صاحب** نور اللہ مرقدہ
بانی وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وسابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

الحمد لله و سلام علی عباده الذين اصطفیٰ. و بعد

حضرات گرامی قدر! اس عظیم نمائندہ اجتماع کے لئے جس میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور مؤقر تنظیموں کے علماء وفضلاء اور ملک کے تمام دانشور جمع ہیں صدارت کسی ایسی بڑی اور نمایاں شخصیت کے سپرد ہونی چاہئے تھی جو اس عظیم اجتماع کے شایان شان اور اس کے لئے مزید عظمتوں کا باعث ہوتی۔ اس کے برخلاف ایک ایسے شخص کے سپرد کردی گئی ہے جو جسم و روح ظاہر وباطن دونوں کے لحاظ سے کمزور اور قلیل البضاعت ہے اور جتنی بضاعت ہے وہ مزجات ہے۔

دراں حالانکہ اس مؤقر مجمع میں ایسے اکابر علم وفضل موجود ہیں جو **بسطةً في العلم و الجسم** دونوں لحاظ سے اس ذمہ دارانہ منصب کے مستحق اور ملک وقوم پر اثر انداز ہونے کی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں۔

اس صورت میں مجھ جیسے طالب علم کے لئے اس بڑی ذمہ سے بہ ادب معذرت کردینے کا موقع تھا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اقویا کے مقابلے میں اس درجہ کا کمزور ہونا بھی بہر حال ایک امتیاز ہے اور بڑے کمال کے مقابلہ میں بڑا نقصان بھی کمال ہی سے نسبت رکھتا ہے، جو درحقیقت اس کمال کے نمایاں اور واضح کردینے کا ایک بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

و بضدها تتبين الاشياء

ضد ہی سے اشیاء کی تبئین ہوتی ہے۔ اضداد نہ ہوں تو کمالات کی بہت سی قوتیں چھپی کی چھپی رہ جاتی ہیں۔ اگر ظلمت نہ ہوتو نور کے پہلو نہیں کھل سکتے۔ اگر رات نہ ہوتو دن کی قدر قیمت نہیں معلوم ہوسکتی اگر جہل نہ ہوتو علم کی عظمت نمایاں نہیں ہوسکتی، اگر ضعف نہ ہوتو قوت کی قدریں نامعلوم رہ جائیں۔ اگر ناقصین نہ ہوں تو کاملین کے کمالات کے پہلو سامنے نہیں آسکتے۔

اس حقیقت کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اس ضعیف ونا کارہ کا انتخاب بہت ہی موزوں ومناسب ہوا اور جیسے انتخاب شدہ کو یہ بلاچوں وچرا قبول کرلینا چاہئے تھا اسی طرح انتخاب فرمانے والے بزرگ بھی میرے ہی نہیں بلکہ پورے اجتماع کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حقیقت شناسی کا پورا ثبوت

دیا ہے۔

لیکن اس شکریہ سے بڑھ کر اور سب سے پہلے ہم سب کو اس خداوند بزرگ و برتر کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جس کی عطا کردہ توفیق سے ہم سب یہاں ایک جگہ جمع ہیں اور کندھے سے کندھا ملائے بیٹھے ہیں۔ نہ صرف ہمارے اجسام ہی ایک دوسرے سے قریب ہوگئے ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے دل بھی ایک دوسرے سے قریب اور اخوت اسلامیہ کے جذبہ کے تحت قریب سے قریب تر ہوجانے کے آرزومند ہیں۔

بزرگان محترم! ہمیں ملانے والی چیز صرف اللہ کا نام اور اس کا مستند کلام ہے اور ہمارے دین کی واحد اساس کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہی ہمیشہ کی طرح آج بھی ہمارے اس ملی اتحاد کا سرچشمہ ہے۔ ہم اللہ کے نام سے زندگی حاصل کرتے ہیں اور اسی کے کلام کو اپنی زندگی کا قانون سمجھتے ہیں، اور اللہ کے سچے رسول خاتم النبیین حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو کمالات خداوندی کا نمونہ اور اپنی دنیا و آخرت کا کامل و مکمل رہنما اور مربی یقین کرتے ہوئے انہی اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا آخری مقصد سمجھتے ہیں۔

اسی پاک اسوہ سے ہمارے زندگی بنی ہے اور اسی سے آئندہ بنے گی اور اسی پر خاتمہ سے ہماری آخرت کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔

امام مالک کا ارشاد ہے:

لایصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها

یعنی اس امت کا آخری حصہ بھی اسی سے صلاح وفلاح پاسکتا ہے جس سے امت کے اول حصہ نے صلاح وفلاح پائی۔

یہی وہ روشنی اور رہنمائی ہے جس نے صدیوں کے خلاء کو پر کرکے ہمیں ایمانی عزیمت عطاء کی ہے اور ہم لوگوں کو جو ٹکڑے ٹکڑے تھے، آج کے دن ایک جسم واحد کی طرح ایک جگہ جمع کردیا اور ایک بار پھر اپنی شریعت اور اس کے مسائل کی حفاظت کے لئے اس مقام پر کھڑے ہونے کی ہمت بخشی۔

بلاشبہ جس طرح آج کا یہ اجتماع عظیم ہے اس طرح یہ دن بھی ایک عظیم بلکہ عظیم تر دن ہے جس میں بظاہر ایک ناممکن سی بات نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بن کر سامنے آگئی ہے۔ اور **واعتصموا بحبل لله جمیعاً و لا تفرقوا** کا پاکیزہ منظر آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔

حضرات گرامی! ہر دور میں تاریخ کا ظہور کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے لیکن اس دور کا تاریخی ظہور یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے مختلف مکاتب فکر کے علماء دانشور اور رہنما وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک نقطہ وحدت پر جمع ہیں۔ اس کی روشنی میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق توحید و رسالت اور جذبہ وحدت کی جو امانت امت کو سپرد کی گئی تھی ہم اس کی حفاظت کے فریضہ کو فرض کی طرح ادا کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ یہ امانت ہمیں جان و مال اور آبرو سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنے جانوں سے دستبردار ہوسکتے ہیں مگر اس ازلی اور ابدی امانت سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔

بزرگان محترم! آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت و درایت کے لحاظ سے اس کی ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقل اور امتیازی شان ہے۔

مذاہب کی دنیا دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اور مذاہب کی مثال ایک ایسی مملکت کی سی ہے جس کی سرحدیں نہیں، اگر ہیں تو وقت کی دھارے سے ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔لیکن اسلام ایک ایسی مملکت ہے کہ جس کی سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں، جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں۔زمانہ کی کسی ضرب سے نہ وہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان سرحدوں سے باہر نکل جائیں مگر یہ ان کی تعدی ہوگی، حدود اپنی ہی جگہ اٹل رہیں گی۔

تلک حدود الله فلا تعتدوها و من يتعد حدود الله فأولئك هم الظالمون

اسلام کا قالب جن قانونی دستاویزوں اور فطری اصولوں سے مشیت خداوندی نے تیار کیا ہے ان میں تمام ہنگامی اور دوامی اصلاحات اور ان کے اصول وقوانین جمع کر کے ان میں سے ان تمام سماجی برائیوں کو نکال دیا ہے جن کا نام جاہلیت تھا۔ اس میں کسی تغیر اور تبدیلی کے معنی اسی جاہلیت کو دوبارہ لے آنے کے سوا دوسرے نہیں ہوسکتے، جس سے مالک مطلق نے انسانیت کو پاک کر کے درجہ کمال پر پہنچایا تھا۔

آج پرسنل لا کے نام پر ان تبدیلیوں کا مواد بنام اصلاح وترمیم پیش کیا جارہا ہے۔کیا حقیقتاً یہ اصلاح اور کوئی اصلاحی تحریک ہے؟ یہ اصلاح اسی قسم کی ہے، جسے قرن اول کے منافقین انما نحن مصلحون کے نعرے کے ساتھ لے کر کھڑے ہوئے تھے، لیکن عالم الغیب والشہادہ نے کھلا اعلان فرمادیا تھا

الا انهم هم المفسدون ولكن لا يعلمون

ہم اپنے دین ودانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے۔بلکہ دوربین سے دیکھئے یا خوردبین سے، صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے، جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے، سو یہ آپ کی سیاست ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔

ہندوستان کا دستور، مذہب اور سیاست کو الگ الگ قرار دیتا ہے تو آپ ہمارے مذہب کے معاملے میں اپنی سیاست ملا کر حکومت اور عوام کو ناراض کرنے کی کوشش کیوں کررہے ہیں؟ آپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت ریفارمس چاہتی ہے اور ہم مصلح ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ملک میں سماجی برائیوں، اخلاقی گراوٹوں اور غلاظتوں کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حکومت کے قانون، حکام کی طاقت اور نام نہاد مصلحین کی اصلاحی مہم کا رخ اس طرف کیوں نہیں؟

مجھے اس وقت ایک سخت لفظ کہنے پر معاف کیجئے کہ وہ سماج کا کتنا دیوث ہے، جو لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی محض اجازت اور وہ بھی خاص شرائط عدل ودیانت سے مشروط اجازت پر اعتراض کرتا ہے اور اس غلاظت پر ان مظلوم قسمت کی ماری بازار گنہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں، نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے اور نہ کوئی داروگیر کاروادار ہے، سماج نے گناہوں کے بازار لگا رکھے ہیں۔آج بھی اس ملک میں ایسے فرقے ہیں جو اسی بیویاں رکھتے ہیں اور سماج ان کے بارے میں چوں تک نہیں کرتا۔بقول بابو ابھے چندرا اور بابو گریندرناتھ دت

'اس ملک میں ایسے کامن برہمن بھی ہیں جن کی پچاس پچاس اور سوسو بیویاں ہیں، ان میں سے ہر شخص کے پاس ایک

نوٹ رہتی ہے جس میں وہ اپنی بیویوں کے نام مع ولدیت اور گاؤں کا نام لکھ لیتے ہیں اور (پھر بھی) انہیں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جسے وہ ایک اجنبی سمجھ کر ملتے ہیں وہ ان کی بیوی یا لڑکا ہوتا ہے۔'

(پروفیسر کے ایم کپڑیا کی تصنیف 'میر اینڈ فیملی ان انڈیا' ص15 بحوالہ اخبار عزائم لکھنؤ 14 رنومبر 1972)

لیکن اسلام نے سماج کے اس وحشی دستور کے خلاف سوسو بیویاں رکھنے کے قانون کو محدود کر کے اگر چار کی گنجائش دی اور وہ بھی کڑی شرائط کے ساتھ اور اسی بے قید غلاظت سے سماج کو پاک رکھنے کے لئے تو مصلحین کی ٹولیاں قانون کے پشتارے لے کر دوڑ پڑیں، جس ملک میں راتوں کے کلب ہوں، مادر وطن کی بیٹیوں کے بدن سے عصمت وعفت کا لباس رات بھر اتار کر تار تار کیا جا رہا ہو اور خدا کے غضب سے حکومت اور سماج بے نیاز ہو، ایسے ملک کے چند ایسے سر پھرے مصلحین کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے سو بار خود تو شرمانا چاہئے تھا جنہیں بے شرم سماج کو ٹوکنے تک کی بھی ہمت نہیں۔ ان میں اسلام کی فطری اور اعلیٰ وارفع قانون عصمت پر حرف زنی کرنے کی ہمت آخر کہاں سے پیدا ہوئی؟ بے شمار بچوں کی تعداد پر تو پابندیاں عائد کی جائیں مگر بے شمار غلیظ گناہوں پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی جذبہ نہ ابھرے، خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں، کہیں بھی ہوں اور کتنے ہی شرمناک انداز میں ہوں۔

برائیوں کے بازار کھلے ہوئے ہیں، جن میں ہر برائی اور ہر اخلاقی گندگی بکری کے مال کی طرح بکتی ہے۔ تباہ حال اچھوتوں کا کیا حال ہے، غریب ہندو عورتوں کا کیا حال اور آل ہے، جو ان نسل کے لڑکے اور لڑکیاں کن کن سماجی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، جھوپڑیوں میں عورتوں کی عزت عصمت کیسے درناک حالات سے دور چار ہیں، وہاں کوئی مصلح، کوئی لیڈر اس اصلاحی مہم کو لے کر اٹھنے کی تکلیف گوارہ فرما کر نہیں پہنچتا اگر وہ اس اصلاحی مہم کو لے کر اٹھیں تو میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم سب اسی وقت ان مصلحین کے پروگراموں کا آخر تک ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔

شاید ان ہی غلاظتوں کی پردہ پوشی کے لئے پرسنل لا کے چند مسائل کو ہدف بنا کر ان میں ترمیمات اور اصلاحات کے نعرے لگائے جا رہے ہیں، یا ممکن ہے کہ اقلیتوں کو جذباتی ہیجان میں مبتلا رکھنے کی یہ کوئی تدبیر ہو۔ بہر حال نعرہ زنوں کا انداز ہ قد ہر لباس میں عریاں ہے۔ خواہ وہ آئین کا لباس پہن کر آئیں، یا سماج اور معاشرہ کی اصلاح کا، لیکن اگر ان میں سے کوئی فرد، دین خداوندی میں ترمیم وتبدیلی کا نعرہ بزعم خود کو کوئی اصولی بات سمجھ کر لگا رہا ہے، تو میں اس اجتماع کے موقع پر اپنے تمام علماء کرام اور دانشوران محترم کی طرف سے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے اس عقیدہ پر اٹل ہیں کہ جس طرح خدائے بزرگ برتر نے اپنے نظام خلق کو اپنی سچی فطرت پر قائم کیا ہے، جس میں تبدیلی ناممکن ہے کہ لاتبدیل لخلق اللہ۔ اسی طرح اس نے اپنے نظام امر کو بھی جس کا نام دین ہے، اپنی اسی فطرت کے اساس پر قائم کیا ہے، اس لئے اس میں بھی تبدیلی ممکن نہیں، **لاتبدیل لکلمات الله.**

یہ قانون فطرت ہے اور فطرت تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی زمین، آسمان، چاند، سورج اور کواکب ونجوم کو نہیں بدل

سکتا، صرف اس سے فائدہ ہی اٹھاسکتا ہے تو دین کے کلیات وجزئیات، احکام وآداب، اخلاق وعقائد، معاملات ومعاشرات اور اجتماعی قوانین سے لے کر عائلی قوانین تک کی فطری حدود کو بھی نہیں بدل سکتا، وہ صرف فائدہ اٹھانے کیلئے اتارے گئے ہیں، بدلنے کے لئے نہیں لائے گئے، بدلنے کی جب بھی سعئ لاحاصل کی جائے گی تو خدائی حدود تو اپنی ہی جگہ قائم رہیں گی، لیکن بدلنے والوں کے حق میں سماج کا ڈھانچہ بکھر کر غلاظتوں اور گناہوں کا ڈھیر ہوجائے گا۔ جس کی وجہ یہ کہ جس طرح خدا کی اس کائنات کا نظام خلق نہایت ہی مرتب اور فطرت کے اصول میں بندھا ہوا ہے، جس کا کوئی ایک جزء بھی عرش سے فرش تک اور ثریا سے ثریٰ تک بے جوڑ نہیں، اسی طرح اسی خدائے برتر وتوانا کا نظام امر یعنی شریعت بھی غیر مرتب یا بے جوڑ نہیں، بلکہ اس کا بھی ایک جزء اپنی ہی فطری اصولوں سے بندھا ہوا، اپنی فطری تنظیم سے وابستہ ہے، اور ایک ہی فطرت الٰہی ہے جو ان دونوں نظاموں کو تھامے ہوئے ہے، جو فطرت اس کے کام میں کارفرما ہے، وہی اس کے کلام میں بھی کارفرما ہے۔

الا له الخلق و الأمر فتبارک الله رب العٰلمين

جس طرح اس نظام خلق یہ اربوں، کھربوں انفرادی جزئیات، حیوانات کی ہوں یا نباتات کی، جمادات کی ہوں یا مجردات کی، اپنی اپنی انواع سے جڑی ہوئی ہیں، جیسے حیوانات میں مثلاً شیر، بکری، اونٹ، گھوڑا اور گدھا وغیرہ حیوان کی جنس سے وابستہ ہیں، نباتات کے بے شمار افراد، درخت گھاس، جھاڑ، بیل وغیرہ اپنی اپنی انواع سے جڑے ہوئے ہیں۔ اور جمادات کے ان گنت افراد اینٹ، پتھر، ریت چونا سمینٹ، لوہا، سونا، چاندی، پہاڑ اور دریا وغیرہ اپنی اپنی جمادی انواع سے وابستہ ہیں، اسی طرح یہ ساری انواع، حیوان ونباتات وجماد مل کر ایک اوپر کی کلی جنس کے نیچے جمع ہوجاتی ہیں، جس کا نام جسم ہے، کہ یہ ساری کی ساری نوعیں مجسمانی ہیں۔ پھر جسم کے دوش بدوش کچھ غیر جسمانی یا بے حد لطیف الاجسام مفردات کی لطیف انواع ہیں، جو اپنی لطافت کے سبب ان نگاہوں سے دیکھی نہیں جاسکتیں، جیسے ارواح، ملائکہ جنات وغیرہ یہ سب مل کر ایک نہایت ہی وسیع اور عام تر جنس کے نیچے آجاتی ہیں، جس کا نما جوہر ہے، جو بلاکسی غیر کے سہارے خود سے قائم ہیں۔ پھر جوہر کے دوش بدوش کچھ غیر جوہری اشیاء بھی ہیں جو خود سے قائم نہیں ہیں بلکہ دوسرے کے سہارے قائم ہیں۔ جیسے ان جنسوں کے افعال وخواص رنگ وبو، کیف وکم اور مقدار وغیرہ۔ پھر یہ سب جوہری نوع عرضی موجودات مل کر ایک نہایت ہی وسیع حاوی اور محیط کائنات جنس کے نیچے آجاتی ہیں، جس کا نام وجود ہے کہ ان کائناتوں میں اس سے بڑا احاطہ کسی کلی کا نہیں جو ساری موجودات کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ وجود عین ذات حق سے (جل ذکرہ) اس کی ذات وجود الگ الگ نہیں ہیں کہ وجود کا اس سے جدا ہوجانا ممکن ہو، اس لئے یہ ساری کائناتیں وجود کے واسطہ سے اس وجود مطلق اور موجود اصلی سے وابستہ ہوجاتی ہیں، جس سے ان سب کا ایک ہی سرچشمہ ثابت ہوتا ہے اور اسی پر ان کائناتوں کے وجود کی انتہا ہوجاتی ہے، جسے قرآن حکیم نے دولفظوں میں کھول دیا ہے 'وان الی ربک المنتھیٰ' یعنی بلا شبہ تیرا رب ہی منتہی ہے۔ جس پر ہر

موجود کی انتہاء ہوئی ہے کہیں فرمایا 'وان الی ربک الرجعی' (اور بلاشبہ تیرے ہی پروردگار کی طرف ہر چیز کا رجوع ہے) کہ وہ اسے چھوڑ کر ادھر ادھر نہیں جا سکتی، لیکن ساتھ ہی ان موجودات پر کائناتوں کی انتہا نہیں ہو جاتی، بلکہ موجودات سے کہیں زیادہ ان گنت معدومات بھی ہیں، جنہوں نے ابھی تک وجود کا جامہ نہیں پہنا، مگر ان کا موجود ہونا ممکن ہے اور وہ کائنات خلق میں شامل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے یہ ساری موجودات و معدومات مل کر ایک اور انتہائی حاوی شامل اور محیط الکل کلی کے نیچے آئی ہوئی ہیں، اس جنس کا کلی نام علم خداوندی ہے، جو موجود معدوم سب پر حاوی ہے، پس موجودات عینی شکلوں میں موجود و معدومات علمی صورتوں میں علم الٰہی میں سمائی ہوئی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان دو کلموں میں ارشاد فرمایا، 'واحاط بکل شی علماً' (اور اللہ جل ذکرہ ہر چیز پر خواہ وہ موجود ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو) اپنے علم سے محیط ہے۔ بہر حال اس مرتب نظام کائنات کی کائناتوں سے جس کی انتہا علم الٰہی پر ہے، ہم فائدہ تو ضرور اٹھا سکتے ہیں اور ضرور اٹھانا چاہئے، جب کہ یہ ہمارے لئے بنائی گئی، اور مسخر کی گئی ہیں، لیکن انہیں بدل ڈالنے کا تصور جنون اور حماقت سے کم نہیں جب کہ فطرت علمی ہو یا عملی نہ بدلنے کی چیز نہ بدلی جا سکتی ہے۔ ' **لاتبـديـل لخلق الله ذٰلک الدین القیم والکن أکثر الناس لا یعلمون**' (اللہ کی خلقت میں تبدیلی ناممکن ہے یہی اس کا طریقہ اور مستحکم دین ہے لیکن انسانوں کی اکثریت جہالت میں پھنسی ہوئی ہے) ٹھیک اسی فطرت پر خدا کا نظام امر بھی ایک عجیب حکیمانہ ترکیب اور تنظیم کے ساتھ قائم ہے، جس میں مسائل جزئیہ کے افراد بھی ہیں، اور ان پر کلی انواع بھی، پھر انواع کے اوپر اجناس اور اجناس پر جنس الاجناس کا احاطہ بھی، جس سے دینی مسائل کی کثرتیں سمٹ کر وحدتوں کی طرف اور وحدتیں سمٹ کر وحدت الواحدات کی طرف رجوع کئے ہوئے ہیں۔ اور دین مثل حسی کائنات کے ایک نہایت ہی منظم اور مرتب روحانی کائنات کی شکل میں جلوہ گر ہے۔

دین کے لاکھوں افراد مسائل کو ان کی انواع سمیٹے ہوئے ہیں۔ مثلاً نماز ایک نوع ہے، جس کے ہزاروں مسائل ہیں اور ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، حج ایک نوع ہے جس کے ہزاروں مسائل ہیں، جن پر سینکڑوں تصنیفیں ہیں۔ مالیات ونفقات ایک نوع ہے جس کے نیچے ہزار ہا جزئی مسائل ہیں اور ان پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں، زکوٰۃ، صدقات، خیرات اور ہدایا، قرض وامانت وغیرہ مستقل نوعیں ہیں جن کے نیچے ہزاروں مسائل آئے ہوئے ہیں، تدبیر منزل ایک مستقل نوع ہے، جس کے نیچے ولادت، رضاعت، تربیت اور روابط وعلائق کے ہزار ہا مسائل ہیں۔ نکاح، طلاق، خلع وغیرہ کی انواع ہیں، جن کے نیچے طلاق نکاح وغیرہ کے ہزاروں مسائل ہیں۔ پھر انتظام مملکت اور تعزیرات ایک نوع ہے، جس کے نیچے ہزاروں سیاسی اور اجتماعی مسائل آئے ہوئے ہیں۔ پھر بین الاقوامی معاملات کے لئے خلافت ایک مستقل نوع ہے، جس کے نیچے ہزاروں مسائل ہیں اور جن پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور پھر ان تمام انواع کے اوپر اجناس ہیں اور اجناس کو پھر ایک جنس کلی نے اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

بہر حال دینی انواع نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، مہر، خلع، ولادت، رضاعت، تربیت، لین دین، بیع وشراء، وقف

وہبہ، قرض، امانت، اجارہ، حدود، قصاص، کفارات وغیرہ وغیرہ کے لاکھوں جزئیات مسائل اور ان کی بے شمار عملی صورتیں اور نمونے ہیں، جن سے دینی کتابیں اور کتابوں سے دنیا کے لاکھوں کتب خانے بھرے ہوئے ہیں، جن سے امت کی خصوصیت ہی کثرت تصنیف قرار پا گئی ہے، جیسا کہ بعض علماء امت نے دعویٰ کیا ہے۔

پھر ان انواع کے اوپر اجناس کلیہ ہیں، جن کے نیچے یہ تمام نوعیں آئی ہوئی ہیں، جیسے اخلاق، اعتقادات، عبادات، منزلیات، معاملات، معاشرات، مدنیات، اجتماعیات اور آفاقیات وغیرہ، پھر ان ساری مصالح کلیہ کا تعلق صفات خداوندی سے ہے، جن کے تقاضوں سے یہ علل واسرار اور ان سے یہ احکام نمایاں ہوئے، اور پھر ان تمام صفات الٰہی کا تعلق ایک ہی کلی الکلیات علم الٰہی ہے۔ جس کے واسطہ سے یہ سرا نظام ذات بابرکات الٰہی سے جڑتا جاتا ہے اور خلق وامر کی ساری کثرتیں سمٹ کر ایک ہی ذات واحد پر جا کر منتہی ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح خلق وامر دونوں میں توحید الٰہی کا عقیدہ فطری طور پر خود بخود ثابت ہو جاتا ہے، جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا موضوع بعثت ہے۔ کان دین الانبیاء لاالہ الا اللہ۔ (سارے انبیاء کا دین لا الہ الا اللہ ہی رہا ہے۔)

اس لئے اسلام نے توحید کو محض شرعیات ہی کی حد تک محدود نہیں رکھا، بلکہ عالم خلق میں بھی ایک ایک فعل، ایک ایک قول اور ایک ایک نیت اور ایک ایک ظاہری ہیئت تک وسیع کر کے توحید عملی کا مستقل نظام قائم کیا ہے، تاکہ زندگی کے ہر ہر موڑ پر اور اس کی ایک ایک نقل وحرکت پر بندہ اپنے خدائے واحد کی طرف رجوع رکھے اور شرک کی آلائشوں سے ملوث نہ ہو۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ جیسے کائنات خلق کے اس فطری نظام میں، دخل اندازی انسانیت کی تباہی ہے اور جس طرح کائنات خلق اور اس کی اشیاء میں ترمیم وتنسیخ کا تصور یا عمل شرک اور خلاف توحید ہے، اسی طرح اس کائنات روحانی اور اس کے کسی جزوی مسئلہ میں بھی انسانی ترمیم وتبدیلی ایک کھلا شرک ہے جسے مٹانے کے لئے انبیاء معصومین مبعوث ہوئے۔

اس لئے جیسے کائنات خلق سے فائدہ ہی اٹھا سکتے ہیں، اسے بدل نہیں سکتے۔ اسی طرح کائنات امر یعنی شرائع سے بھی فائدہ ہی اٹھا سکتے ہیں اور اٹھانا چاہئے، اسے بدل نہیں سکتے۔ اگر کسی ایک جز میں تغیر وتبدل کا تصور باندھا جائے گا۔ تو یہ جزوی ترمیم نہ ہوگی، جس کا ایک چھوٹا سا جزو یہ ہے، بلکہ شریعت کے نظام عمومی کا رشتہ، جب کہ ساری انواع وجزئیات میں پرویا ہوا ہے، تو جس دانہ کو بھی اپنی جگہ سے نکال دیا جائے گا، تو صرف وہ جزئی خرابی نہ ہوگی، بلکہ پوری مالا اور ہار کی بدزیبی اور بدنمائی ہوگی، جس سے ہار کی اصلی حسین شکل وصورت باقی نہیں رہ سکتی اسی درجہ میں روحانیت کی تباہی سامنے آجائے گی، جس کی صلاح وفلاح کے لئے یہ دین اتارا گیا ہے، بلکہ ان اصول وکلیات اور ان کے واسطہ سے صفات الٰہی اور ان کے توسط سے علم الٰہی میں تغیر وتبدل کر ڈالنے کے ناپاک عمل کے مرادف ہوگا، جو ناممکن ہونے کے علاوہ انتہائی خباثت اور خیانت ہوگی، کہ آدمی بندگی کی حدود سے نکل کر خدائی حدود میں مداخلت کرنے کی شرارت کا مرتکب ہو۔ جب کہ پورے نظام دین

ودیانت کا خاکہ، بحیثیت مجموعی ایک متصل واحد شیء ہے۔ اس کے کسی جزو کو چھیڑنا پورے نظام کو چھیڑنا ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک حوض کے متصل واحد پانی کی سطح پر اگر ایک سمت میں بھی، ایک ڈھیلا پھینک کر، اسے ہلا دیا جائے تو تو ناممکن ہے کہ یہ ایک سمت کی حرکت لہر بن کر درجہ بدرجہ دوسری طرف نہ پہنچے، اسی طرح یہ تمام اسلامی شعبے اپنے اپنے اصول وکلیات کے تحت، اور پھر یہ تمام اصول کلیات اپنے باہمی ربط سے جڑ کر، ایک کلی الکلیات کے تحت، باہم ایک دوسرے سے، اس طرح جڑے ہوئے اور گتھے ہوئے اور متصل واحد ہیں، کہ دین کے کسی ایک چھوٹے سے گوشے کے حقیر سے حقیر تغیر کا اثر بھی پورے نظام کے ڈھانچہ پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین خدائی آئین وقوانین کے مجموعے کا نام ہے جو بندوں کی ہدایت ورہنمائی اوران کی دنیا اورآخرت کی صلاح وفلاح کے لئے، بتوسط انبیاء معصومین بھیجا جاتا ہے۔ اسلام اسی دین کا اورآخری مکمل نقشہ یا بعنوان ودیگر تمام زندگی کے ہر ہر گوشے کے لئے دستور فکر وعمل بنا کر اتارا گیا ہے، جس میں جزئی احکام بھی ہیں اوراصول کلیات بھی، علل احکام بھی ہیں اور مصالح واسرار احکام بھی، ہر حکم کسی نہ کسی علت پر مبنی، اور ہر علت کسی نہ کسی حکمت پر مشتمل، ہر جزئی کسی نہ کسی فطری کلی کے نیچے آئی ہوئی ہے، اور ہر کلی اپنے وسیع دامن میں ہزار ہا فطری جزئیات کا ذخیرہ لئے ہوئے، اس لئے دین ایک منظّم اور منضبط ضابطۂ حیات کی صورت سے ہے، جس کی تمام جزئیات کلیات کی طرف سمٹتی گئی ہیں، اور کلیات، جزئیات کی طرف پھیلتی گئی ہیں، اورآخر کار یہ ساری کلیات، اپنی جزئیات سمیت، ایک ہی کلی الکلیات یعنی 'علم الٰہی' سے وابستہ ہوگئی ہے۔

یہ منظّم اور ظاہر وباطن کی اصلاح کا مکمل الٰہی قانون، جس کا اہم ترین جز 'پرسنل لا' بھی ہے۔ جو چار حجتوں پر قائم ہے۔ کتاب اللہ (قرآن کریم) سنت رسول اللہ (حدیث محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) اجماع وقیاس، جو اجتہاد کے دائرے کی چیز ہے جس کا اصطلاحی نام 'فقہ' ہے۔

قرآن تشریعی اصل ہے، جس سے شریعت بنتی ہے۔ حدیث تشریحی اصل ہے، جس سے شریعت کھلتی ہے۔ فقہ تفریعی اصل ہے، جس سے شریعت پھیلتی اور منضبط ہوکر آئین کی صورت اختیار کرتی ہے۔ پس جس طرح ہر مسلم فرقہ کے ہاتھ میں کتاب وسنت ہے، اسی طرح کوئی فرقہ اجتہاد سے بھی خالی نہیں، کہ نئے حوادث سب کے لئے ہیں اوران کے پیش آنے پر سب ہی اپنے اپنے اصول تفقہ سے مسائل کا استخراج اور استنباط ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے فقہ ہر ایک کا الگ الگ اور اصول فقہ جدا جدا۔ بناء بریں کسی بھی فرقہ کے لئے ان چار حجتوں سے چارۂ کار نہیں، البتہ ان چار حجتوں میں سے پہلی دو اصلیں یعنی کتاب وسنت 'وحی الٰہی' جو بواسطۂ ملک یا بکلام خداوندی قلب نبوت پر اتری ہیں اور دوسری دو اجتہادی اصلیں یعنی اجماع وقیاس 'القاء ربانی' جو کتاب وسنت کے علم راسخ، عقل صافی اور تقویٰ شعار ذوق ووجدان پر وارد ہوتی ہیں، اس لئے اسلام میں ایک شرائع اصلیہ ہیں، جو پہلی دو اصلوں سے متعلق ہیں۔ اور شرائع فرعیہ ہیں، جو دوسری دو اصلوں سے وابستہ ہیں، مگر وہ پہلی ہی دو اصلوں سے ملحق اوران ہی پر متفرع ہیں۔

اندریں صورت ان چار اصولوں میں سے کسی ایک کو بھی

غیر شریعت کہنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی۔ اور جو حصہ اجتہادی فرعیات کا ہے، خواہ وہ کسی بھی فرقہ کا ہو، وہ جب کہ اس کے علم ویقین کے مطابق، کسی نہ کسی قرآنی یا حدیثی کلیہ سے یا کسی جزئی حکم کی علت جامعہ سے، بتوسط اجتہاد نکلا ہوا ہے، تو کتاب وسنت ہی میں سے نکلا ہوا، اس کا جزو ہوگا۔ جس سے واضح ہے کہ کہ مجتہد کا فعل صرف استخراج واستنباط مسائل ہے، ایجاد مسائل نہیں، مخفی مسئلہ کا بتانا ہے، بنانا نہیں۔ اندریں صورت کوئی وجہ نہیں کہ اسے غیر شریعت کہا جائے، اور اسے شرعی حجت نہ مانا جائے۔

یہ الگ بات ہے کہ ان تمام شرعی حجتوں کا درجۂ حجیت یکساں نہیں ہے، لیکن اس فرق سے چاروں کی نفس حجیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ تمام اجتہادی عناصر بالواسطہ اور بلاواسطہ کتاب وسنت ہی سے وابستہ ہیں، جو اس دین کی حقیقی اصلیں ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، کہ اس نے اس امت میں ایسے مخصوص ورثاء انبیاء بھی ہر دور میں پیدا کئے، جنہوں نے وحی الٰہی کو جہاں بکمال صحت درایت وسند بامانت ہم تک پہنچایا، وہیں اس وحی خداوندی کی چھپی ہوئی جزئیات بھی بکمال روایت وتفقہ کھول کر امت کے سامنے رکھ دیں۔ پس جس طرح وحی کی درایت کو حفاظ اور محدثین نے ہم تک پہنچایا، اسی طرح اس کی درایت کو فقہائے ملت نے ہم تک پہنچا دیا۔ اگر ان کی پہنچائی ہوئی روایت، شریعت الٰہی کا اہم جزو ہے، تو یہ درایت بھی شریعت کا دوسرا اہم جزو مانی جائے گی، اس لئے ان چار حجتوں، اور ان سے ثابت شدہ احکام میں سے کوئی ایک چیز بھی بوجہ شریعت ہونے کے، ایسی نہیں رہتی، جو انسانی ترمیمات کی گرفت میں آسکے۔ ورنہ یہ فطرت کی تبدیلی کے مرادف ہوگا۔

اسی لئے ہم نہ صرف مسلمانوں، بلکہ اس ملک کے عظیم رہنماؤں اور دانشور حکام سے یہ کہتے ہیں کہ اور بڑے خلوص سے کہتے ہیں، کہ ہم یکساں 'سول کوڈ' کے منصوبے کو مسترد کرکے، اپنے اس عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں، کہ 'مسلم پرسنل لا' میں پارلیمنٹ کے ذریعہ سے ہو، یا حکومت کے راستے سے، یا کسی اسمبلی کی سفارش سے، کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ اسلام کا قانون فطرت الٰہی پر قائم ہے اور وہ ناممکن التبدیل ہے۔ '**فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله** (اللہ کی فطرت ہے، جس پر اس نے انسانوں کو بنایا۔ خدا کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی ہے سیدھا دین، لیکن انسانوں کی اکثریت، اس سے جاہل اور ناواقف ہے۔)

اس دور جہالت ونادانی کا نتیجہ ہے کہ دین سے جاہل اور ناواقف اور بزعم خود واقف کار ایک طبقہ کچھ جزئیات لے کر کھڑا ہوا ہے اور ان میں ترمیمات کا مطالبہ کررہا ہے۔ گویا اسے سارا دین چھوڑ کر جب اس میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی جگہ نہ ملی تو ان چند جزئیات کو ہدف بنا کر سامنے آیا۔ اور بزعم خود اس نے گویا بڑی فلسفیت اور زعیمی کا کارنامہ انجام دیا لیکن جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں ان ساری خرابیوں کی جڑ اور بنیاد مذہب کے بارے میں ان لوگوں کا سیاسی تصور ہے۔ یہ لوگ دین اور خدائے برتر کو بھی معاشری نقطۂ نظر اور پیٹ ہی کی خاطر سمجھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے ایک کلیہ ایجاد کررکھا ہے، جس کے

یہ گل کھل رہیں۔ اور وہ یہ کہ مذہب انسان کا ایک نجی اور پرائیویٹ معاملہ ہے۔ اس تصور کی نامعقولیت سے تھوڑی دیر کے لئے الگ ہوکر، اس کے آثار کو دیکھا جائے، تو مشاہدات ہی سے اس کے اصول کا کھوکھلا پن سامنے آجاتا ہے۔ اس کے آثار میں پہلی مہلک صورت حال تو یہ پیدا ہوگی، کہ پرائیوٹ معاملات میں ظاہر ہے کہ صرف عبادات اور اذکار ہی مذہب میں داخل رہ سکیں گے، بقیہ دین کے تمام شعبے جیسے معاملات، مالیات اور وہ تمام رابطے کہ جس میں انسانوں سے سابقہ پڑتا ہے، دین سے خارج ہوکر ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں گے، وہ جس طرح چاہیں گے اپنی من مانی کارروائی کرسکیں گے۔ یہی وجہ کہ انسان اگر رات بھر نفلیں پڑھے اور دن بھر ذکر وتلاوت میں مصروف رہے، تو ان لوگوں پر اوران کے کاز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ ان کی روٹی بند ہوتی ہے۔ نہ ان کی تنخواہیں رکتی ہیں اور نہ ان کے نظام میں کوئی فرق پڑتا ہے، لیکن جونہی انسان اس مفروضہ پرائیویٹ حد سے نکل کر میدان معاملات میں اتر تا ہے، تو یہ لوگ فوراً قانون کے دفتر اور شکوک وشبہات کے پشتارے اور رکیک تاویلات کے ڈھیر لے کر پہنچ جاتے ہیں، تاکہ ایک سادہ لوح انسان اپنے دینی طرز فکر اور فکری طرز عمل پر جم نہ سکے، اور ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہوجائے، اس کا مضر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عبادات کو چھوڑ کر دین کے بقیہ تمام شعبے، ان کے اختیار اور تصرف میں آجائیں، اور اسلام جیسا جامع دین اور مکمل دستور حیات، جس کی بشارت انبیاء سابقین دیتے آرہے تھے، ان حدثاء الثنان سفھاء الاحلام (نوخیز ناتجربہ کار اور خام عقل لوگوں) کے ہاتھوں میں پڑ کر ناقص ونا تمام اور آدھا، تہائی رہ جائے۔

دوسری مہلک صورت یہ پیدا ہوگی کہ جب لوگ اسلام کے تمام معاملاتی اور اجتماعی کاموں کو اپنی ناقص رائے اور جزوی عقلوں سے طے کرنے لگیں گے تو دین وحی الٰہی اور نقل صحیح کی حکومت سے نکل کر عامۃ الناس کی عقلوں کے زیر حکومت آجائے گا۔ حالانکہ دین وحی خداوندی اور مستند نقل صحیح کی بنیادوں پر قائم ہے، نہ کہ عقلی اختراعات اور اوہام وخیالات پر، جس سے ان کے لئے دینی شعبوں میں کتر بیونت کی گنجائش پیدا ہو۔ تیسرے یہ کہ عقلوں میں تفاوت ایک مشاہد بات ہے۔ عوام ہوں یا خواص، عقلیں سب کی ایک درجہ کی نہیں ہیں اور نہ ہوسکتی ہیں، ظاہر ہے کہ جب دین اور اس کے تمام معاملاتی پہلوؤں کا محور یہی جزوی عقلیں ہوں گی تو دین طرح طرح کے خیالات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا اور جتنی عقلیں موجود ہوں گی اتنے ہی مذہب تیار ہوجائیں گے، جس سے نفس دین تو سرے سے گم ہوکر رہ جائے گا، ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسلامی دستور کی کوئی نوع اور نوع کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں، جس میں قانون کے ساتھ اخلاق کا رنگ گھلا ہوا نہ ہو، حتی کہ اجتماعی اور سیاسی احکام کے ساتھ بھی کتاب وسنت میں تقویٰ، طہارت، خشیت اللہ، رضا جوئی حق، اور یادگاری آخرت کا جوہر شامل ہے، جس سے یہ تمام احکام ہم رنگ عبادت بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوری عقلیں اور وہ بھی بے قید، بے فکر، بے ذوق اور آزاد منش لوگوں کی دین مرتب کریں گی، تو اس میں فلسفیت اور فلفیست بھی نہیں۔ بلکہ سفسطیت، تو کسی حد تک ضرور آجائے گی۔ لیکن اخلاقیت کا کوئی شمہ شامل نہ ہوسکے گا اور اس طرح یہ نام نہاد دین

سارا عام دنیوی قوانین کی طرح ایک روکھا پھیکا رسمی قانون اور دنیاوی دستور بن کر رہ جائے گا۔ جس میں دیانت، قرب الٰہی، محبت خداوندی اور آخرت کے آثار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، ظاہر ہے کہ اسلام نے مذہب کا جو تصور دیا ہے، وہ اس تصور سے یکسر مختلف اور اس کے منافی ہے۔ اسلام ہرگز اس کا قائل نہیں، کہ بادشاہ کا حصہ بادشاہ کو دو، اور پوپ کا حصہ پوپ کو دو، بلکہ اس نے بادشاہ اور پوپ کے سب حصے ختم کر کے، صرف ایک ہی واحد قہار خدائے لم یزل کا حصہ دین ودنیا دونوں میں قائم کیا ہے۔ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا ایک ہی ذات واحد کی طرف اپنی نیت اور عمل اور طرز فکر ونظر کا رخ رکھنا اس نے سکھایا، اس کے نزدیک کے مذہب انسان کا کوئی نجی یا پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے۔ جس سے دنیوی زندگی کے معاملات خارج ہوں، بلکہ عالم انسانیت کی صلاح وفلاح کا ایک کھلا دستور ہے، جس میں ولادت سے لے کر وفات تک کے تمام معاملات اور نشیب وفراز اس کی حدود میں داخل ہیں۔ قرآن کریم کا کھلا اعلان ہے۔ قل إن صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العٰلمین. لاشریک له وبذلک أمرت وأنا أول المسلمین. اس میں امہات عبادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے ساتھ بقیہ تمام عبادت موت وحیات کے درمیان ہر ایک نقل وحرکت، کھانا پینا، رہنا سہنا، ملنا جلنا، دوستی دشمنی، قومی اور بین الاقوامی معاملات سب کو دین کا جز و بنا کر، اسلام کہا گیا ہے اور سب کے حقوق کے بارے میں چاہے وہ انفرادی ہوں یا اہلی، پڑوس کے ہوں یا دوسری اقوام کے، بین الاقوامی ہوں بین الملی، جامع قوانین پیش کئے، جن سے قرآن کریم کتب حدیث اور کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔

اس لئے مذہب اور بالخصوص اسلام کو آدمی کا کوئی نجی اور پرائیویٹ معاملہ کہنا پورے اسلام کا تار و پود بکھیر دینا ہے، جسے اسلام قبول نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نام نہاد مصلحین یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتے ہوں، کہ ہندوستان کا قانون آدمی کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اور اس میں جس کا جو جی چاہے، تغیر وتبدل کر سکتا ہے، تو دین اور خدا کے قانون کے بارے میں انہیں یہ جرأت کیوں ہے۔

بہرحال پرسنل لا کی ان جزئیات کے بارے میں شکوک وشبہات کی تو الحمدللہ علماء نے قلعی کافی کھول دی ہے، جو آپ حضرات کے سامنے آئے گی۔ مجھے تو اس موقعہ پر یہ عرض کرنا ہے، کہ یہ جزئیاتی یا جزوی ترمیم کے خواہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر درحقیقت ان جزئیات کو اصول کے اوران کے واسطے سے اسلام کے پورے نظام کو چیلنج کر رہے ہیں، جن کے نیچے یہ ساری جزئیات آئی ہوئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی اس قسم کے جزوی منصوبوں کو لے کر کوئی دانا دشمن یا ناداں دوست کھڑا ہوا تو علماء حق نے اس حقیقت کو بھانپ کر، اس کا سامنا کیا اور کسی بھی سکوت واغماض سے کام نہیں لیا۔

ہندوستان میں انگریزی اقتدار آنے پر حالات بدلے، ان کے مسائل ہی نہیں، بلکہ نئے نئے الحادی نظریات اور لادینی کے نئے نئے جذبات دلوں میں ابھرنے شروع ہوئے اور چند دن کے بعد ایک مستقبل گروہ، ان کے انداز فکر وعمل کا تیار ہوگیا، جس نے نہ صرف اسلامی انداز فکر وطرز معاشرت کو ترک کیا،

بلکہ رفتہ رفتہ اسلامی معتقدات کو بھی ہدف ملامت بنانا شروع کر دیا۔

لیکن حق تعالیٰ جزائے خیر دے امت کے علماء ربانی اور مشائخ حقانی کو، جنہوں نے اپنی فراست باطنی سے اندازہ لگا کر تحفظ دین کی داغ بیل ڈال دی۔

بالخصوص اسلامی مسائل میں عائلی قوانین اور مسلم پرسنل لا کو علماً وعملاً محفوظ کر دینے کا ایک حصار قائم کر دیا ہے، جو آج تک قائم ہے، اس لئے مسلم پرسنل لا کا مسئلہ پندرہ بیس سال پرانا نہیں، جیسا کہ بعض حضرات یہی خیال کئے ہوئے ہیں اور اسے علماء کی خاموشی اور شکوے کے ساتھ، ان کی بے توجہی کو پیش کرتے ہیں، بلکہ یہ مسئلہ اور علماء کی طرف سے اس کے بارے میں اقدام ودفاع سو سال پرانا ہے۔

چنانچہ 1857 کے بعد جب انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہوگیا، تو ان ورثاء انبیاء نے سب سے پہلے مسلم پرسنل لا ہی کے تحفظ کی فکر کی۔

1867 میں جب دارالعلوم، دیوبند کی بنیاد پڑی، تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ نے سب سے پہلے، ان ہی عائلی قوانین کے اجرا کی فکر کی۔ ان مقدسین سے یہ تو بعید تھا کہ وہ اسلام کے عائلی قوانین کی برقراری، اور اجراء کے لئے انگریز سے التجا کرتے، اس لئے اسی ابتدائی دور میں حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم ہی میں غیر رسمی انداز سے عہدۂ قضاء قائم کیا اور دارالعلوم کے اولین صدر مدرس حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ کو قاضی مقرر فرمایا، جس کے تحت پرسنل لا کے عائلی مسائل اور الجھے ہوئے معاملات، شرعی اصول پر طے ہونے لگے۔ انگریزوں کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ مسلمان نامی لوگوں ہی کو، اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھایا گیا، بالآخر تغیر احوال سے ان کے دور کے ساتھ، اس نظام کا دور بھی ختم ہوگیا، لیکن مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی جو داغ بیل، ان بزرگوں نے ڈالی تھی، وہ دلوں کی زمین میں قائم ہوگئی، گو اس کے خلاف کی داغ بیل بھی اسی وقت سے مسلم صورت افراد کی طرف سے پڑ چکی تھی، اس لئے مسلم پرسنل لا کے بارے میں مرض اور علاج دونوں ہی سو برس پرانے ہیں۔

انگریزوں کے اقتدار پر نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ہندوستانیوں میں سیاسی حقوق طلبی کا داعیہ پیدا ہوا، عامۃً سیاسی جماعتوں نے سیاسی مطالبات پیش کئے، لیکن مذہبی مطالبات کو نظر انداز کر دیا، جس سے ان دینی حقوق اور بالفاظ دیگر پرسنل لا کے کالعدم ہوجانے کا اندیشہ تھا، اس لئے ان بدلتے ہوئے حالات میں علمائے دیوبند نے اپنے اسلاف کے نقش قدم کو سامنے رکھ کر خود اسی مسئلہ پر میمورنڈم تیار کیا، جو دس دفعات پر مشتمل تھا۔ نومبر 1917 میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند، کی سربراہی میں ایک مؤقر وفد دہلی پہنچ کر وزیر ہند سے ملا اور میمورنڈم پیش کیا، جس میں صفائی سے پہلے ہی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل میں گورنمنٹ کوئی ایسا ایکٹ وضع نہ کرے جو شرعی قوانین سے متصادم ہو، وہ ہمارے لئے ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

اس میمورنڈم میں بنیادی مطالبے دو تھے، ایک یہ کہ ہندوستان میں پرسنل لا کے اجراء کے لئے محکمۂ قضاء قائم کیا جائے۔ چونکہ شرعی اصول پر بہت سے مسائل کی تنفیذ کے

لئے مسلم حاکم شرط ہے، اس لئے قاضیوں کا انتخاب وتقرر اہل سنت والجماعت سے ہو، لیکن اس کونسل میں ہر فرقہ کے علماء نمائندے اور ممبر ہوں اور مسائل کا فیصلہ ہر فرقہ کے اپنے فقہی اصول پر ہو۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر، مساجد، مدارس، مقابر، اوقاف، خانقاہوں اور دوسرے دینی رفاہ عام کے اداروں کے تحفظ ونگرانی ونظم نسق کے لئے 'شیخ الاسلام' کا عہدہ قائم کیا جائے، جو ان تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ چلانے کا ذمہ دار ہو۔

ان مطالبات پر اس دور کے تقریباً 5 سو علماء کے توثیقی دستخط حاصل کئے گئے، جو آج بھی دارالعلوم دیوبند کے 'محافظ خانہ' میں موجود ہے۔

اس کے بعد 1929 میں ہندوستان میں مسلم اوقاف کی تنظیم کا مسئلہ اٹھا، جو مسلم پرسنل لا ہی کا ایک اہم جزو تھا، گورنمنٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی، جس نے استفساری سوالات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے۔ اس کا یہ استفساری سوالات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے۔ اس کا یہ استفساری مراسلہ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانیؒ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند کے نام موصول ہوا، جس کا ایک اصولی جواب انہوں نے روانہ کر دیا۔

فروری 1930 میں جب مجھے دارالعلوم کا اہتمام تفویض کیا جا چکا تھا، حضرت ممدوح کے وصال کے بعد اس مراسلت کا سلسلہ مجھ سے قائم ہوا۔ اور تا اختتام کار احقر ہی سے جاری رہا، اس پر وقف کے مسائل کی تفصیلات مرتب کرائی گئیں۔ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی قیادت میں سرکاری مسودہ وقف کے بل پر تنقید کے ساتھ پیش کردہ اشکالات کا تحریری حل پیش کر دیا گیا اور ساتھ ہی احقر ناکارہ نے ایک تحریر بھی بنام 'الانصاف فی قانون الاوقاف' پوری جماعت کی طرف سے مرتب کی، جس پر تمام اکابر علماء کے دستخط ثبت ہوئے۔ احقر ہی نے اس پر مقدمہ لکھا اور یہ ساری کارروائی ایک کتابچہ کی صورت میں طبع کرا کر شائع کی گئی۔ اور ممبران اسمبلی کے نام بھی ارسال کی گئی اور اس سلسلہ میں مناسب وقت تمام مساعی عمل لائی گئیں، جس کی جملہ کارروائی ایک مطبوعہ کتابچہ کی صورت میں 'محافظ خانہ' دارالعلوم میں محفوظ ہے۔

پھر برطانوی حکومت ہی کے زمانہ میں شاردا ایکٹ کا مسئلہ اٹھا، جو پرسنل لا کا ایک مستقل جزو تھا۔ علماء دیوبند نے اس پر مضامین لکھے اور حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے ایک مستقل رسالہ شاردا بل کے بنیادی محرکات اور عمر نکاح کے شرعی قانون میں ترمیم کئے جانے کی تردید کے ساتھ، اس پر پیش کردہ اشکالات کا حل پیش کیا۔ اور اس پر مناسب وقت جدوجہد کی گئی۔ پھر برطانیہ ہی کے دور میں، ان ہی عائلی مسائل کو شرعی قوانین کے مطابق طے کرنے کے لئے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے بہار میں 'امارت شرعیہ' قائم فرمائی، جو آج تک الحمدللہ قائم ہے اور آج اس کے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی ہیں، جو آپ کے سامنے موجود ہیں، یہ امارت مسلم پرسنل لا کی عملی صورت ہے، جو ترمیم وتبدیلی کے اوہام وخیالات کا عملی جواب بنی ہوئی ہے۔

پھر انقلاب 1947 سے کچھ قبل علماء دیوبند کی طرف سے حضرت تھانوی نے رسالہ 'الحیلۃ الناجزۃ' شائع کرایا، جس میں

ظالم خاوندوں سے، بے کس اور بے بس عورتوں کی گلوخلاصی کی شرعی صورتیں یکجا فرمائی اوراسی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند میں علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی، جس نے ان ہی شرعی اصولوں کی روشنی میں فیصلے کر کے، سینکڑوں عورتوں کو رہائی دلائی اور ان کی مشکلات کا قرار واقعی حل کیا۔

پھر 1947 کے انقلاب اور تقسیم ملک کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے 'تنسیخ زمینداری' کا مسئلہ اٹھا، جس کا اثر اوقاف کی زمینوں پر بھی پڑتا تھا۔ جو پرسنل لا ہی کا بنیادی جزو تھا، اس بارے میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک وفد، جس میں یہ ناکارہ بھی شامل تھا، دہلی میں مولانا آزاد مرحوم کی خدمت میں پیش ہوا اور گفت وشنید کی، پھر مولانا ہی کی ہدایت پر دوبارہ یہی وفد لکھنؤ جا کر پنڈت پنتھ' وزیراعلیٰ یوپی' سے ملا اور بموجودگی دیگر وزراء یوپی کونسل اور چیئرمین اوقاف کے مسئلے میں بحث وتمحیص کی۔

غرض علماء حق 'نہی عن المنکر' کا فریضہ ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اور اس عائلی قوانین کے مشترک، منصوبہ کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے بڑی قوت سے چیلنج کیا۔ مضامین اور مقالات شائع کئے اور آخر کار مسلم پرسنل لا کے تمام مسائل پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک مبسوط رسالہ بنام 'ہمارے عائلی مسائل' شائع کیا، جس میں ان تمام پیش یا افتادہ موانع کو، جن کی آڑ میں ترمیم قانون کی صدائیں بلند کی گئی تھی، معقول اور منقول انداز سے رد کر کے ان کا شرعی حل پیش فرمادیا۔

ان چند مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ عائلی مسائل اور پرسنل لا کے مرض نے جو روپ بھی اختیار کیا، علماء امت نے، اس کے معالجہ اور اصلاح میں قلمے، سخنے، درمے قدمے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

آج پرسنل لا پر وہی وقت پھر گزر رہا ہے، جو سو برس میں بارہا گزرا اور وہی علماء اس سلسلہ میں پھر کھڑے ہوئے ہیں، جو پہلے سے مدافعت کرتے چلے آرہے ہیں، نیز آج بھی وہی مسلم کہلانے والے چند لوگ اس کی ترمیم کے نعرے لئے ہوئے کھڑے ہیں، جن کا پرانا روگ ایک ہی تھا، اور وہ شرعی مسائل کو لادینی فکر، معاشی یا سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنا اور سوچنا اور اسی خاکہ پر قانون شرعی کو ڈھالنے کی سعی کرنا، درآں حالیکہ وہ ان مسائل اور ان کی حقیقی بنیادوں سے نہ قطعاً واقف ہیں اور نہ ہی ان کے سمجھنے کے ذوق سے آشنا ہیں۔

پرسنل لا کا علمی جائزہ لینے اور اس کے بارے میں پیش کردہ شبہات کی جواب دہی کے لئے حضرات اساتذہ ارباب افتاء دارالعلوم دیوبند کی ایک کمیٹی بنام 'پرسنل لا کمیٹی' بنادی گئی، کہ وہ ان مسائل کے بارے میں آج کے شکوک وشبہات کا مواد فراہم کر کے، مدلل دفاع کا فریضہ انجام دیں، چنانچہ کمیٹی نے اپنا کام خاطر خواہ طریقہ پر مکمل کر کے پیش کردیا۔ کمیٹی کے سامنے چند بنیادی امور رہے، جن کو بطور اصول موضوعہ احقر نے لکھ کر بھیج دیا تھا۔

کمیٹی نے انہیں اصولوں کی روشنی میں کام کیا اور امکانی حد تک پرسنل لا کے زیر بحث مسائل کی جمع وترتیب کے ساتھ زباں زد ع اشکالات وموانع اور ان کے شرعی جوابات کا مواد فراہم کر کے اسے مرتب کردیا۔

حیرت ناک بات یہ ہے کہ ان مسائل کے خلاف جس شوراشوری سے مشکلات کا ڈھول پیٹا جارہا تھا، ان میں سے کوئی ایک مشکل بھی، کمیٹی کے سامنے ایسی نہیں آئی، کہ اسے عام معمول بہ پہلو کے خلاف کسی دوسرے غیر معمول بہ پہلو کی ترجیح وانتخاب سے کام لینا پڑا ہو، کیوں کہ عموماً پیش کردہ مشکلات کچھ تو ازقسم حیلہ جوئی ہیں کہ اپنی سہل انگاری اور کم ہمتی کی وجہ سے لوگوں نے عمل تو خود نہیں کیا اور خود ساختہ مشکلات کا الزام شریعت کے سرتھوپ دیا۔ ظاہر ہے کہ ان مشکلات کو تقاضائے نفس تو کہا جاسکتا ہے، لیکن تقاضائے فطرت یا مقتضائے حق کہنا بہت مشکل ہے۔

بعض مشکلات رسمی اور رواجی قسم کی ہیں، جو رسم ورواج کی کورانہ پابندیوں، ماحول کی خرابیوں اور غیر طبعی جکڑ بندیوں سے پیدا شدہ ہیں، مگر جب کہ شریعت کا موضوع ہی جاہلانہ رسوم رواج کو مٹا کر اسوہائے نبوت پر دنیا کو لگانا ہے، تو شریعت کو تو حق ہے کہ ان رسوم اوران کے ماحول میں ترمیم تغیر کرے، لیکن رسوم ورواج کو قطعاً حق نہیں ہے کہ وہ شریعت میں ترمیم کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔

بعض مشکلات خیالی اور وہمی قسم کی ہیں کہ ایک طبقہ کو مظلوم اور محروم فرض کر کے شریعت کے دئے ہوئے حق سے اسے زائد حق دلوائے جانے کا شور مچایا گیا ہے، درآں حالیکہ اسے مقرر حق سے زائد حق دئے جانے میں کتنے ہی دوسرے اہل حقوق کی حق تلفیاں مضمر ہیں۔

مگر شک اندازوں کے سامنے زباں زد طریق پر حقوق کی کمی کا پہلو تو آگیا مگر لاعلمی کی وجہ سے تلافی کا پہلو نہ آیا، درآں حالیکہ شریعت ہر انسانی طبقہ کو اس کی خلقی اور فطری اور ساتھ ہی عقلی اور شعوری خصوصیات ہی قدر حقوق واختیارات وفرائض عطا کئے ہیں جو کمال عدل اور اعتدال پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ معتدل اور جامع احکام سے روگردانی اور تجاوز ہی کا نام افراط وتفریط اور ظلم ہے اور جسے مٹانے کیلئے یہ فطری شریعت بھیجی گئی ہے۔

بہر حال پرسنل لا کے مسائل کے سلسلے میں جس قدر بھی زباں زد مشکلات کمیٹی کے سامنے آئیں، ان میں کوئی بھی شکل اصولی رنگ لئے ہوئے نہیں تھی اور اگر اصولی رنگ بھر کر کسی چیز کو اصولی بنایا بھی گیا تو تو وہ فرضی اور خودساختہ اصول سے بااصول کہلائی گئی تھی غرض نہ کوئی جزوی مشکل سامنے آئی اور نہ اصولی۔ بلکہ محض ناتربیت یافتہ دماغوں کی اپج لاعلموں کی خیالی مشکلات، بےعملوں کی حیلہ جوئی اوراسیرانِ رسوم ورواج کی پہلو بھی اور یا پھر دانا دشمنوں کی خوردہ گیریاں تھیں، جن کی وجہ سے قانونی توسعات تلاش کرنے کی کمیٹی کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔

ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے مسلم پرسنل لا میں دو ہی قسم کے مسائل ہیں یا کتاب وسنت میں منصوص ہیں یا کتاب وسنت سے ماخوذ۔

منصوص مسائل میں تو کسی ترمیم وتبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ کتاب وسنت کا کوئی بدل ہی ممکن نہیں ہے، اجتہادی مسائل تو اجتہادی کا بدل اجتہاد ہوسکتا ہے، بشرطیکہ اصل اجتہاد پر عمل کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے لیکن اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو اجتہادی مسائل میں بھی انتخاب وترجیح کا

سوال پیدا نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ رد وبدل یا ترمیم وتنسیخ کا سوال پیدا ہو۔

کمیٹی کے سامنے اس قسم کا سوال ہی نہ تھا اور نہ ہی مسائل کے خلاف کوئی علمی یا عقلی مشکل اور رکاوٹ ہی سامنے آئی تو اسے مسائل میں تبادل یا ترجیح وانتخاب کی گنجائش تلاش کرنے کی ضرورت ہی کیا پیش آتی۔

اس کنونشن کا بنیادی کا مقصد پرسنل لا تحفظ اور فتنہ ترمیم سے اس کا بچاؤ کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے اہل علم وفضل اور دانشوروں کو یہ اعلان کرنا ہے کہ مسلمانان ہند بہمہ مکاتیب فکر اپنے پرسنل لا سے نہ کسی حالت میں دستبردار ہوسکتے ہیں نہ اس میں کسی قسم کی ترمیم وتبدیلی گوارا کرسکتے ہیں اور نہ ہی کسی ایسے مشترک قانون کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں جو پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو خواہ وہ سول کوڈ یا بالواسطہ قانون سازی۔

بالفاظ دیگر مسلمان اپنی معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات اور امتیازات کو فنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جن پر ان کے ملی وجود کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور ان کا ممتاز شرعی اور قومی امتیاز قائم ہے۔

رہے وقت کے تقاضے تو اسلام کے جامع اور معتدل احکام میں وقت کے کونسے تقاضے ہیں، جو پورے نہیں ہوئے یا نہیں ہوسکتے۔ نزول وحی کے بعد سے اب تک چودہ قرون میں وہ کونسی ایسی مشکل اور کونسا ایسا حادثہ ہے، جس کے پیش آنے پر قرآن وحدیث اور اس سے مستنبط شدہ علوم نے قرار واقعی رہنمائی نہیں کی اور فتنوں کا استیصال نہیں کیا۔ لیکن جہاں شک اندازوں کو دین یا دین کی تاریخ کی خبر ہی نہ ہو اور وہ دین سمجھنے، سمجھانے کے راستے ہی نہ چلیں بلکہ اسی دینی لاعلمی اور بے بصیرتی پر قناعت کرکے اس ہی کو علم سمجھتے رہیں، درآں حالانکہ وہ جہل مرکب ہے علاج ہی کیا ہوسکتا ہے پھر جو شبہات وہ اٹھارہے ہیں، وہ آج کے حوادث بھی نہیں اور کچھ نئے بھی نہیں ہیں، جو پیش نہ آچکے ہوں صرف روپ کا فرق ہے۔

وہی فتنہ لیکن یاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے

چنانچہ شک انداز اگر کسی اصلی روپ میں بھی سامنے آئے تو انہیں ہمیشہ منھ کی کھانی پڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں یہود ونصاریٰ حجت وبرہان سے سامنے آئے مگر اسلامی حجتوں کے سامنے عاجز ہوکر پسپا ہوئے۔ اس سے کام نہ چلا تو اسلام کے خلاف جنگیں لڑیں۔ سازشیں کیں، بالآخر شکوک وشبہات پیدا کرکے مسلمانوں کو ڈگانا چاہا مگر ناکام ہوئے، بالآخر انہوں نے نفاق کے راستے سے حملہ آوری کا میدان ہموار کیا۔ اور مسلمانوں میں ایسے گروہ کھڑے کردیئے جنہوں نے اسلام ہی کے نام پر اسلام کے خلاف شور مچایا اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کی۔ یہی روش آج بھی اختیار کی گئی ہے اور مسلم نامی افراد کی طرف سے شک اندازی کرکے مسلمانوں کو ورغلانے کی سعی کی جارہی ہے لیکن اسلام کے فطری اصول کی کسوٹی پر پرکھ کر علماء اسلام نے جیسے ہر ہر زمانہ میں اس قسم کے دور خے لوگوں کے حربوں کو ناکام بنایا ہے اسی طرح آج بھی وہ اسی قسم کے منافقانہ حملوں کی زد سے اسلام کو محفوظ رکھ کر ان حربوں کو ناکام بنانے کی قدرت رکھتے ہیں، اور ان شاءاللہ یہ سب حربے ضرور

ناکام ہوں گے۔

یہ صحیح ہے کہ آج اس فطری قانون الٰہی کے خلاف بے بصیرتی سے شکوک وشبہات کے میدان ہموار کر کے انہیں نا قابل تسلیم اور نا قابل عمل باور کرانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، لیکن کسی بھی صحیح فکر وخیال یا نظریہ وعقیدہ کی راہ میں پیش آمدہ دشواریوں ماحول کی ناسازگاریوں یا اس کے دلائل وبراہین سے لاعلمی و بے بصیرتی کسی درجہ میں بھی اس سے دست برداری کے لئے وجہ یا معقول بنیاد قرار نہیں پا سکتی۔

پرسنل لا کے بارے میں سرکاری طور پر پر گو یہ بھی اعلان ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مرضی کے بغیر کوئی بھی ترمیم وتبدیلی نہیں ہوگی لیکن ساتھ ہی بالواسطہ قانون سازی کے ذریعے تبنیت اور سرکاری ملازمین کے لئے نکاح ثانی کے حق پر پابندی نے جو پرسنل لا میں عمل ترمیم کا آغاز ہے پرسنل لا کے بارے میں مسلمانوں کی تشویش کو حق بجانب بنادیا ہے۔ اس لئے وہ متفقہ آواز اٹھانے پر مجبور ہوئے اور جس کی گونج ان شاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گی۔

شک اندازوں کے مضمرات اور دلوں کے چور کو سمجھنے کے لئے یہ پیش نظر رکھ لینا کافی ہے کہ مذہب اور دین کے بارے میں ارباب سیاست کا وضع کردہ مذہبی تصور یہ ہے کہ مذہب انسان کا ایک نجی اور پرائیویٹ معاملہ ہے یہ تصور درحقیقت انہوں نے محض اپنے سیاسی مقاصد کو مذہب کی دستبراری سے محفوظ رکھنے کے لئے وضع کیا ہے ممکن ہے کہ کوئی مذہب ایسا ہی پرائیوٹ ہو لیکن جہاں اسلام کا تعلق ہے میں تفصیل سے اوراق سابقہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا تصور اس تصور سے یکسر مختلف ہے وہ اپنے دائرہ وتربیت سے کسی گوشۂ حیات کو باہر تسلیم نہیں کرتا اور یہی اسلام کامل اور مکمل مذہب اور دستور حیات ہونے کی بڑی دلیل ہے جس کا نعرہ قرآن نے ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شی وھدی ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین کے پاکیزہ کلمات سے لگایا ہے اور جس کے اصولی وضاحت سطور سابقہ میں آپ کے سامنے آچکی ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے دائرہ حکم وتربیت سے کسی گوشہ زندگی کا مستثنیٰ نہ ہونا ہی غرض مند سیاست کی راہ میں سنگ گراں بن رہا ہے، اور اسلام ہی سنگ گراں بن بھی سکتا ہے لیکن اس پر یقین واطمینان کیا جائے کہ اس کے برخلاف یہ دماغی گمبھیر کے افکار ونظریات اور فلسفہ وسیاست کے شاطرانہ حربے نہ کبھی کامیاب ہوئے ہیں نہ آج ہوں گے۔

چوں کہ اسلام اپنے احکام کی نقل وعقل معقولیت ومنقولیت، مادیت وروحانیت انفرادیت واجتماعیت، عبادت ومعاشرت رابطہ انسانی اور علائق ربانی کا وہ حسین امتزاج ہے جو عقل انسانی کو صحت مند روایات کے ساتھ ساتھ حجت وبرہان اور روایت سے مطمئن کر کے دعوتِ قبول دیتا ہے اس لئے مسلمانوں کا تعلق اسلام سے پہلے فطری ہے پھر جذباتی، جب کہ بالعموم روایاتی خوش عقیدگی کی بنیادوں پر قائم شدہ مذاہب سے ان کے پیروؤں کا تعلق اول وآخر جذباتی ہے۔ اس لئے جب انہیں جذبات سے الگ کر کے خالص عقل ونقل کی کسوٹی پر رکھا جاتا ہے تو وہ پورے نہیں اترتے اس لئے ان میں بے تکلف ترمیم تنسیخ اور ردوبدل کا عمل جاری ہوجاتا ہے اور ہورہا ہے مگر ناخواندہ یا بزعم خود خواندہ مگر ناخواندہ لوگ اسلام کو بھی اسی پر

قیاس کر کے ترمیم و تنسیخ کے تصورات باندھنے اور اس کے نعرے لگانے کھڑے ہو گئے لیکن حجت و برہان کا مرتب نظام جس سے وہ یکسر بے خبر ہیں، اس قسم کے تصورات کو بیک جنبش ابرو کوڑے کچڑے کی طرح نکال کر باہر پھینک دیتا ہے آج اگر شدید ضرورت ہے تو مسلمانوں کو تعلیم وتربیت کی ہے کہ وہ اسلام کے قانون کو سمجھیں اور خلوص کے ساتھ اسے استعمال میں لائیں اور اسی کے ساتھ ایک ایسی راہ عمل ہموار کر دینے کی ہے جس پر پرسنل لا خود اپنی ہی معنوی قوت سے تعمیری انداز میں چلے اور آگے بڑھے جس کا عملاً چلتے رہنا ہی اس قسم کے فتن اور وسوسہ اندازیوں کا سد باب اور عملی جواب ہے۔

اس عظیم اجتماع سے جس میں ہر مکتب کے فضلاء جمع ہیں یہ توقع بجا طور پر قائم کی جاسکتی ہے وہ پرسنل لا کو عملاً جاری کر دینے کے لئے کوئی راہ عمل متعین کر کے اس کی داغ بیل ڈال دے۔ آخر کلام میں اس گذارش پر اس طولانی دفتر کو ختم کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کا اعلان اس بارے میں جیسا کچھ بھی ہو بہر حال اعلان ہے کہ پرسنل لا میں اس وقت تک تبدیلی نہیں ہوسکتی جب تک کہ مسلمان خود ہی اس کی خواہش نہ کریں، اس نام پر تمام مکاتب فکر کے ذمہ دار نمائندے متفقہ طریقے پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم پرسنل لا سے کسی حالت میں بھی دستبردار نہیں ہوسکتے، ہم اس کی ترمیم وتبدیلی کبھی گوارا نہیں کر سکتے، اور ہم کسی ایسے مشترک قانون کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے جو پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو بلکہ اسی کے ساتھ اگر ہم یہ بھی کہیں کہ پرسنل لا کے سلسلہ میں تبنیت اور ملازمین سرکار پر تعدد ازدواج کے بارے میں جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ مسلمانوں کی حد تک اٹھالی جائیں تو گورنمنٹ کے اس اعلان کی صداقت غیر مشتبہ ہو جائے گی، وہ شبہات باقی نہ رہیں گے جو اس اعلان کے بعد اس قسم کی جزئیات سے پیدا ہو گئے ہیں پرسنل لا کے فطری حصوں کے ساتھ اس کے عملی نظام کا کوئی خاکہ بھی اس تاریخی اجتماع کی طرف سے آجائے جس پر پرسنل لا اپنے پیروں پر چل پڑے اور چلتا رہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس تاریخی اجتماع کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا جس کو آج اور مستقبل کی نسلیں کبھی فراموش نہیں کرسکیں گی۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا طبقہ شریعت اور شرعی قوانین کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اور وہ اپنا دنیوی اور اخروی انجام خود سوچ لے، قانون شریعت یا علماء اس کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔

میں آخر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے ممبئی کے مخلص دردمند اور باحمیت مسلمانوں کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے اپنی روایتی حوصلہ مندیوں اور فراخدلانہ جذبات سے پرسنل لا کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بمبئی میں اس کنونشن کے انعقاد کا ذمہ لیا اور اسے عملاً کر کے دکھایا جس کی بدولت یہ مخلف رنگ کے پھولوں کا گلدستہ اس تاریخی اجتماع کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ پھر مختلف مکاتب فکر کے اہل علم وفضل اور بزرگوں اور اطراف ملک سے آئے ہوئے دانشوروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بمبئی کی استقبالیہ کمیٹی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس عظیم اجتماع کو کامیاب اور اس کے کام کو مضبوط اور مستحکم بنایا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی تاریخ اور کارکردگی کے چند نمایاں پہلو

1956ء میں جب ہندو پرسنل لا میں تبدیلی کی گئی تو اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹیکر نے اس بات کا اشارہ دیا تھا کہ ہندو قوانین میں جو اصلاح کی گئی ہے بہ تدریج اسی کو پورے ملک پر نافذ کیا جائے گا، یہ خطرہ الارم تھا، جس نے اہل دانش کے کان کھڑے کردیئے، پھر جب یہ بات محسوس کی گئی کہ مسلمان قانون شریعت میں کسی تبدیلی کو ہرگز قبول نہیں کریں گے تو حکمت عملی بدل دی گئی، اور اس بات کی کوشش کی گئی کہ بالواسطہ قانون سازی اور متوازی قانون سازی کے ذریعہ قانون شریعت کو اپنے دائرۂ عمل میں بے اثر کردیا جائے۔ قانون شریعت کی تنسیخ کا یہ وہ راستہ ہے جو مشہور مستشرق مسٹر انڈرسن نے دکھایا تھا۔ جن کو یورپ میں قانون شریعت محمدی کا بڑا ایکسپرٹ سمجھا جاتا تھا۔ اسی کی کڑی ''متبنیٰ بل 1972'' ہے جسے ہندو قانون تبنیت 1951 کی جگہ ملک کے تمام شہریوں کے لئے قابل نفاذ بنانے کی غرض سے پیش کیا گیا تھا اور اس وقت کے وزیر قانون مسٹر ایچ آر گوکھلے نے صاف کہا تھا کہ یہ مسودہ قانون یکساں سول کوڈ کی طرف پہلا مضبوط قدم ہے۔ پس ان حالات میں جب پورے ہندوستان میں شریعت محمدیہ کے وجود پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور مسلمانوں کو ان کے مذہبی تشخص سے محروم کرنے کی گہری سازشیں رچی جارہی تھیں، چنانچہ دسمبر 1972ء کو ممبئی میں ''مسلم پرسنل لا کنونشن'' منعقد ہوا، اسی کنونشن نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کا فیصلہ کیا، اور اس طرح 28 دسمبر 1972 کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔

اس سے کوئی بھی حقیقت پسند انکار نہیں کرسکتا کہ شریعت اسلامی کے خلاف جن شرمناک سازشوں کے تانے بانے بنے جارہے تھے بورڈ نے علماء اور دانشوروں سے لے کر عام سے عام دیہات اور قریہ جات میں رہنے والے مسلمانوں تک اس سازش اور اس کی سنگینی سے باخبر کیا۔ اکثر مسلمان جو مسلم پرسنل لا کے نام سے بھی واقف نہیں تھے، نہ مسلم پرسنل لا کی شرعی اور تہذیبی اہمیت کو سمجھتے تھے ان کو اس مسئلہ کی حقیقت اور اہمیت سمجھائی۔ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں قانون شریعت کی معقولیت اور فطرت انسانی سے اس کی ہم آہنگی کے بارے میں آگاہ کیا گیا، جس سے احساس کمتری دور ہوئی قانون شریعت کے بارے میں مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور جو لوگ مخالفین کے اعتراضات پر منھ چھپاتے تھے، وہ ان مسائل کے سلسلے میں ایک راسخ العقیدہ وکیل اور ترجمان بن گئے۔ مسلمانوں کی رائے عامہ بیدار ہوئی، حقیقت پسند برادران وطن نے بھی اسلام کے عائلی قوانین کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کے توازن واعتدال کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا سیاسی جماعتیں اور سیاسی قائدین جو یکساں سول کوڈ کی بات کہنا ایک فیشن سمجھتے تھے اور اپنے نام نہاد سیکولرزم کے اظہار کے لئے مسلم پرسنل لا میں تغیر کی باتیں کیا کرتے تھے، ان کا بھی انداز بیان بدلا، اور وہ بھی اقلیتوں کے پرسنل لا کے تحفظ کی دہائی دینے لگے۔ بورڈ نے جو قانون شریعت کے بارے میں شعور کی بیداری اور فکر ونظر کی تبدیلی

کا یہ کام کیا ہے، یہ بجائے خود ایک انقلابی کام ہے اور دراصل یہی چیز ہے جس نے مخالفتوں کے طوفان کو تھاما ہے اور عناد وعداوت کے سیل رواں پر بند باندھا ہے۔

متبنیٰ بل

رائے عامہ کی ہمواری کے علاوہ بورڈ نے قانونی لڑائی کے محاذ پر بھی کامیابیاں حاصل کی ہیں اور یہ کامیابی محض ہمارے اتحاد ویکجہتی کا ثمرہ ہے۔ سب سے پہلے ہمیں متبنیٰ بل کے سلسلے میں فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی۔ ہندو قانون میں 1956 میں متبنیٰ سے متعلق ایک نیا بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا جس کا مقصد ملک کے تمام شہریوں بشمول مسلمانوں پر اس قانون کا اطلاق تھا۔ گویا اصل میں اس بل کا نشانہ مسلمان ہی تھے۔ بظاہر یہی بل مسلم پرسنل لا کنونشن اور پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کا باعث بنا کہ " **عسیٰ أن تکرھوا شیئاً وھو خیرلکم**'' بورڈ کی مسلسل کاوشوں کے نتیجے میں حکومت مجبور ہوئی کہ پارلیمانی کمیٹی قائم کرکے آزاد ہندوستان کی تاریخ میں کسی پارلیمانی کمیٹی میں اس کثرت سے علماء، قانون دانوں اور دانشوروں نے شہادتیں پیش نہیں کی جو اس کمیٹی کے سامنے پیش ہوئی۔ یہ بورڈ کی مساعی اور کوششوں کا نتیجہ تھا۔ بالآخر جنتا حکومت نے 1978ء میں یہ بل واپس لے لیا۔ 1980ء میں دوبارہ کانگریس نے یہ بل پیش کیا، لیکن بورڈ کی کوششوں سے واضح الفاظ میں مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

نسبندی کا مسئلہ

ابھی بورڈ کے قیام کو چند ہی سال کا عرصہ ہوا تھا کہ جون 1975ء میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی اور ابتلاء وآزمائش کی ایک نازک گھڑی آگئی، پورا ملک مہر بہ لب تھا، صحافت اور تحریر وتقریر کی آزادی مسلوب تھی۔ جبر ودباؤ کی اسی فضا میں جبری نسبندی کی کوشش ایوان حکومت سے شروع ہوئی، کوئی زبان نہ تھی جو اس جبر وظلم کے خلاف کھل سکے، اور کوئی قلم نہ تھا جو اس غیر جمہوری اقدام کے خلاف جنبش کرسکے، بورڈ نے ان حالات میں نہایت جرأت مندی کے ساتھ لازمی نسبندی کے خلاف آواز اٹھائی، خوف وہراس کے ماحول میں بورڈ کی عاملہ کی میٹنگ ہوئی اور اس نے بے خوف وخطر شرعی موقف کا اعلان کیا۔ جب پریس ان تجاویز کو شائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا تو بورڈ نے اپنے طور پر اس فیصلہ کو شائع کیا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اسے پہنچایا۔

> **6/ دسمبر 1992 کی تاریخ مسلمان کبھی بھلا نہ سکے گا، یہ قلب وجگر کا ایسا ناسور اور ہندوستان کی جمہوریت اور سیکولرزم کا ایسا امتحان ہے کہ جب تک مسجد دوبارہ اپنی جگہ پر تعمیر نہ ہوجائے یہ زخم نہ مندمل ہوسکتا ہے اور نہ ہمارے ملک کو اس امتحان میں سند کامیابی حاصل ہوسکتی ہے، بابری مسجد کی شہادت کے اس حادثہ سے پہلے ہی بعض مفاد پرست عناصر اس تگ ودو میں لگے ہوئے تھے کہ وہ مسلمانوں کی نام نہاد نمائندگی کرتے ہوئے مسجد سے دستبردار ہوجائیں،**

1978 میں الہٰ آباد ہائی کورٹ کے لکھنؤ بنچ نے مساجد ومقابر کو ایکوائر کرنے کے سلسلے میں ایک ایسا فیصلہ دیا جو نہایت سنگین نتائج کا حامل تھا، اس فیصلہ کے مطابق مساجد اور مقابر کی زمینوں کی ملکیت حکومت سلب کرسکتی تھی، بورڈ نے اس کے خلاف پورے ملک میں تحریک چلائی، ذمہ داران حکومت کے نام

ٹیلی گرام بھجوائے، حکومت اور اپوزیشن کے لیڈروں سے نمائندگی، اور جدوجہد کے نتیجہ میں یوپی اور راجستھان کی حکومتوں نے مساجد کو ایکوائر کرنے کے احکام واپس لے لئے۔

اوقاف پرانکم ٹیکس لگانے کا مسئلہ

اوقاف کی آمدنی کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ کرانے یا وقف ایکٹ بنوانے میں بھی بورڈ نے کامیاب کوششیں کی ہیں، جو نیا وقف قانون آیا ہے، گو غالباً اب بھی اس میں اسلامی نقطہ نظر اور وقف کے مفادات کے لحاظ سے بہت کچھ خامیاں موجود ہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جو قانون وقف پہلے سے موجود تھا اس کی بہت سی خامیاں دور ہوئی ہیں۔ اب ہمیں کوشش کرنی ہے کہ قانون وقف مکمل طور پر قانون شریعت سے ہم آہنگ ہو اور وقف کی حفاظت وصیانت کا معقول نظم اس میں ملحوظ رکھا گیا ہو۔ ملک کی کئی ریاستوں میں لازمی نکاح رجسٹریشن ایکٹ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بورڈ نے اس کی مخالفت کی اور رجسٹریشن کے لزوم کے شرعاً واجب نہ ہونے کی وضاحت کی اور یہ کوششیں بارآور ہوئیں۔

شاہ بانو کیس

شاہ بانو کیس کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی جرأت مندانہ اور حکیمانہ مہم ہندوستان میں تحفظ شریعت کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے، اس مہم نے ہندوستان کے کونے کونے میں ایک ایسی بیداری، جوش وخروش اور تحفظ شریعت کا عزم حوصلہ پیدا کیا کہ ماضی قریب کی تاریخ میں شاید ہی اس کی کوئی مثال مل سکے۔ بالآخر پارلیمنٹ میں ایک غیر معمولی اجلاس میں جو رات کے آخری حصہ تک چلتا رہا" قانون تحفظ حقوق مسلم مطلقہ خواتین" منظور کیا، اور محض امت اسلامیہ ہند کی وحدت اور عزم مصمم نے ان کو اس کامیابی سے ہمکنار کیا۔

بابری مسجد

6/دسمبر 1992 کی تاریخ مسلمان کبھی بھلا نہ سکے گا، یہ قلب وجگر کا ایسا ناسور اور ہندوستان کی جمہوریت اور سیکولرزم کا ایسا امتحان ہے کہ جب تک مسجد دوبارہ اپنی جگہ پر تعمیر نہ ہو جائے یہ زخم نہ مندمل ہوسکتا ہے اور نہ ہمارے ملک کو اس امتحان میں سند کامیابی حاصل ہوسکتی ہے، بابری مسجد کی شہادت کے اس حادثہ سے پہلے ہی بعض مفاد پرست عناصر اس تگ ودو میں لگے ہوئے تھے کہ وہ مسلمانوں کی نام نہاد نمائندگی کرتے ہوئے مسجد سے دستبردار ہو جائیں، حالانکہ بابری مسجد کے سلسلہ میں علاحدہ کمیٹیوں کی موجودگی کی وجہ نے براہ راست اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا، لیکن صورت حال کو دیکھتے ہوئے ضروری محسوس کیا گیا کہ مسجد کی شرعی حیثیت کی وضاحت کردی جائے تاکہ لوگ اس مسئلہ کا استحصال نہ کرنے پائیں، چنانچہ 3/دسمبر 1990 کو بورڈ کی مجلس عاملہ نے دوٹوک انداز اپرا پنا نقطہ نظر واضح کر دیا کہ بابری مسجد قیامت تک کے لئے مسجد ہی ہے، نہ اس کو اپنی جگہ سے منتقل کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے، بورڈ کے اس فیصلہ نے بابری مسجد سے متعلق کمیٹیوں کو ایک نیا حوصلہ دیا، تذبذب کی کیفیت دور ہوئی اور جو لوگ مسجد کا سودا کرنا چاہتے تھے، ان کی مذموم سازش بھی ناکام ہوئی۔

مفید لٹریچر کی تیاری

بورڈ نے اس عرصہ میں کئی مثبت کام کئے ہیں۔ مستقبل میں ان کے دوررس نتائج سامنے آئیں گے، اس نے "مسلم پرسنل لا" سے متعلق نہایت مفید اور جامع رسائل مرتب کرائے، لاکھوں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں ان کو شائع کیا، اور مسلمانوں کے ہر طبقہ تک بلکہ غیر مسلم دانشوروں تک بھی ان کو پہنچایا۔ خصوصیت سے امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے رسائل جو مسلم پرسنل لا اور خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ سے متعلق ہیں، اس موضوع پر مختصر

ہونے کے باوجود نہایت بصیرت افروز رسائل ہیں۔

تدوین قانون اسلامی

نہایت اہم اور قیمتی کام ہے جو حضرت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے اپنی خاص نگرانی میں تدوین قانون اسلامی کا کرایا تھا، اس کام پر ممتاز اہل علم اور ارباب افتاء نے طویل عرصہ تک بڑی کاوشیں کی ہیں، پورے ملک میں اہل علم سے ان مسودات پر رائیں حاصل کی گئیں، بار بار خواندگی میں آئی، ایک ایک لفظ پر غور کیا گیا، ہر ہر مسئلہ پر مناقشے اور مباحثے ہوئے، پھر جا کر اس مسودہ کو آخری شکل دی گئی، یہ بورڈ کا ایک اہم علمی کارنامہ، ضرورت اس بات کی ہے کہ جلد سے جلد اس کی علمی تحفہ پہنچایا جائے، ان شاء اللہ اس کی اشاعت نہ صرف اسلامی قانون کو سمجھنے میں مدد ومعاون ہوگی بلکہ بہت سی غلط فہمیاں جو شریعت کی بابت پیدا ہیں ان کا ازالہ ہو سکے گا۔

نظام قضا کا قیام

نظام قضاء کا قیام مسلمانوں کا ایک اہم ترین شرعی فریضہ ہے۔ قانون شریعت کی تنفیذ اور اس کے تحفظ کی عملی تدبیر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتی کہ مسلمان اپنا نظام قضاء کے قیام اور اس کے استحکام کو اپنا ہدف بنایا ہے۔ امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ صاحب اس کے لئے بہت فکر مند تھے، ان کی ایماء پر دار القضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے تربیت قضاء کا کیمپ لگایا۔ صوبہ بہار واڑیسہ کے علاوہ ہندوستان کے مختلف صوبوں سے علماء وارباب افتاء نے اس پروگرام میں شرکت کی، اور اس نتیجہ میں بحمد اللہ مختلف علاقوں میں نئے دار القضاء قائم ہوئے، پھر امارت شرعیہ کرناٹک کے تحت حضرت مولانا ابوالسعود صاحب امیر شریعت کرناٹک کے زیر نگرانی میں دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور میں قضاء کا دوسرا تربیتی کیمپ قائم ہوا، اور خاکسار کو ان دونوں کیمپوں میں تربیت کی ذمہ داری انجام دینے کا شرف حاصل ہوا، بورڈ کے گیارہویں اجلاس جے پور میں نظام دار القضاء کے قیام کی باضابطہ تجویز پاس ہوئی، جس پر ہمارا انگریزی صحافت نے بہت واویلا بھی کیا، اور اسے ایک متوازی عدلیہ اور متوازی حکومت سے تعبیر کیا اس فیصلہ نے بھی مفید اثرات ڈالے، اور برہان پور (مدھیہ پردیش)، آسنسول، پرولیا (مغربی بنگال) لکھنؤ اور سیتاپور (یوپی) تھانہ ممبئی، اکولہ اور دھولیہ وغیرہ میں دار القضاء قائم ہوئے، اور ارباب حل وعقد کے نمائندہ پلیٹ فارم کی حیثیت سے بورڈ نے ان مقامات پر نصب قاضی کا فریضہ انجام دیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قضاء کے نظام کو پورے ملک میں جاری کیا جائے اور بورڈ کے تحت مختلف صوبوں اور علاقوں میں قضاء کے تربیتی کیمپ قائم کئے جائیں، اس سے افراد سازی کا کام بھی ہوگا اور لوگ اس نظام کی ضرورت اور اہمیت کو بھی محسوس کر سکیں گے۔

اصلاح معاشرہ

قانون شریعت کا تحفظ صرف اس بات سے نہیں ہوسکتا کہ ہم حکومت کو مسلم پرسنل لا میں تغیر وتبدیلی سے روکنے کی کوشش کریں اور اس کی آئینی اور سیاسی لڑائی جاری رکھیں بلکہ شریعت کا تحفظ اس وقت ہوگا جب ہم اپنے آپ پر قانون شریعت کو نافذ کریں، ہماری زندگی احکام شریعت کے تابع ہو، ہماری تقریبات میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہماری اور ہمارے بگڑے ہوئے سماج کی خواہشات پر غالب رکھی جائے اور ہمارا معاشرہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ ہو، جس میں اسلام کو چلتی پھرتی صورتوں میں دیکھا جاسکے، جس میں تقویٰ ہو، اللہ کی خشیت ہو، معروف اور حسنات کا غلبہ ہو، لوگوں کی عزت وآبرو محفوظ ہو، جس میں نکاح کے معنی نوجوانوں کی خرید وفروخت اور ان کے وجود کی قیمت نہ ہوں، جہاں شرافت اور عفت وحیاء تلک جہیز کی عفریت پر بھینٹ نہ چڑھائی پڑتی ہو، اگر ہم

نے اپنے آپ پر قانون شریعت کو نافذ نہیں کیا اور اپنے معاشرہ کو مسلمان نہیں بنایا تو ساری کوششیں خوانخواستہ اکارت ہوجائیں گی، محض احتجاج اور مزاحمت کے ذریعہ ہم شریعت کی حفاظت نہیں کرسکتے اور نہ اللہ کی نصرت اور مدد ہمارے حصہ میں آسکتی ہے۔ اسی مقصد کے تحت بورڈ نے اصلاح معاشرہ کی تحریک چلائی، پورے ملک میں اس عنوان سے جلسے کئے گئے، کانفرنسیں منعقد ہوئیں اس موضوع پر پمفلٹ شائع کئے گئے، بورڈ کی اس تحریک کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہماری مختلف جماعتوں اور تحریکوں سے اس مسئلہ کی اہمیت کو محسوس کیا اور بکثرت اصلاح معاشرہ کے ہفتے اور عشرہ بنائے، یہ سب بلا واسطہ یا بالواسطہ بورڈ کی تحریک اور مساعی کا حصہ ہے۔

1969ء میں نفاذ شریعت کا یہ کارواں مرتب ہوا تھا گذشتہ 27 رسالوں سے یہ کارواں رواں دواں ہے، اس راہ میں آبلہ پائی کے مواقع بھی آئے ہیں، اور وہاں بھی آپ نے ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں ہماری بہت سی کوتاہیوں کے باوجود بہت سی کامیابیاں عطا کی ہیں، لیکن ابھی بہت سے کام ہیں جو ناتمام ہیں اور جن کے لئے ہمیں نسبتاً زیادہ سعی وکاوش کی ضرورت ہے۔ بہت سے قوانین ہیں جو بالواسطہ طور پر مسلم پرسنل لا کو متاثر کرتے ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے بہت سے مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت ہیں جن میں ہر وقت مؤثر پیروی بہت ضروری ہے ورنہ سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مسلم پرسنل لا سے متعلق بہت سے جدید مسائل ہیں جن پر بدلتے ہوئے عرف اور سماجی اقدار کے پس منظر میں غور کرنا ہے اور ان پر بحث وتحقیق کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں بورڈ کی ایک پرانی تجویز موجود ہے جو اب تک تشنۂ عمل ہے۔ مسلم پرسنل لا سے متعلق انگریزی، ہندی اور مقامی زبانوں میں ایسے لٹریچر کی شدید ضرورت ہے، جو عقلی نقطۂ نظر سے اسلام کے معاشرتی احکام کی اہمیت وافادیت اور فطرت انسانی سے اس کی ہم آہنگی اور مطابقت کو واضح کرتی ہو، تاکہ سنجیدہ اور حقیقت پسند برادران وطن حقیقی صورت حال کو سمجھ سکیں اور پروپیگنڈوں سے دھوکہ نہ کھائیں۔ مغربی تہذیب کی یلغار نے ہمارے معاشرہ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، مغرب میں تو خاندانی نظام بکھر ہی چکا ہے، مغربی ثقافت کی آمد مشرقی معاشرہ میں بھی تیزی سے خاندانی نظام کے استحکام کو کمزور کررہی ہے۔ خود ہمارے ملک میں فرقہ پرست عناصر اس بات کے لئے سرگرم ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کو اکثریتی معاشرہ میں جذب کرلیا جائے اور آہستہ آہستہ ان کا تہذیبی تشخص ختم ہوکر رہ جائے۔ ان حالات میں اصلاح معاشرہ کی تحریک کو اور طاقت پہنچانے اور اس کے دائرہ کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔

جو کچھ کامیابی آپ نے حاصل کی ہے اللہ کی مدد کے علاوہ اس کا ظاہری سبب ہمارا اتحاد واتفاق ہے۔ اتحاد اس بات کا نام نہیں کہ مختلف جماعتیں باقی نہیں رہیں، فکر ونظر کا اختلاف ختم ہوجائے، ہم سب کے طریقۂ کار میں مکمل یکسانیت پیدا ہوجائے، تنظیمیں اپنے وجود کو ایک تنظیم میں ضم کرلے۔ نہ ایسا اتحاد ہوسکتا ہے، اور نہ یہ اتحاد مطلوب ہے۔ ایک ایسی امت جس میں اجتہاد اور فکر ونظر کا راستہ کھلا رکھا گیا ہو اور ایک ایسا دین جو زندہ و پائندہ دین ہو، اور تمام انقلابات اور تغیرات کا ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، ایسے اتحاد کا مطالبہ ہی نہیں کرسکتا ہے۔ اتحاد سے مراد یہ ہے کہ فکر ونظر کے اختلاف کے باوجود ہم مشترکہ کاز کے لئے ایک ہوجائیں اور ''بنیان مرصوص'' بن جائیں۔ ہمارے عمل سے دنیا کو یہ پیغام ملے کہ ہم بعض چھوٹی چھوٹی باتوں میں اختلاف رائے کے باوجود متحد ہیں، ہمارے نقاط اتفاق بہ مقابلہ اختلااف کے بہت زیادہ ہیں، ہم دانائی اور سمجھ داری کا ثبوت دیں تاکہ کوئی ہماری صفوں میں شگاف پیدا کرنے کا تصور بھی نہ کرسکے۔

❀❀❀

تحفظ دین وشریعت کے چند ستون

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی (مدیر اعلیٰ)

1972 میں تحفظ دین وشریعت کی خاطر اسلامیان ہند کا ایسا مضبوط و مستحکم اور پر جوش اتحاد منظر عام پر آیا جسے شاید ہی چشم فلک نے دیکھا ہو۔ ملت اسلامیہ کو کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایک دھاگے میں پرونے کے لئے جن عالی مرتبت شخصیات نے راتوں کی نیند حرام کیں اور دن کا چین وسکون تیاگ دیا وہ ہمارے لئے آج بھی چراغ راہ ہیں۔ ذیل میں چند نگہبان دین وشریعت کا تعارفی خاکہ پیش کیا جارہا ہے (جنھوں نے ملت کو مجتمع ومتحد کرنے کیلئے مسلم پرسنل لا بورڈ جیسی نمائندہ تنظیم قائم کی) تاکہ ان کے نقوش کار، بے نفسی اور کمال درجہ کی دردمندی سے استفادہ کیا جاسکے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
1972.................1983

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو قائم کرنے اور اسے ہمہ گیری عطا کرنے میں جن دو مرکزی کرداروں نے نمایاں رول ادا کیا تھا ان میں سے ایک تھے بہار اڑیسہ کے امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی اور دوسرے سید العلماء حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسی عظیم تحریک کو پوری قوت کے ساتھ برپا کرنے کے لئے اس وقت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جیسی بابرکت، باعلم اور فکر ونظر رکھنے والی موزوں ترین کوئی دوسری شخصیت موجود نہیں تھی۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے رفیق کار مولانا سید منت اللہ رحمانی کے مشورہ وتعاون سے 1972 کے وسط میں ایک اجلاس دیوبند میں منعقد کیا جس میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ارکین، ملک کے ممتاز علماء اور ماہرین قانون ودانشوروں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں اہل فکر ونظر کو حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ نے شریعت اسلامی پر خطرات کے منڈلاتے بادل، اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں اور حکومت کے منفی رویوں سے آگاہ کیا اور تاثیر میں ڈوبی ہوئی اپنی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے حالات میں جب کہ قوانین اسلام اور ہماری شریعت پر شب خون مارنے کی تمام سازشوں سے ہم مطلع ہو چکے ہوں، کیا ہم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ ہم مکاتب فکر اور مسالک کی تمام دیواروں کو منہدم کردیں اور شریعت کے ہر ہر جز کی حفاظت کے لئے ایک ہوجائیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیبؒ کی اضطراری کیفیت اور درد وغم میں ڈوبی ہوئی گفتگو کا ایسا اثر ہوا کہ اسی مجلس میں یہ طے پاگیا کہ ایک وفد ممبئی جائے اور ''مسلم پرسنل لا کنونشن'' کی تیاری کی فضا ہموار کرے۔ اور یہیں سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا عملی طور پر آغاز ہوگیا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی تحریک کی اس ابتدائی مہم میں سابق گورنر بہار مسٹر یونس سلیم، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی، ڈاکٹر طاہر محمود وغیرہ شریک تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کی سرکردگی میں مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اور مولانا محمد سالم قاسمی پر مشتمل ایک وفد ممبئی کے لئے روانہ ہوا اور شب وروز کی محنت وجدوجہد کے بعد بالآخر 28-27 دسمبر 1972 کا وہ تاریخ ساز دن بھی آیا جب ملت اسلامیہ کے پانچ لاکھ سے بھی زائد بزرگوں، جوانوں اور ہر مکتب فکر کے قائدین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ممبئی کنونشن میں موجود تھا۔ اس کنونشن کی غیر معمولی کامیابی اور اتحاد ویکجہتی کے عظیم الشان مظاہرے کے نتیجے میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔ اور حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ اس کے بانی صدر منتخب ہوئے۔

حضرت ممدوحؒ کی ذات گرامی ہی تھی کہ جن کی بھاری بھرکم شخصیت نے مختلف الخیال قائدین اور عوام کو ایک دھاگے میں پروکر مسلم پرسنل لا بورڈ کو ایک عظیم قوت میں تبدیل کر دیا اور بورڈ کو مرکزی اتحاد کا ایسا نمونہ بنایا جو آج بھی اپنی افادیت وتاثیر کے اعتبار سے ثمر آور ہے۔ موصوف تاحیات بورڈ کی صدارت فرماتے رہے۔

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ
جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ
1972 1991

دین وشریعت کے نگہبان اور قافلہ سخت جاں کے میر کارواں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی قوانین شرعی کی حفاظت اور اس کے عملی نفاذ کے لئے جس قدر بے چین ومضطرب تھے اس کا صحیح اندازہ تو ان کے رفقاء اور وہ لوگ ہی لگا سکتے ہیں جنہوں نے ان کی صبح وشام، ان کا گفتار وکردار اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت قریب سے دیکھا ہو۔ بلا شبہ بیسویں صدی میں اس جیسا علم وعمل کا پیکر اور عزم وہمت کا کوہ گراں پیدا نہیں ہوا اور سچی بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا کے تعلق سے جو شعور فکر اور بیداری ہندوستان میں آئی وہ موصوف کی ہی رہین منت ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علمی، تحقیقی، تربیتی، تصنیفی، اصلاحی، تبلیغی، تحریکی کاموں میں علماء بہار کا اہم حصہ رہا ہے، امام منطق وفلسفہ صاحب سلم العلوم حضرت علامہ محبّ اللہ بہاریؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، صاحب عون المعبود شیخ شمس الحق عظیم آبادیؒ، اسلامی معاشرے کے تشکیل کے نقیب اور بانی امارت شرعیہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور مجاہد آزادی حضرت سید شاہ محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ کا کردار ہمارے دل ودماغ کو جھنجھوڑتا رہا ہے۔ امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے نقوش جمیل سے ایک جہان مستفید ہوا ہے، ادیب شہیر علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی علمی، تحقیقی وتصنیفی کارناموں کو کسی طرح نہیں بھلایا جا سکتا۔ اسی طرح لاتعداد علمائے دین متین اس سرزمین میں پیدا ہوئے جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، انہی شخصیات میں سے حضرت اقدس مولانا بشارت کریم صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ، مولانا ولایت علیؒ اور مولانا یحییٰ علی عظیم آبادیؒ، شاہ ولی اللہ تحریک کے علم بردار بن کر سامنے آئے اور

سب سے اخیر میں علم و ادب اور فقہ و شریعت کے رمز شناس حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ شاہ ولی اللہ تحریک کے میر کارواں کی حیثیت سے عالم اسلام میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ایسے ہی علماء و مفکرین نے علم و تحقیق کی بزم میں چار چاند لگایا اور دعوت و تبلیغ و اصلاح امت کو اپنا فریضہ جان کر زبردست محنت کی۔ صوبہ بہار کی دو عظیم شخصیتوں حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اس خطہ میں کبھی دینی مزاج و ماحول کے لیے سرگرداں رہے تو کبھی رسوم و بدعات کے خاتمہ کے لیے گاؤں گاؤں کی خاک چھانتے رہے اور کبھی قادیانیت سمیت دیگر فرقۂ باطلہ کی سرکوبی کے لیے شب و روز ایک کرتے رہے۔ ان بزرگوں نے اصلاح معاشرہ اور فرقۂ باطلہ کی سرکوبی کے لیے مدارس و مکاتب کے قیام کی تحریک شروع کی، ان بزرگوں نے اصلاح معاشرہ اور فرقہ باطلہ کی سرکوبی کے لیے بے مثال جدوجہد کی۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے اندر ملی حمیت اور قوانین اسلامی کے نفاذ کی لو مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے جلائی تھی جسے سخت سے سخت حالات اور تیز و تند آندھی میں بھی وہ روشن رکھنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام دشمن عناصر حکومت کے ذریعہ قوانین اسلامی پر شب خون مارنا چاہتے ہیں تو وہ برداشت نہ کر سکے اور اپنی بے چینی کا اظہار اس وقت کے طبقۂ علماء کے سرخیل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے کیا۔ پھر کیا تھا دونوں ہی بزرگوں نے اپنی فراست ایمانی، ملی غیرت اور عزم و ہمت و خود اعتمادی کے ساتھ ایک ایسی فضا تیار کی کہ دسمبر 1972 میں ممبئی میں ایک ایسا تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ہزار سے زائد علماء و قائدین اور پانچ لاکھ سے زائد سامعین کا ایک ایسا اجتماع جہاں نہ کوئی دیوبندی تھا نہ کوئی بریلوی، نہ کوئی شیعہ تھا نہ سنی، بلکہ کلمہ واحد کی بنیاد پر سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر جوش ایمانی کا بھرپور مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس بے مثال اتحاد کا سہرا حضرت امیر شریعت کے سر جاتا ہے۔ جن کی وسعت ذہنی اور شب و روز کی جدوجہد سے ہی ایسا منظر سامنے آیا تھا۔ اس اجلاس کے نتیجے میں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا قیام عمل میں آیا۔ اور مولانا منت اللہ رحمانی اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے لے کر ملک کے ہر گوشے میں اس کا تعارف تک ہر جگہ مولانا رحمانی نمایاں نظر آتے ہیں۔ کشمیر سے کنیا کماری تک اور گجرات سے بنگال اور آسام تک بورڈ کی مہمات اور تحریک جو بے مثال کامیابی ملی اس کے پیچھے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی پرکشش شخصیت اور جہد مسلسل کارفرما تھی۔ ممبئی، حیدرآباد، رانچی، پٹنہ، کلکتہ اور ملک کے بیشتر حصوں میں منعقد ہونے والے بے شمار بڑے بڑے اجتماعات میں شرکت کرنے والے مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے کبھی بورڈ کی طرح پرتاثیر و پرہجوم اجلاس نہیں دیکھے۔''

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام بہار واڑیسہ کے چوتھے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کا عظیم کارنامہ ہے۔ انہوں نے بورڈ کو پوری ملت کی نمائندہ جماعت اور اس کو ایک عظیم قوت میں تبدیل کرنے میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ کو ملت کے تمام طبقوں اور صاحب اقتدار کے گلیاروں میں جو وقار و اعتماد حاصل ہے وہ انہیں کا طفیل ہے۔

انہوں نے بیش قیمت لٹریچرس خود تحریر فرمائے اور کچھ دوسروں سے لکھوائے اور انہیں مختلف زبانوں میں شائع کروا کر مسلمانوں کو اپنے عائلی قوانین کے تحفظ کے سلسلہ میں شعور وفکر اور علم آ گہی سے نوازا اور شریعت پر کسی بھی جانب سے ہونیوالے حملوں کا دندان شکن جواب دینے میں ذرا بھی تساہل سے کام نہیں لیا۔

حضرت ممدوحؒ کا ایک اہم علمی وشرعی کارنامہ ''قوانین اسلامی کی تدوین'' ہے جو انہوں نے ممتاز علماء اور فقہاء اور ماہرین قانون کے ذریعہ مرتب کرائی ہے۔اوران کی زندگی میں ہی یہ کتاب مکمل ہوگئی تھی۔ یہ کتاب دارالقضاء اور ملکی عدالتوں میں مستند ماخذ اور حوالہ کا کام دے گی جس میں عائلی قوانین کی دفعہ وار تدوین کی گئی ہے۔ یہ کتاب ان کتابوں سے بے نیاز کردے گی جو انگریزوں نے مسلم ماہرین سے لکھوائی تھی اور وہی کتابیں آج ملکی عدالتوں میں مقدمات کے فیصلہ کرنے میں معاون ومددگار ہیں۔حضرت موصوف کی نگرانی میں تیار شدہ یہ دستاویزی کتاب جلد ہی نظر ثانی اور ضروری اضافوں کے ساتھ شائع ہونے جارہی ہے۔

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے ہندوستانی مسلمانوں کو مسلم پرسنل لا بورڈ کی صورت میں ایک ایسا مرکز عطا کیا ہے جو داخلی اور خارجی طور پر انہیں نہ صرف مستحکم کرتا ہے بلکہ ایک زندہ قوم کی طرح جینے کا سلیقہ بھی سکھاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے نشان راہ پر چلنے کی توفیق دے۔آمین۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1983.................1999

ملت اسلامیہ کا متحدہ ومشترکہ پلیٹ فارم اور تحفظ دین وشریعت کا بے نظیر کارواں ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' طبقہ علماء کے سرخیل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں محو سفر تھا کہ اچانک 17/جولائی 1983 کو بورڈ کے صدر حضرت قاری محمد طیب صاحب کا انتقال کا حادثہ جانکاہ پیش آیا۔ یہ حادثہ جہاں اسلامیان ہند کے لئے ایک المیہ تھا وہیں مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے سکریٹری جنرل حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے لئے کسی امتحان وآزمائش سے کم نہ تھا۔مولانا رحمانیؒ نے 28/دسمبر 1983 کو بورڈ کا سالانہ اجلاس مدراس میں بلایا اور منجدھار میں جانب منزل رواں دواں ملت کی اس کشتی کے کھیون ہار اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے جانشیں کی حیثیت سے مولانا رحمانیؒ کی ہی تحریک پر مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کو منتخب کرلیا گیا۔ یوں تو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ بورڈ کے بانی رکن تھے مگر منصب صدارت پر فائز ہونے کے بعد بورڈ کو جو عالم گیر شہرت، سواد اعظم کی سمع وطاعت اور مختلف میدان ہائے کار میں زبردست کامیابی ملی اس میں موصوف کے علم تفقہ، شعور وفکر اور داعیانہ کردار کا بہت بڑا دخل تھا۔مولانا فراست ایمانی، دور اندیشی اور حکمت وتدبر کے ساتھ وقت کے نازک سے نازک مسائل کو حل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا عہد صدارت 1983ء سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد ان کی ایماء پر کلکتہ، دہلی، جے پور، احمد آباد، میرٹھ، پٹنہ اور ممبئی میں بورڈ کے عظیم الشان وتاریخ ساز اجلاس منعقد ہوئے جو بورڈ کے تعارف اور ملت کے دیگر مسائل کو

حل کرنے میں بے حد ممد ومعاون ثابت ہوئے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سامنے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا معاملہ آیا، شاہ بانو کیس کے ذریعہ شریعت میں ترمیم کرنے کی کوشش کی گئی اور شیلانیاس سے لے کر بابری مسجد کے انہدام تک کا حادثہ جانکاہ بھی پیش آیا اور وندے ماترم کا شوشہ بھی کھڑا کیا گیا، ہر مسئلہ پر حضرت مولانا علی میاں ندوی نے شریعت محمدی اور تشخص اسلامی کے تحفظ کو ملحوظ رکھا اور اغیار وفرقہ پرست قوتوں کو دوٹوک انداز میں دندان شکن جواب دیا اور اپنے موقف کو نہایت مضبوط ومدلل انداز میں پیش فرمایا۔

اپریل 1985 میں سپریم کورٹ نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ (125) کا سہارا لے کر شاہ بانو مقدمہ میں مسلم مطلقہ خاتون کو زندگی بھر یا تا نکاح ثانی شوہر پر نان نفقہ لازم قرار دینے کا غیر شرعی فیصلہ دے دیا جو شریعت اسلامی پر براہ راست حملہ تھا۔ حضرت موصوف اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ چونک پڑے بلکہ لرز گئے اور انتہائی سخت حالات میں صدائے احتجاج بلند کیا۔ 2رفروری 1986 کو وزیر اعظم راجیو گاندھی اور دیگر سیاسی وقانونی حضرات سے ملاقاتیں کیں۔ اس مسئلہ پر ایک طرف غیر مسلم تنظیمیں اور نام نہاد حقوق نسواں کی علمبر دار جماعتیں بورڈ کے آمنے سامنے تھیں تو دوسری طرف کچھ روشن خیال ونام نہاد مسلم دانشوروں سے بھی بورڈ کا سابقہ تھا۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی قیادت میں بورڈ نے ملک گیر ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔

ملک کے چپہ چپہ میں اس تحریک نے انقلاب برپا کر دیا جس کے نتیجے میں ہزار مخالفتوں کے باوجود پارلیمنٹ کو ''قانون حقوق مسلم مطلقہ 1986'' پاس کرنا پڑا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی اس زبردست کامیابی کے پیچھے دراصل حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی جرأت مندانہ قیادت اور صبر آزما جدوجہد کارفرما تھی۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سترہ سال تک مسلم پرسنل لا بورڈ کی قیادت وصدارت کی ذمہ داریاں احسن طریقے پر انجام دیتے رہے، بلاشبہ ان کا دور صدارت مسلمانان ہند کے لئے نہایت مبارک ومسعود اور منظم ومتحد دور سے گزرا ہے، حضرت مولانا نے مرکز اتحاد کی حیثیت سے مسلم پرسنل لا بورڈ کو نئے افق اور نئی وسعتیں عطا کی ہیں اور ان کی وجہ سے بورڈ کو وقار واعتماد حاصل ہوا ہے۔

صد افسوس کہ علم وفضل کا یہ روشن چراغ 31ردسمبر 1999 کو ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔ اللہ ملت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین

مفکر ملت حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ
صدر مسلم پرسنل لا بورڈ
2000.................2002

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی ابتدائی مہم سے لے کر آج تک اپنی علمی، فکری اور عملی جدوجہد سے بورڈ کو مسلسل تقویت پہنچاتے رہے ہیں۔ انہوں نے بورڈ کو درپیش مختلف چیلنجوں کا دندان شکن جواب دیا اور بورڈ کی سرگرمیوں میں وہ شروع سے ہی شریک وسہیم رہے ہیں کیوں کہ بورڈ کے قیام کا تخیل جب اس کے بانی امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے دست وبازو کی حیثیت سے

ان کے جملہ علمی وفکری کاموں کو انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ جب مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے جو خصوصی میٹنگ دیو بند میں بلائی تھی، حضرت قاضی صاحب اس میٹنگ میں بھی موجود تھے اور اس تاریخ ساز میٹنگ میں تاریخی تجاویز بھی انہوں نے ہی پیش کی تھی اور ممبئی میں ''مسلم پرسنل لا کنونشن'' کی تیاری اور اسے مفید و مؤثر بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سامنے شاہ بانو کیس کا مسئلہ آیا تو بورڈ کے قائدین چونک پڑے اور اسے شریعت میں مداخلت تصور کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس کے خلاف جمہوری طریقے پر احتجاج کریں اور شرعی قانون پر نئے قانون کی بالادستی سے عوام کو بھی باخبر کریں گے۔ بورڈ کے ذمہ داروں نے ایک وفد ترتیب دیا جس نے ملک بھر کے دورے اور جلسوں کا پروگرام بنایا۔ کشمیر سے کنیا کماری تک اور پنجاب سے آسام تک بورڈ کے جس وفد نے ملک میں کہرام مچادیا اس میں اپنے پیش رو کے ساتھ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی پیش پیش تھے۔ کہیں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ہمراہ اور کہیں مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی شراکت میں اور بہت سی جگہوں پر خود میر کارواں رہے اور اپنی علمی بصیرت، مخصوص لب ولہجہ اور انداز خطابت سے ملک کے کونے کونے میں ایسا جادو جگایا کہ بورڈ امت مسلمہ کی آواز بن گیا۔

حضرت قاضی صاحب نے مسلم پرسنل لا بورڈ کا تعارف نہایت واضح اور مدلل انداز میں کیا۔ اس موضوع پر ان کی لکھی ہوئی ایک گراں قدر تحریر کتابی صورت میں متعدد بار شائع بھی ہوچکی ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے جے پور کے اجلاس میں نظام دارالقضاء کے قیام سے متعلق تجویز منظور کی اور حضرت قاضی صاحب کو اس کا ذمہ دار قرار دیا۔ قاضی صاحب نے اس کے لئے نہ صرف یہ کہ کئی دارالقضاء قائم کئے بلکہ امارت شرعیہ کی نگرانی میں ایک بے مثال ادارہ بھی قائم فرمایا جہاں ممتاز فضلاء کو قضاء و افتاء کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی نگرانی میں عائلی قوانین کی دفعہ وار تدوین کا کام شروع کیا تھا جو مولانا رحمانی کی زندگی میں ہی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا، اس اہم علمی کام میں بھی حضرت قاضی صاحب شریک رہے اور امارت شرعیہ کے اپنے چند رفیق کار کے ساتھ اس کی تکمیل میں کلیدی رول ادا کیا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے دوسرے صدر مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے انتقال کے بعد 23/اپریل 2000 کو جب ارباب حل وعقد نے باتفاق رائے قاضی صاحب کو بورڈ کا صدر منتخب کیا تو اس کو ملک و بیرون ملک کے علماء قائدین نے ''حق حق دار رابرسید'' کہا اور نہایت اطمینان کا اظہار کیا۔ میڈیا نے اس انتخاب کو بڑی اہمیت دی اور شاید ہی کوئی خبر رساں ایجنسی ہوگی جس نے اس خبر کو نمایاں نہ کیا ہو۔ بورڈ کی صدارت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد سے موصوف نے بورڈ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور بورڈ کو متحرک وفعال بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

2002......................تاحال

حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کی وفات

کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے لیے ذمہ داران بورڈ کے متفقہ فیصلے سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا انتخاب کیا گیا۔ آپ نے بورڈ کی صدارت جس شان سے فرمائی اس سے مسلم پرسنل لا بورڈ کی اہمیت اور اس کے اثر ورسوخ میں بے پایاں اضافہ ہوا۔ آپ نے بابری مسجد سے دستبرداری کے سلسلے میں نہ یہ کہ سخت گیر ہندوؤں کی مخالفت کی بلکہ بعض نام نہاد مسلم دانشوروں کی رائے کو بھی مسترد کیا اور آنند سرسوتی کانچی پیٹھ شنکر آچاریہ کو گھٹنہ ٹیکنے پر مجبور کردیا۔ آپ کی صدارت میں 21 تا 23 جون 2002 کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا 16 واں اجلاس چارمینار حیدرآباد میں منعقد ہوا جس میں مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی کوششوں پر روک لگانے کے لیے متعدد تجاویز پیش کئے گئے۔

آپ ہی کی صدارت میں 17 واں اجلاس یکم، 2 مارچ 2003 کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں پرسنل لا بورڈ پر منڈلاتے خطرات کو ٹالنے کی حکمت عملی پر غور وخوض کیا گیا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا 18 واں اجلاس بھی آپ ہی کی صدارت میں تاج المساجد بھوپال میں مورخہ ۲۹/اپریل تا یکم مئی ۲۰۰۵ء میں منعقد ہوا۔ بورڈ کا 19 واں اجلاس ۱۰ تا ۱۲/جنوری جنوبی ہند چنئی میں منعقد ہوا۔ اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا 20 واں اجلاس آپ کی صدارت میں مورخہ ۲۹/فروری تا ۲ مارچ ۲۰۰۸ء کو کولکاتہ پاک سرکس میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک کے گوشہ گوشہ سے بورڈ کے مندوبین نے شرکت کی اور بورڈ کی طرف سے پیش کردہ تجاویز پر اتفاق رائے قائم ہوا۔ اس طرح سے مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانوں کے عائلی مسائل کے تحفظ کے حوالے سے آپ کی قیادت میں سرگرم عمل ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے سایہ کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور بورڈ اپنی کارکردگی میں رواں دواں رہے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1991.......................تاحال

مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی وجنرل سکریٹری امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے وصال کے بعد اراکین بورڈ کی نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑی جو نہایت ذمہ داری اور بنا کسی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے عرصہ دراز سے حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے دست راست بن کر امارت شرعیہ کے منصب نظامت پر گراں قدر خدمات انجام دے رہے تھے۔ تیس برس تک امیر شریعت رابع حضرت مولانا رحمانی کی نگرانی میں کام کا تجربہ، ان کی فکری مسلک ومشرب سے واقفیت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک شروع ہی سے شرکت کی وجہ سے حضرت مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم کو بورڈ کو متحرک وفعال رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس لئے بھی کہ انہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ جیسے بلند پایہ عالم دین اور عالم اسلام کی معروف شخصیت کے تعاون وحمایت میں کام کرنے کا موقع ملا جن کی بھاری بھرکم شخصیت مرکز اتحاد بنی ہوئی تھی۔

اور آج انہیں ایک ایسے صدر (حضر مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی) کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے جن ساتھ پچھلے چالیس برسوں سے ذہنی وفکری ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق رہا

ہے۔ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی اور مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم نے مشترکہ طور پر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے دائرہ کار کو جو وسعت دی ہے امید کی جاتی ہے کہ یہ دونوں شخصتیں مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھی عظیم الشان قوت میں تبدیل کرنے کی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین دامت برکاتہم کی سرکردگی میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا احمد آباد اور ممبئی میں عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جو اپنی اہمیت وافادیت اور تاثیر کے لحاظ سے نہایت اہم اور تاریخ ساز اجتماع تھا۔ مولانا کی نگرانی میں بورڈ نے بابری مسجد ودیگر مقدمات کی کامیاب پیروی کی ہے۔ اللہ انہیں ملت کی رہبری کی مزید توفیق دے اور صحت وعافیت سے نوازے۔ آمین

مسلم پرسنل لا بورڈ کو نائبین صدور حضرت مولانا سید کلب صادق صاحب، مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، مولانا سراج الحسن صاحب، جیسی بلند وبالا شخصیتوں کی حمایت وتعاون حاصل ہے اور شروع سے ہی کلیدی عہدہ و پر فائز ہوکر گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کے علاوہ بورڈ کو جناب عبدالستار یوسف شیخ، جناب محمد عبدالرحیم قریشی اور حضرت مولانا سید ولی رحمانی جیسے فعال ومتحرک اور ذی اثر شخصیتوں کا بھی تعاون حاصل ہے جو بحیثیت سکریٹریز مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کرر ہے۔

جناب یوسف پٹیل

سابق سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ

عالی جناب یوسف پٹیل عروس البلاد ممبئی کی معروف ومشہور شخصیت تھی علماء سے خاص لگاؤ، مقامی وملکی مسائل سے باخبر اور فکر مندی ان کا خاص وصف تھا۔ انہوں نے ممبئی کے بے شمار سیاسی، سماجی اور ملی مسائل کو حل کرنے اور ایک ذمہ دار شہری ہونے کے ناطے جو فعال رول ادا کیا ہے انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

''آل انڈیا مسلم پرسنل کنونشن'' جو دسمبر 1972 میں ممبئی میں منعقد ہوا تھا جس میں ہزاروں علماء ومشائخ اور ہر مکتب فکر کے قائدین نے شرکت کی تھی اور اجلاس عام میں پانچ لاکھ سے زائد مسلمانوں کا ایک پر جوش ہجوم تھا اجلاس کو کامیاب بنانے اور کے نظم ونسق کو سنبھالنے نیز مفید وبارآور بنانے کے پیچھے جن لوگوں کی شب وروز کی محنت اور انتھک جدوجہد شامل تھی ان میں جناب یوسف پٹیل کا امتیازی رول تھا۔ اس اجلاس کی غیر معمولی کامیابی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کی وجہ بنی، چنانچہ 1973 میں حیدرآباد کے اجلاس میں باضابطہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ جناب یوسف پٹیل اپنی خدمات، جدوجہد اور فعالیت کی وجہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ اور علماء وقائدین سے قریب تر ہوتے چلے گئے یہاں تک انہیں مسلم پرسنل لا بورڈ کا سکریٹری نامزد کیا گیا اور انہوں نے مرتے دم تک مسلم پرسنل لا بورڈ کو تقویت پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اللہ ان جیسے مرادن کار اور مخلص لوگوں کو پیدا فرمادے اور ملت کے بکھرے ہوئے گیسو سنوار دے۔

❁ ❁ ❁

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف!

مسلم پرسنل لا بورڈ

ماضی......حال اور مستقبل

نور اللہ جاوید قاسمی (روزنامہ راشٹریہ سہارا کولکاتہ)

انگریزی استبداد سے قبل مغلیہ دور حکومت میں زندگی کے اکثر شعبوں میں مسلم پرسنل لا ءنافذ تھا۔ جہانگیر کے دور اقتدار میں انگریز تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور آہستہ آہستہ ملک کے اقتدار پر قبضہ جمالیا۔ اس طرح مغلیہ حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے 700 سالہ روشن اور تابناک دور اقتدار کا چراغ گل ہوگیا۔ پورے ملک پر برٹش سامراج کا جھنڈا لہرانے لگا۔ برطانوی حکمرانوں کا ہندوستان پر صرف حکومت کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ وہ ہندوستان کو ایک عیسائی اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ 1866 میں انگریز حکمرانوں نے ملک کے آئین کا جائزہ لینا شروع کیا اور دستور ہند میں شامل اسلامی قوانین کو آہستہ آہستہ نکالنا شروع کردیا۔ سب سے پہلے دستور سے قانون شہادت، اور قانون معاہدات منسوخ کیے۔ اس کے بعد باری آئی معاشرتی قانون میں تبدیلی کا جن میں نکاح، طلاق، خلع، میراث وغیرہ شامل ہیں۔ دستور سے اسلامی قوانین کو نکالنے پر مسلمانوں کی جانب سے سخت احتجاج کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت کے علماء نے انگریزوں سے برہم ہوکر محاذ قائم کردیا تھا۔ لہذا معاشرتی قانون میں تبدیلی کا جائزہ لینے کے لیے انگریزوں نے 'رائل کمیشن' مقرر کیا۔ کمیشن نے معاشرتی قانون کا جائزہ لینے کے بعد حکومت کو رپورٹ سونپی کہ معاشرتی قانون کا تعلق مذہب سے بہت ہی گہرا ہے۔ لہذا اگر اس میں تبدیلی کی گئی تو اسے ملک کے مسلمان مذہبی امور میں مداخلت اور آزادی کو مجروح کرنے کے مترادف سمجھیں گے اور انگریز کے خلاف میدان میں کود جائیں گے۔ انگریزوں نے اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے معاشرتی قانون میں تبدیلی کے ارادے کو ترک کردیا اور طے کیا کہ معاشرتی اور عائلی مسائل میں مسلمان شریعت اور ہندو دھرم شاستر پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

انگریزی اقتدار کے آخری دہائی 1936 میں ایک عدالت نے ہندو رواج کے مطابق وراثت میں بہن کو حصہ دینے سے انکار کردیا۔ عدالت کے فیصلہ پر پورے ہندوستان میں تحفظ شریعت کے حوالہ سے بہت مضبوط اور مستحکم آواز اٹھائی گئی۔ مفکر اسلام مولانا ابو المحاسن سجاد، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ صدر جمعیت علماء ہند اور دیگر اکابرین کی سخت محنت اور کوشش کے بعد 1937 میں ''شریعت اپلیکیشن ایکٹ'' بنا۔ اس ایکٹ میں عدالت اور قانون ساز اداروں کو پابند بنایا گیا کہ اگر فریقین مسلمان ہو تو عائلی قوانین میں فیصلہ شریعت محمدیہ کے مطابق کیا جائے۔ چاہے عرف اور رواج کا تقاضا کچھ بھی ہو۔

1947 میں ملک کو آزادی ملی اور ایک بار پھر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی قیادت میں قانون سازی کا عمل شروع ہوا۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی قیادت والی قانون ساز کمیٹی نے بنیادی دستور میں ملک

کے تمام شہریوں کو اپنے کلچر اور تہذیب اور پرسنل لاء کے مطابق آزادی دی۔ دفعہ 29 میں وضاحت کی گئی کہ تمام شہریوں کو اپنے رسم ورواج اور شریعت کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہوگی لیکن دستور ہند میں دفعہ 44 میں حکومتوں کو ہدایت دی گئی کہ وہ پورے ملک میں یکساں سول کوڈ کی نفاذ کے لئے کوشش کرے گی۔ مسلم پرسنل لاء پر مداخلت کی تلوار لٹکا دی۔ اس وقت قانون ساز کمیٹی میں شامل مولانا حسرت موہانی، جناب اسماعیل اور دیگر بعض مسلم اراکین نے اس دفعہ پر سخت اعتراض کیے اور اس میں ترمیمات پیش کی لیکن بدقسمتی سے امبیڈکر نے مسلم ممبران کی ترمیمات کو رد کردیا اور ملک کی دستور میں دفعہ 44 شامل ہوگیا۔ اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر نے مسلم اراکین کو یہ کہہ کر خاموش کردیا کہ ''کوئی پاگل ہی حکومت ہوگی کہ وہ ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے کوشش کرے گی۔ کیا کوئی حکومت یہ پسند کرے گی کہ ملک کی ایک بڑی آبادی مسلمان اس کے خلاف ہوجائے۔'' امبیڈکر کی اس وضاحت کے بعد مسلم اراکین خاموش ہو گئے۔ لیکن دستور سازی کے چند سالوں بعد ہی ملک میں فسطائی ذہنیت کے حاملین یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے آوازیں اٹھنی شروع ہوگئی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے ملک کے دستور میں دفعہ 44 کو یہ کہہ کر شامل رہنے دیا کہ کوئی بھی حکومت اور سیاسی پارٹی ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے کوشش نہیں کرسکتی کیونکہ وہ مسلمانوں کو ناراض کرنا نہیں چاہیں گے۔ صرف 25 سال بعد پارلیمنٹ میں متبنیٰ بل پیش ہوا جس کا مقصد تھا کہ ملک کے تمام شہری بلا امتیاز مذہب وملت منہ بولے بیٹے کو اولاد کا درجہ دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بل شریعت کے سراسر مخالف تھا اور مسلم پرسنل لاء میں صریح مداخلت تھی۔ متبنیٰ بل نے مسلمانان ہند کے سامنے بے شمار سوالات کھڑے کردیئے کہ کیا دستور ہند میں فکری وعملی آزادی جو تمام مذاہب کو دی گئی وہ محفوظ رہ سکے گی۔ کیا وہ آزادانہ طور پر بالخصوص اپنے عائلی مسائل میں شریعت اسلامیہ کے مطابق عمل کرسکیں گے۔ یہ تو ابتدا ہے آگے چل کر نہ معلوم مقنّنہ اور عدلیہ کہاں تک شریعت میں مداخلت کرکے مسلمانوں کو اپنے مذہب پر آزادانہ طریقہ سے عمل کرنے سے روکنے کی کوشش کرے گی۔ یہی وہ سوالات تھے جو مسلمانان ہند کو بے چین کردیا۔ تمام تر مسلکی اختلافات کے باوجود ہندوستان میں مسلمانوں کے علماء و دانشوروں اپنے تحفظات سے بالاتر ہوکر حکومت کے اس اقدام کے خلاف متحدہ طور پر آواز بلند کی۔

ان حالات میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں ایک اجلاس بلایا جس میں امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور اس وقت کے اکابرین دیوبند نے ملک میں مسلم پرسنل لاء کو لاحق خطرات سے آگاہ کیا۔ اس کانفرنس میں اکابر علماء دیوبند، ملک کے ممتاز دانشور اور قانون داں شریک ہوئے۔ اس میٹنگ میں بہت ہی اہم فیصلے کئے گئے ان ہی اہم فیصلوں میں سے ممبئی میں تمام مکتب فکر کے علماء، دانشوروں اور مسلم سماجی کارکنوں کو بلا کر ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا۔

آزاد ہندوستان میں 27 اور 28 دسمبر 1972 کا دن مسلمانان ہند کے لئے سنگ میل ثابت ہوا کہ منتشر اور آپس میں بر سرِ پیکار مسلم جماعتوں کے نمائندوں نے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر حکومت کے سامنے یہ ثابت کردیا کہ اگرچہ ان کے درمیان مسلکی اختلافات ہیں لیکن جب بات شریعت میں مداخلت کی آئے گی تو وہ ایک ہیں اور ایک رہیں گے۔ مہاراشٹر کالج میں منعقد مسلمانوں کی اس عظیم اجتماع میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نام سے ایک عظیم پلیٹ فارم کی تشکیل ہوئی۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ قرآن کی آیت ''جو کچھ رسول لے کر آئے ہیں اس کو پکڑلو اور رسول جن چیزوں سے منع فرماتے ہیں اس سے رک جاؤ'' اور **لاتبدیل لکلمات اللہ** کی عملی تفسیر

ہے۔1972کے بعد سے اب تک مسلم پرسنل لاء بورڈ شریعت میں مداخلت کے خلاف ایک دیوار بن کر کھڑی رہی ہے۔ چاہے شاہ بانو کیس ہو یا طلاق کا معاملہ یا پھر ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ ہو۔ ہمیشہ شریعت میں مداخلت اور ملک میں مسلم پرسنل لاء کو پامال کرنے کی کوشش کے خلاف آہنی دیوار بن کر کھڑی رہی۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کو تین دہائی سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔اس دوران بورڈ کے اکثر اساسی ممبران راہی عدم ہو چکے ہیں۔اس دوران بورڈ کے تین صدر قاری محمد طیبؒ،مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور ایک جنرل سکریٹری مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی بے مثال قیادت نے بورڈ کو ہندوستانی مسلمانوں کی مشترکہ آواز بنایا۔ یہ الگ بات ہے کہ گزشتہ چند سال قبل بورڈ کو غیروں نے کئی حصوں میں منقسم کرنے کے لیے اپنوں کا استعمال کر کے اس آواز کو بے آواز بنانے کی سازش کی اور افسوس بریلی،شیعہ اور خواتین کے نام پر مسلم پرسنل لا قائم ہوا مگر آفریں صد آفریں مسلم امہ کا سواد اعظم اس بندر بانٹ کو مسترد کر کے سازشوں کو ناکام بنادیا اور ان تمام پرسنل لا کے رہبران کو سوائے ذلت اور رسوائی کے اور کچھ نہیں ملا۔

1972 سے اب تک حالات بالکل بدل چکے ہیں۔72میں ہندوستان کا جو سیاسی مزاج تھا وہ یکسر بدل چکا ہے۔اب ملک کی سیاست میں فرقہ واریت کا رنگ چڑھ چکا ہے۔72میں بی جے پی جیسی فرقہ پرست پارٹیوں کی ابتدا ہو رہی تھی اب وہ سیاسی افق پر چھا چکی ہے جو کل تک اس کے ساتھ کھڑے ہونے سے کترا رہے تھے وہ سیاستداں اب کھلے عام ان کی مدح سرائی میں دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ یہ تو ملک کی سیاست کے مزاج میں تبدیلی تھی۔ مسلم معاشرہ بھی ان تین دہائیوں میں بدل چکا ہے۔مادیت کی بادسموم نے تہذیب و ثقافت اور اسلامی شناخت کو ختم کر دیا ہے۔نئی نسل اسلامی اقدار سے بالکل نا آشنا ہے۔گلوبلائزیشن کا نعرہ لگا کر مسلم نوجوان بھی بین مذاہب شادیوں میں زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ان حالات میں ہمارے سامنے سب سے بڑا سوال ہے کہ کیا مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم اور مشترکہ پلیٹ فارم کو مسلمانوں کا وہی اعتماد حاصل ہے جو 1972اور اس کے بعد کے دنوں میں تھا؟ کیا ہماری قیادت میں وہی ولولہ اور جوش اور جذبہ ہے جو ہمارے اکابرین نے اپنے دلوں میں سجائے تھے۔یہی وہ سوالات ہیں جو مسلم پرسنل لا اور مسلمانان ہند کے سامنے ہیں۔انہیں نظر انداز کر کے قوم وملت کی صحیح رہنمائی نہیں کیا جاسکتا۔حقیقت کا اعتراف حالات کو بدلتے تیور کے مطابق ڈھالے بغیر کوئی جماعت اور تنظیم پر اعتماد قیادت نہیں دے سکتی ہے۔آزادی کے بعد سے اب تک نہ جانے کتنی تنظیمیں اور ادارے معرض وجود میں پر آئے اور چلے گئے۔ہماری ان ہی آنکھوں نے ان کی بلندی بھی دیکھی اور گمنامی بھی۔ان تنظیموں کا عروج وزوال ہمارے لیے تماشہ نہیں بلکہ عبرت ہے۔ہمیں ان سے سبق حاصل کر کے اپنی کمیوں کو دور کرنے کا حوصلہ کرنا ہوگا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ تین دہائیوں کے بعد بھی مسلم پرسنل لا آج مسلمانوں کی سب سے معتبر آواز ہے۔اس کے باوجود یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے کہ ہم نے 72میں جن بکھرے ہوئے موتیوں کو سمیٹا تھا وہ اب بکھرنے لگے ہیں۔نمائندگی کے نام پر انگلیاں اٹھنے لگی ہیں۔ ہر حلقہ اور جماعت کو شکایت ہے کہ انہیں صحیح نمائندگی نہیں دی گئی۔ایک بڑے حلقے میں یہ شکایت ہے کہ چند افراد نے بورڈ کا ہائی جیک کر رکھا ہے وہ جس طریقہ سے چاہتے ہیں بورڈ کی قیادت کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ اعتراضات کہاں تک مبنی برحقائق ہیں یہ اپنی جگہ الگ موضوع ہے لیکن اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ الیکٹرانک میڈیا کی چکا چوند میں خود کو ہائی لائٹ کرنے کی ہوڑ میں بورڈ کے وہ افراد ترجمان بن کر سامنے آئے جنہوں

نے اسلامی فقہ کا شاید ہی مطالعہ کیا ہو۔نتیجۃ ان کی کم علمی کی وجہ سے بورڈ کو نہ صرف شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ ان کی حرکات فقہ اسلامی کی جگ ہنسائی کا سبب بھی بنی۔یہی وہ اسباب ہیں جو بعض حلقوں کو بورڈ کے تئیں بدظن بناتی ہے۔اگر ان پر روک نہیں لگائی گئی تو یہ افراد بورڈ کے لیے ایسے ناسور بن جائیں گے جنہیں نہ نگلنے میں بنے گا اور نہ اگلنے میں۔اس وقت میں بورڈ کی خامیوں کو گنانا ہمارا مقصد ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی ہماری بساط ہے کہ ہم چراغ پر انگلی اٹھائیں لیکن ایک صحافی اور گھر کا وفا شعار فرد ہونے کے ناطے اپنے بڑوں کے سامنے چند باتیں جو چند سالوں سے دل میں کھٹک رہی تھی وہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔اس کے علاوہ ایک اور کمی جو سب سے زیادہ محسوس کی گئی وہ ذرائع ابلاغ سے تال میل کی کمی رہی۔بورڈ کے پاس ایک بھی ایسی ٹیم بر وقت دستیاب نہیں ہے جو بروقت بریفنگ کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ میڈیا ایسے افراد سے رابطہ قائم کرتی ہے جو پہلے سے نیوز چینلوں کے دفتروں میں اپنے لمبے چوڑے بائیوڈاٹا بھیج رکھے ہیں جس میں تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر رہتا ہے کہ وہ اسلامی فقہ کے ماہراور مسلم پرسنل لا کے ترجمان ہیں۔انگریزی اخباروں میں کام کررہے بعض مسلم صحافی بار بار یہ گلہ کرتے نظر آتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا کے صدر دفتر میں فون کرنے سے کوئی قابل ذکر فرد نہیں ملتا جو حقائق سے روشناس کرا سکے۔

مسلم پرسنل لا کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے اسے داخلی اور خارجی کے نام پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔خارجی سطح پر لاحق خطرات سے قوم وملت سے سب واقف کراتا ہے لیکن داخلی سطح پر مسلم پرسنل لا کو جو خطرات لاحق ہیں اس سلسلہ میں بتلانے والا شاید کوئی ملتا ہے۔جمعہ کے خطبے سے لے کر اجلاس عام تک ہر مقرر یہ تقریر کرتا ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت برداشت نہیں کرسکتے۔اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں جیسے پر جوش تقاریر ہوتی ہے لیکن ہمارا یہ المیہ ہے کہ قوم وملت کو مسلم پرسنل لا کیا ہے،اس میں تبدیلی کیوں نہیں ہوسکتی،یکساں سول کوڈ کیا ہے،جیسی اہم باتیں بتانے والے افراد شاید ہی ملیں گے۔ابھی اس کا نظارہ مغربی بنگال میں دیکھنے کو اس وقت ملا جب ریاستی حکومت نے لازمی نکاح رجسٹریشن بل پاس کرنے کا اعلان کیا،حکومت کے اعلان کے بعد ملی رہنماؤں سے لے کر مسجدوں کے امام تک حکومت کے خلاف خوب بیان بازی کی۔اسے المیہ کا نام ہی دیا جاسکتا ہے کہ ان میں اکثر کو یہ تک خبر نہیں تھی کہ لازمی نکاح رجسٹریشن سے کہاں مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہوتی ہے۔کولکاتا میں ایک مشہور مسجد کے امام جو اپنے آپ کو مفتی بنگال سے مخاطب ہوتے ہیں انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ حکومت چاہتی ہے کہ آپ اپنے شاہی امام سے نکاح پڑھانے کے بجائے ان کے مقرر کردہ افراد سے نکاح پڑھائیں اسے مسلمان نہیں ہونے دیں گے۔یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔اس طرح کی مثال آئے دن دیکھنے کو ملتی ہے۔مسلم پرسنل لا کو داخلی سطح پر اسی جہالت سے خطرہ لاحق ہے۔خارجی خطرات سے مقابلے ہم خوب سوچتے ہیں اور بیان بازی کرتے ہیں لیکن بورڈ کے پاس اس کی فکر کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔کہنے کو تو اصلاح معاشرہ کمیٹی قائم ہے۔وہ کمیٹی کہاں تک کام کررہی ہے اس کا اندازہ بورڈ کے معزز اراکین کو خود ہوگا۔ہندوستان کی سیاست کا مزاج بالکل بدل چکا ہے۔معاشرہ کے اعلی فرد سے لے کر ادنی فرد تک کی سوچ تغیر وتبدل کے دور سے گذر چکی ہے اگر نہیں بدلا ہے تو ہمارے کام کرنے کے طریقے نہیں بدلے ہیں۔مسلم پرسنل لا بورڈ پر انگلی اٹھانا ہمارا مقصد ہرگز نہیں ہے اور نہ ہم چاہتے ہیں کہ خامیوں اجاگر کیا جائے بلکہ ان تحریروں کا منشا صرف ایک ہے کہ جانیں کہ فرقہ پرست طاقتوں کو مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے مواقع کیسے ملتے ہیں اس کے لیے ہم کہاں تک ذمہ دار ہیں؟۔ضرورت ہے محاسبہ کی اور مسلم پرسنل لا بورڈ سے عوام الناس کو جوڑنے کی اس کے بغیر ہم مسلم پرسنل لاء بورڈ کو داخلی سطح پر لاحق خطرات کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ❁❁❁

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ چنئی اجلاس کے تناظر میں

راہیں دشوار گزار سہی، منزل آشنا ہیں!

عزیز بلگامی

قارئین کو یاد ہوگا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ایک ایسے وقت میں عمل میں آیا تھا، جب قانون شریعت کے خلاف وقت کے اقتدار کی بدنیتیاں پارلیمان میں ایک متوازی ''اڈاپشن بل'' کی شکل میں نمودار ہوئی تھیں جس کی منظوری کے لیے وقت کے وزیر قانون مسٹر ایچ آر گوکھلے نے اس اعلان کے ساتھ اسے پیش کیا تھا کہ یہ بل یونیفارم سول کوڈ کے ملک میں نفاذ کی سمت ایک قدم ہوگا۔ یہ وہ حالات تھے جب ملت کے علماء، قائدین اور تنظیموں نے مسلمانانِ ہند کو بڑے تسلی بخش طریقے سے باور کرایا تھا کہ قانونِ شریعت پر شب خون مارنے کی تیاریاں ہورہی ہیں، چنانچہ اس سازش کو پوری قوت کے ساتھ کچل دینا چاہیے۔ یہ ایک تاریخی لمحہ تھا۔ تحریکِ خلافت کے بعد تاریخ ہند میں گویا یہ پہلا موقع تھا جب مسلمانانِ ہند کے مختلف طبقات بلا لحاظِ مسلک و مکتبِ فکر، شریعتِ اسلامی کے بچے کچے مسلم پرسنل لا کی حفاظت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہوگئے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی، امیر شریعت، بہار و اڑیسہ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم، دیوبند کی ایماء پر اس کا پہلا اجلاس دیوبند میں بلایا گیا تھا۔ اسی نشست میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ممبئی میں تمام طبقات کا نمائندہ کنونشن طلب کیا جائے۔ چنانچہ 27 اور 28/ دسمبر 1972ء کو یہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اپنی نوعیت کا یہ پہلا اجلاس تھا، جس کے ذریعہ مسلمانانِ ہند نے اپنے قانونِ شرعی کی حفاظت کا ایک اجتماعی اور مستحکم حلف لیا تھا اور اسی اجلاس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے فیصلے کا بالاتفاق اعلان کیا گیا تھا۔ اس فیصلے کے مطابق اورینٹل پیالس، حیدرآباد میں 7/اپریل 1973ء کو باقاعدہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی تھی اور اس کا ایک دستور منظور کیا گیا تھا۔ اس طرح مذکورہ دونوں بزرگ (اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ کو علی الترتیب صدر اور جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بنگلور (1975ء)، رانچی (1977ء)، پونے (1978ء)، حیدرآباد (1981ء)، چنئی (1983ء)، کلکتہ (1985ء)، ممبئی (1986ء)، کانپور (1988ء)، دہلی (1991ء)، جے پور (1993ء)، احمد آباد (1995ء)، ممبئی (1991ء)، لکھنو (2000ء)، بنگلور (2000ء)، حیدرآباد (2002ء)، مونگیر (2003ء) اور بنگلور (2005ء) میں اجلاس منعقد ہوئے اور اب یہ حج ہاؤس چنئی میں 10، 11، 12 جنوری، 2007ء کو منعقد ہونے والا انیسواں اجلاس ہے جو ابھی چار دن قبل اختتام پذیر ہوا ہے۔ جس میں ہونے والے مباحث اور فیصلوں کی تفصیلات اخبارات میں

آ چکی ہیں۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو دوبارہ تین سال کی میعاد کے لیے صدر منتخب کیا گیا ہے اور اس کے ممبران کی تعداد 201 سے بڑھا کر 250 کر دی گئی ہے تاکہ تمام ریاستوں اور تمام مسلکوں اور تمام مسلم طبقات کی نمائندگی ہو سکے۔

اب اصل بات جو دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بورڈ اپنے مقاصد میں کامیابی یا ناکامی کا سفر کس طرح طے کیا ہے اور اب صورتحال کیا ہے۔ اپنے مقاصد میں جیسے ''شریعت اپلکیشن ایکٹ آف انڈیا'' یا مسلم پرسنل کی حفاظت اور اس کے نفاذ کو یقینی بنانا، ملک میں جاری ہونے والے یا ہو چکے ایسے عائلی قوانین جن سے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا احتمال ہو یا ملک کے مختلف کورٹوں میں قوانین کی خلاف شریعت راست یا بلا واسطہ تعبیر اور فیصلوں پر نہ صرف نظر رکھنا بلکہ ان کے اثرات سے مسلمانوں کو مستثناء رکھنے کی سعی کرنا، مسلم عوام کو اس سلسلے میں باشعور بنانا تاکہ وہ اس کی حفاظت اور اسے اپنی زندگیوں میں جاری وساری رکھنے کی کوشش کرے، اور اس مقصد کے لیے ضروری لٹریچر کی اشاعت، ایسی کمیٹیوں کی تشکیل جن کے ذمہ یہ کام ہو کہ وہ وقتاً فوقتاً پرسنل لا کی حفاظت کرنے اور بورڈ کے فیصلوں کی ملک گیر سطح پر نفاذ کی جدوجہد کریں، ایسے علماء اور قانون کے ماہرین پر مشتمل مستقل اسٹینڈنگ کمیٹیوں کی تشکیل جن پر یہ ذمہ داری ہو کہ وہ نافذ قوانین، اصول وضوابط، مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے علاوہ نیم حکومتی اداروں کے جاری کردہ سرکولرس، پارلیمنٹ یا اسمبلیوں میں پیش کیے جانے والے قوانین کے مسودوں کا مطالعہ، اس نقطۂ نگاہ سے کہ کہیں کوئی مداخلت کا شائبہ نہ پایا جاتا ہو۔ ظاہر ہے یہ مقاصد اس قدر ہمہ گیر ہیں کہ اس کا فطری نتیجہ یہ سامنے آنے لگا ہے کہ بورڈ کے ذمہ دار فی الواقع سنجیدہ، بردبار اور قائدانہ صفات

یہ صحیح ہے کہ بورڈ متنوع دباؤ کے درمیان اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ عالمگیر سطح پر طاغوت اپنی تیغِ جارحیت کو سان چڑھا کر میدان میں اترا ہے اور مسلمانوں کو بانٹ کر اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسے میں ہندوستانی مسلمانوں کی بے چینی بے معنی نہیں۔

کے حامل نظر آنے لگے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بورڈ متنوع دباؤ کے درمیان اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ عالمگیر سطح پر طاغوت اپنی تیغِ جارحیت کو سان چڑھا کر میدان میں اترا ہے اور مسلمانوں کو بانٹ کر اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسے میں ہندوستانی مسلمانوں کی بے چینی بے معنی نہیں۔ مولانا رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے صدارتی خطبے میں اس کی طرف براہ راست اشارے نہ سہی، اضطراب کی کیفیت ضرور نظر آتی ہے۔ تاہم یہ بات خوش آئند ہے اور خدا نظر بد سے بچائے، کہ بورڈ اپنے ہم سفروں کو ساتھ لے کر چلنے میں بڑی مستعدی دکھائی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس موقع پر ایک اور نقطۂ نظر سے ارباب بورڈ کی خدمت میں کچھ باتیں عرض کی جائیں:

سب جانتے ہیں کہ آزادئ ہند کے ساتھ ملک کو ایک دستور کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تحریری دستور کی تیاری کا کام شروع

ہوا۔ انگریز جب ہندوستان سے چلا گیا تو اپنی جگہ کانگریسی قیادت کو سونپ دی۔ لیکن ملک میں تقریباً تمام چیزوں کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا، سوائے ایک دستور کے، جیسے نظامِ تعلیم، نظامِ عدلیہ، انتظامیہ وغیرہ وغیرہ۔ عجیب بات ہے کہ انگلستان کا کوئی تحریری Written دستور نہیں ہے پھر بھی ہندوستان کا تحریری دستور بنا جو دنیا کا سب سے بڑا دستور کہلایا۔ اسٹیٹ کے رہنما اصولوں کے تحت دفعہ 44 میں یہ بھی درج کیا گیا کہ ریاست State یکساں سول کوڈ کے لیے کوشاں رہے گا۔ اس پر مسلمانوں کی جانب سے بڑا ہنگامہ ہوا تو دستور ساز اسمبلی Constituent Assembly کے ذمہ دار کی جانب سے یہ جواب دیا گیا کہ ترمیم وتنسیخ کا عمل مسلمانوں کی مرضی سے ہی ہوگا۔ اس کے الفاظ تھے: ''حکومت پاگل ہوگی اگر وہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف یہ کام کرے گی''۔ مسلمانوں کا موقف یہ تھا اور ہے کہ اسلامی قانون کا یہ حصہ بھی ''مَنَزَّل مِنَ اللّٰـه'' ہے اور کوئی اس کو بدلنے کا مجاز نہیں۔ حتیٰ کہ رسولِ برحق کو بھی قانونِ الٰہی کو بدلنے کا یہ اختیار نہیں تھا، کجا کہ کوئی اور اس کا مجاز ہو سکے۔ غیر مسلم قانون داں اس بات کو دقیانوسی اور اندھی تقلید سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کی یہ کج فکری ہے کہ کوئی قانون ہمیشہ کے لیے ہو نہیں سکتا۔ شریعت الٰہی کو سمجھنے سے ان کا ذہن عاجز ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اسلامی قانون میں کچھ احکام صراحتاً بیان ہوئے ہیں، کچھ اصول واضح طور پر عطا کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی کچھ حدود بھی متعین کر دیے گئے ہیں۔ جیسے امتدادِ زمانہ اور اختلافِ تمدّن سے پیدا ہونے والے مختلف حالات کے لیے ایک سنہری قاعدہ ہمیشہ کے لیے یہ رکھا گیا ہے کہ: 'اجتہاد' کیا جائے، جس سے قانون کا ارتقاء صحت مند خطوط پر ہو۔ اسلام کی اس غیر معمولی خصوصیت سے غیر مسلم قانون داں بے خبر و ناواقف ہیں۔ اس لیے ان کو مسلمانوں کے اضطراب کا صحیح اندازہ ہو نہیں پاتا۔ اس بے مائیگی اور بے بضاعتی کے باوجود ماڈرن لا کے ماہرین ہر مسئلہ کے حل IPC اور CrPC میں تلاش کرتے ہیں۔ اس کی واضح مثال جسٹس چندر چڈ کا وہ فیصلہ ہے جو انہوں نے شاہ بانو کیس میں دیا تھا جس پر احتجاجات ہوئے اور بہار میں نوجوانوں کی ایک ریلی پر فائرنگ بھی ہوئی اور بالآخر رات دن ایک کر کے آنجہانی راجیو گاندھی کو قانون ہی میں ترمیم کرنی پڑی۔

واضح رہے کہ جمہوری ماحول میں صرف اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ قانون کے ماہرین اور صاحبِ فہم حضرات ہمارے اس موقف کو سمجھ جائیں۔ بلکہ ہمارے موقف کے پیچھے ایک مضبوط رائے عامہ کی ضرورت ہے۔ ایسی رائے عامہ جو باشعور ہو اور وقت کے اقتدار سے اپنی بات منوا سکتی ہو۔ اس معاملہ میں درج ذیل تجاویز اور مشورے غور وخوض کے قابل ہو سکتے ہیں:

> **امتدادِ زمانہ اور اختلافِ تمدّن سے پیدا ہونے والے مختلف حالات کے لیے ایک سنہری قاعدہ ہمیشہ کے لیے یہ رکھا گیا ہے کہ: 'اجتہاد' کیا جائے، جس سے قانون کا ارتقاء صحت مند خطوط پر ہو۔**

1۔ ملک میں جتنے بھی پرسنل لا ہیں، ہمارے پاس ان کا مستند ریکارڈ ہونا چاہیے اور اس کو ہم اس طرح ترتیب دیں کہ تقابلی مطالعہ کے لیے آسانی ہو جائے۔ یہ بات یقینی ہے کہ اس تقابلی مطالعہ کے نتیجہ میں مسلم پرسنل لا

کی معقولیت، فوقیت اور انفرادیت، اظہر من الشمس ہوجائے گی۔ اس رخ کو نمایاں طور پر پیش کیا جائے اور اس سے مسلم و غیر مسلم اچھی طرح واقف ہوجائیں۔

3۔ حضرات علماء باقاعدہ مسلم پرسنل لا کی حمایت میں اگر چہ کہ مستعد و متحرک ہیں، تاہم مندرجہ بالا بیان کردہ باتیں بھی ان کے مطالعہ میں لائی جانی چاہیے، تاکہ وہ Update ہوں اور ایک موثر رول ادا کرسکیں۔

4۔ حضرات علماء علمی و فکری مواد فراہم کریں اور مسلم ایڈوکیٹ حضرات جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر زبان و بیان Approach and Terminology کے مطابق تشہیر و نشرواشاعت کا فریضہ انجام دیں۔

5۔ ملک کے تناظر میں اس کام کے لیے چونکہ انسانی وسائل Human Resources کی ضرورت ہے، چنانچہ اس کی خاطر علماء کی وہ تنظیمیں جن میں ملک گیر سطح پر علماء اپنی گرانقدر ملی و دینی خدمات میں مصروف ہیں، ملک کے دیگر علمائے کرام اور مسلم اڈوکیٹ فورم (کرناٹک کی طرز پر) جیسے اداروں، جن کی خدمات خاص طور پر فسادات کے مواقع پر، محبوس مسلم نوجوانوں کو قانونی سہارا دینے اور ان کی رہائی کے سلسلے میں بڑی موثر ثابت ہوتی رہی ہیں، اور دیگر دلچسپی رکھنے والے ایڈوکیٹس کی خدمات سے ہم فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

امید کی جانی چاہیے کہ پرسنل لا کے چنئی اجلاس کی کامیابیوں کے چرچوں کے درمیان یہ باتیں نہ صرف پڑھی جائیں گی بلکہ انہیں غور و خوص کے قابل سمجھا جائے گا۔

❁ ❁ ❁

عالم اسلام کے نامور علماء و ممتاز محققین کی شخصیت اور خدمات پر مضامین کا ایک حسین گلدستہ

چند نامور علماء

مصنف: مولانا بدرالحسن قاسمی
مرتب: عبدالقادر شمس قاسمی

علم دوست و باذوق حضرات رابطہ کریں:

ناشرین: دعوۃ القرآن ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر ٹرسٹ مقام و پوسٹ ڈوبا ضلع ارریہ (بہار)
جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی، پرتاپ گنج، ضلع سپول (بہار)

امت کے سامنے درپیش مسائل

پیش کردہ: اجلاس مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بمقام دہلی ۲۲/اپریل ۲۰۰۷ء

ایجنڈہ کے امور کے بارے میں نوٹس:

ایجنڈہ۳:

ریاست جموں و کشمیر میں مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلیکیشن ایکٹ کی منظوری کے بعد وہاں سے مجموعہ قوانینِ اسلامی مرتبہ بورڈ اور اس کے انگریزی ترجمے منگوائے جارہے ہیں، یہ مجموعہ قوانین زیادہ تعداد میں نہیں ہے۔ ان شاء اللہ اس کو چھپوا لیا جائے گا۔ اگر اس سلسلہ میں تبدیلی، ترمیم یا اضافے کی کوئی تجویز بورڈ کے علماء ارکان رکھتے ہوں تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کے اگلے ایڈیشن سے پہلے ان پر غور کیا جاسکے۔ اس مجموعہ کے انگریزی ترجمہ کا جہاں تک تعلق ہے جن قانون داں اصحاب نے اس کا مطالعہ کیا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ ناقص ہے، اور مجموعے کی کئی دفعات کا ترجمہ کرنے کی بجائے اس کا خلاصہ انگریزی میں کردیا گیا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس ترجمے پر نظرِ ثانی کروائی جائے اور اس کے بعد ہی اس کو شائع کیا جائے۔

ایجنڈہ۴:

بورڈ کے ارکان کے انتخاب کے تعلق سے تجویز علیٰحدہ پیش ہے۔

ایجنڈہ۶:

چنئی کے اجلاس عمومی میں مدھیہ پردیش سے تعلق رکھنے والے ارکان بورڈ سے کہا گیا تھا کہ حکومت مدھیہ پردیش کے تمام اسکولوں میں سوریہ نمسکار کو لازمی قرار دینے کے حکم کے خلاف ہائیکورٹ میں رجوع ہوں۔ اس سلسلہ میں جناب منیر احمد خان صاحب رکن بورڈ (اندور) نے دلچسپی لی اور سیونی کے مسلم اداروں کی جانب سے رٹ داخل کروائی۔ جبل پور ہائیکورٹ نے ۲۴/جنوری ۲۰۰۷ء کو اس رٹ کو بحث کے لئے قبول کرتے ہوئے یہ حکم جاری کیا کہ طلبہ کو سوریہ نمسکار کے لئے یا پرنام کے لئے مجبور نہ کیا جائے اور کوئی اسکول سوریہ نمسکار کا انکار کرتا ہے تو اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے، ہائیکورٹ نے ریاستی حکومت کو جواب داخل کرنے کے لیے چار ہفتوں کی مہلت دی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس کے بعد کیا ہوا کیونکہ منیر احمد خان صاحب سے کسی ٹیلیفون پر بھی ربط نہیں ہورہا ہے، ان کو ایک مراسلہ بھی تحریر کیا گیا تھا، وہ اس اجلاس میں شرکت کررہے ہیں، موجودہ صورتحال سے وہ اجلاس کو واقف کرائیں گے۔

ایجنڈہ ۷، ۹، ۱۰:

جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ چونکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ایک اہم میٹنگ میں شرکت کررہے ہیں اس لیے انہوں نے اس اجلاس میں شرکت سے معذرت کی ہے، جناب ظفریاب جیلانی صاحب سے یہ گذارش کی گئی تھی کہ وہ ان امور کے تعلق سے رپوٹس روانہ فرمائیں۔

ایجنڈہ۱۱:

دارالقضاء اور فتوؤں کے خلاف وشوالوچن مدن نامی ایڈوکیٹ نے جب رٹ فائل کی تھی اس تعلق سے حکومت ہند اور آل

انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے سپریم کورٹ سے گذارش کی گئی تھی کہ وہ اس سماعت کے لیے قبول نہ کرے۔ مگر ۵/اپریل ۲۰۰۷ء کو سپریم کورٹ نے اس کو سماعت کے لیے قبول کرلیا۔ اب یہ کیس کم سے کم تین سال بعد سماعت کے لیے سپریم کورٹ کی فہرست پر آئے گا۔ اس دوران میں کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جن ریاستی حکومتوں کو رٹ میں فریق بنایا گیا ہے اور جن کی طرف سے ابھی تک جواب داخل نہیں ہوا ہے ان حکومتوں سے حکومتِ ہند کے موقف کی تائید میں جواب داخل کروانے کی کوشش کی جائے۔

ایجنڈہ ۸:

پارلیمنٹ نے وقف کے اُمور پر غور و رپورٹ کے لیے جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی تشکیل دی ہے۔ جسکے صدر نشین جناب ایس ایم لعل جان پاشا صاحب رکن راجیہ سبھا ہیں۔ اس کمیٹی نے وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء میں ترمیمات کے لئے ۲/ مارچ ۲۰۰۷ء کو اشتہار شائع کر کے تجاویز پیش کرنے کے لیے ۳۰/ دن کی مہلت دی تھی۔ یہ اشتہارات ۲/اور ۳/ مارچ کو شمالی ہند کے اخبارات میں شائع ہوئے۔ مارچ کے اواخر میں اس کی اطلاع ملی جس پر جناب لعل جان باشا صاحب سے ربط پیدا کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء میں ترمیمات کی تجاویز پیش کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو مزید وقت دیں۔ اس گفتگو کے بعد ان کو بورڈ کی جانب سے تحریر دی گئی تھی کہ ۳۰/ جون ۲۰۰۷ء تک بورڈ کو مہلت دی جائے۔ قبل ازیں جناب کے۔ رحمٰن خاں صاحب کی صدارت میں جو کمیٹی بنی تھی اس کے سوال نامہ کی روشنی میں بورڈ نے تجاویز پیش کی تھی۔ ان تجاویز کی روشنی میں جناب لعل جان باشا صاحب سے ۱۷/اپریل ۲۰۰۷ء کو حیدر آباد میں گفتگو ہوئی اور ان کا ردِ عمل ہمدردانہ محسوس ہوا۔

ایجنڈہ ۱۲:

شبنم ہاشمی صاحبہ کی داخل کردہ اس رٹ میں بورڈ کو فریق بنائے جانے کی درخواست سپریم کورٹ میں پیش کی گئی تھی۔ جولائی ۲۰۰۷ء میں یہ درخواست فیصلے کے لئے عدالت کے آگے آئے گی۔ اور توقع ہے کہ سپریم کورٹ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو بحث کرنے یا تحریری بحث داخل کرنے کا موقع ضرور دے گا۔ یہ رٹ جس انداز سے مرتب کی گئی ہے اس کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ بورڈ کی طرف سے بہت ہی مدلل جواب داخل کیا جائے یا بحث کی جائے۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر علمائے کرام سے اور سماجی علوم کے ماہرین کی مدد درکار ہے۔ تبنیت کے مسئلہ پر اقوام متحدہ کی قرارداد میں متبادل کے طور پر اسلامی قانون کے نظامِ کفالہ کے حوالہ دیا گیا ہے۔ اس تعلق سے بھی علمائے کرام کی مدد چاہئے کہ وہ بتائیں کہ یہ نظام کیا ہے اور کس حد تک یہ ملک میں رائج تھا یا رائج ہے۔

ایجنڈہ ۱۴:

اس قانون کا جائزہ بورڈ کے لیگل سیل کے اجلاس میں لیا گیا اور اس کی رپورٹ اس اجلاس میں پیش ہوگی۔

ایجنڈہ ۱۵:

یہ ایک حقیقت ہے کہ چند ہائی کورٹس اور اس کے بعد دانیال لطیفی کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے نے قانونِ تحفظ حقوقِ مسلم مطلقہ کے مقصد ہی کو فوت کر دیا ہے اور اس قانون کے غلط تعبیر کر کے عملاً شاہ بانو کیس میں دئے گئے فیصلے کو قانون بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح قانونِ تحفظ حقوقِ مسلم مطلقہ کی تدوین کا جو منشاء قانون ساز یعنی پارلیمنٹ کا تھا اس کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اس کے خلاف عدالتیں فیصلہ دے رہی ہیں۔ اس لیے اجلاسِ

بھوپال میں یہ طے کیا گیا تھا کہ اس تعلق سے ایک جامع اور مبسوط میمورنڈم تیار کیا جائے اور حکومت سے اس قانون کی تدوین کے منشاء کی بحالی کے لیے قدم اٹھانے کا مطالبہ کیا جائے۔ مناسب ہوگا کہ یہ اجلاس اس میمورنڈم کی تیاری کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دے جو پارلیمنٹ کے مانسونی اجلاس تک اس کو تیار کر لے۔

ایجنڈہ ۱۶:

شمیم آراء کیس میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ اگر عورت کی طرف سے نفقہ کی درخواست عدالت میں پیش ہو اور اس کے شوہر کی طرف سے جواب میں یہ عذر پیش کیا جائے کہ اس نے پہلے کسی تاریخ پر عورت کو طلاق دیدی تھی تو طلاق کے اس ادعا کو قبول نہیں کیا جائے گا تا آنکہ وہ یہ ثابت کرے کہ پچھلی کس تاریخ میں اس نے طلاق دی تھی۔ اس سے پہلے طریقہ کار یہ تھا کہ عدالتیں مرد کے جواب کی نقل عورت کو وصول ہونے کی تاریخ سے طلاق کا واقع ہونا تسلیم کرتی تھی۔ مگر شمیم آرا کیس کے فیصلے نے صورتحال کو یکسر بدل دیا کہ اگر جواب میں شوہر طلاق دینے کا ادعا پیش کرے تو اس کو مانا نہیں جائے گا اور یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ حال ہی میں ایک فیصلہ دلشاد بیگم کیس میں ممبئ ہائیکورٹ نے دیا ہے، اخبار کی اطلاعات کے مطابق عدالت نے یہ کہا ہے کہ تحکیم کا مرحلہ طے کیے بغیر اگر طلاق دی جائے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی، یہ فیصلہ جسٹس مارلے پلّے نے دیا ہے ایسا ہی فیصلہ جسٹس مارلے پلّے ۲۰۰۲ میں دے چکے ہیں، جبکہ وہ ہائی کورٹ کے اورنگ آباد بنچ کے سینئر جج تھے۔ اور یہ فیصلہ انہوں نے فُل بنچ کی طرف سے تحریر کیا تھا۔ چونکہ دلشاد بیگم کیس کے فیصلے کی نقل سامنے نہیں ہے اس لیے اورنگ آباد بنچ کے اس فیصلے کے نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ انہیں خطوط پر جسٹس مارلے پلے صاحب نے فیصلہ دیا ہوگا۔ اورنگ آباد بنچ کے دگڑو چھوٹو بنام رحیم بی پٹھان کیس میں ایک بات تو یہ کہی تھی کہ نفقہ کے دعویٰ کے جواب میں اگر پچھلی کسی تاریخ پر طلاق دینے کا عذر شوہر کی طرف سے پیش کیا جائے تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس فیصلے میں سورہ بقرہ، سورہ نساء اور سورہ طلاق کی آیات کا حوالہ دیا گیا۔ نیز آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مرتبہ مجموعہ قوانین اسلامی کا حوالہ بھی ہے۔ علاوہ ازیں طلاق کے موضوع پر ملاّ کی کتاب کی دفعات کا جائزہ لیا گیا اور یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ طلاق واقع ہونے کے لیے قرآنی احکامات کے مطابق تحکیم کے مرحلہ سے گذرنا ضروری ہے اور یہ کہ شقاق کے بغیر طلاق دینے کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور شقاق کے سلسلے میں قرآن نے جو ہدایت دی ہے ان کی تعمیل ضروری ہے۔ شمیم آرا کیس کے فیصلے نے اور ممبئ ہائیکورٹ کے اس فیصلے نے بڑی عجیب صورتحال پیدا کردی ہے کہ شریعت کی رو سے عورت جس کو طلاق دی گئی چاہے تحکیم کا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہو یا نہ ہو وہ بیوی نہیں رہی۔ مگر ان فیصلوں کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور وہ عورت اب بھی بیوی ہے اور کئی کیسس ایسے ہیں جن میں یہ عورتیں جو شرعاً مطلقہ ہیں عدالتوں کے احکامات کے تحت، بحیثیت بیوی، نفقہ حاصل کررہی ہیں، اس صورتحال پر غور کرکے علمائے کرام یہ رہبری فرمائیں کہ شقاق کے تعلق سے قرآن کے احکامات کی پابندی کا طلاق سے کیوں تعلق نہیں ہے اور کیوں طلاق دینے سے پہلے قرآن کے مقرر کیئے ہوئے اس ضابطے کی تکمیل ضروری نہیں ہے تاکہ اس تعلق سے مدلل طریقہ پر شریعت کے موقف کو پیش کیا جاسکے۔ ❁ ❁ ❁

جہد مسلسل کے عظیم داعی

مولانا محمد یوسف انور (سکریٹری امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا)

نام : مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

ولدیت : جناب مولانا محمد ایوب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ پیدائش: 15/اگست 1960

ابتدائی تعلیم:

ناظرہ و دینیات والد مرحوم کے پاس، فارسی و عربی مدرسہ فیض عام رحمانی چین سنگھ پٹی سپول، بہار، ثانویہ جامعہ عربیہ سراج العلوم تلہٹہ بازار سیوان، بہار۔ جامعہ عربیہ نور الاسلام میرٹھ، متوسطات دار العلوم وقف دیوبند۔

فضیلت: جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی) 1988

درس وتدریس:

میرٹھ میں قیام برائے تدریب افتاء 1988 بعدہ جامعہ علوم اسلامیہ 1989 بھوج کچھ گجرات میں تدریس۔

تاسیس جامعہ:

16 شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بمطابق 25 مارچ 1989ء میں ہندو نیپال کی سرحد پر رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ کی عظیم درسگاہ جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ کا قیام۔

ماہنامہ 'معارف قاسم جدید' دہلی:

2000ء میں حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی مؤسس دار العلوم دیوبند کی یاد میں ''معارف قاسم'' نامی ماہنامہ کا اجراء۔

علمی مشاغل:

(۱) مجاہد کی للکار (۲) مقامات مقدسہ (۳) معارف قاسم کا خصوصی شمارہ ''قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نمبر''، معارف قاسم جدید کا ''سیرت النبی نمبر'' اور ''مسلم پرسنل لا نمبر'' (۴) اعجاز قرآنی اور اس کی حقیقت (اردو، انگریزی) (۵) خطبہ حجۃ الوداع (اردو، انگریزی) (۶) زکوٰۃ اور اس اس کا مصرف (اردو، انگریزی) (۷) مجموعہ رسائل (۸) دہشت گردی اور اسلام (زیر طبع) (۹) ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا کردار (زیر طبع)۔

تحریک تحفظ ناموس رسالت:

پچھلے دس سالوں سے شمالی مشرقی بہار میں فتنہ قادیانیت کی جڑ ختم کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد اور ختم نبوت کے موضوع پر متعدد اجلاس کا انعقاد، بیداری مہم وغیرہ خصوصاً گذشتہ تین سال سے جب شریف عالم ڈی ایم نے سپول میں قادیانی بنانے کے لئے کم بیش 25 کروڑ روپے خرچ کیا اس درمیان گھورنا بازار ضلع ارریہ بیر پور بازار ضلع سپول، چھاتا پور بازار سپول، سپول شہر، مہوا گاؤں سپول، کھیرا کسکا پور ضلع ارریہ، سیتا پور کسہر ضلع سپول اور خشکی باغ پورنیہ، بہاری گنج مدھے پورہ

میں قادیانیوں کے خلاف مناظرہ، 10/اپریل کو روزنامہ راشٹریہ سہارا میں شریف عالم قادیانی ڈی ایم کے صد سالہ خلافت جوبلی کا انعقاد کی خبر 27/مئی کو شائع ہونے کے بعد۔ اس کو ناکام کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے عقائد و ایمان کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش حتی کہ ہندی روزنامہ "دینک جاگرن" 23/مئی میں شائع خبر کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی کا پانچواں خلیفۂ مرزا مسرور سپول پہنچا جس کو ہر ممکن جمہوری طریقے اور اجتماعی پروگراموں سے ان کو پروگرام کرنے سے روکدیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں وظیفہ خور لوگوں کو فتنہ قادیانیت کے جال سے نکالنے میں کامیابی ملی۔

پریس کانفرنس:

25/جون کو ارریہ میں مسلمانوں میں فتنہ قادیانیت کے حوالے سے میڈیا کے ذریعہ بیداری لانے کے لئے پریس کانفرنس منعقد کی گئی، جس کی تفصیلات 26/جون روز نامہ راشٹریہ سہارا، ہندوستان ایکسپریس 28/جون وغیرہ کے صفحات پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

علماء کے نام خطوط:

28/جون کو 200 علماء کرام کو خطوط لکھے گئے ان میں تقریباً 25 علماء کرام کی طرف سے خطوط کے جواب ملے اور انہوں نے اس مہم میں شرکت کی۔ ان میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، مسلم پرسنل لا بورڈ، جمعیۃ علماء ہند، جماعت اسلامی، ملی کونسل، مرکزی جمعیۃ علماء ہند، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر اور ملک کی مایہ ناز ہستیاں جن میں سیاسی وسماجی رہنما وقائدین شامل ہیں شریک اجلاس ہوئے۔

پٹنہ کا سفر:

ضلع سپول میں قادیانیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کو ختم کرنے کے لئے حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ و امیر شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ اور حضرت مولانا مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے ملاقات کی پھر کیم جولائی 2008 کو بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار سے رکن پارلیمنٹ جناب علی انور کی قیادت میں جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کا یہ وفد ملا۔ اور تفصیل سے وزیر اعلیٰ کے سامنے شریف عالم قادیانی ڈی ایم کی بابت واقف کرایا۔ انہوں نے 2 ماہ کا وقت لے کر شریف عالم پر کارروائی کی۔ ہوم سکریٹری افضل امان اللہ کو بلا کر قادیانی ڈی ایم کو حاضر جواب کیا۔

ملک کے ارباب اقتدار سے ملاقات اور میمورنڈم:

5 جولائی کو مشیر خاص بھائی احمد پٹیل کی معرفت سونیا گاندھی یو پی اے چیئر پرسن کو میموریںڈم پیش کیا پھر اسی دن سبوت کانت سہائے سے ملاقات کی۔ 8/جولائی 2008 کو وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کو میموریںڈم پیش کیا۔ 6/جولائی 2008 کو پرکاش جیسوال وزیر مملکت برائے داخلہ کو واقف کرایا۔ اس دوران اخبارات میں وہاں کی حالات پر مسلسل

بیانات شائع ہوتے رہے۔دوسری ملاقات نتیش کمار وزیر اعلیٰ بہار سے 21/اگست کو ہوئی،انہوں نے 25/اگست 2008 کو شریف عالم قادیانی ڈی ایم کو ہٹا کر پٹنہ کے شعبۂ حیوانات میں مامور کیا۔

دیو بند کا سفر:

16/رجب ۱۴۲۹ھ بمطابق 15/جولائی 2008 کو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، مہتمم دارالعلوم (وقف) دیو بند، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند اور حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری، نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیو بند سے ملاقات کی اور تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر مولانا شاہ عالم کے مشورہ پر تمام کتابیں خریدی،اور علاقہ میں جامعۃ القاسم کے اساتذہ ومقامی مبلغین پر مشتمل وفد روانہ کیا،تا کہ علاقہ میں قادیانیت کے بڑھتے اثرات پر روک لگائی جائے۔ 24/شوال ۱۴۲۹ھ کو دارالعلوم دیو بند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن کو خط لکھا اور اس میں شعبہ تحفظ ختم نبوت دارالعلوم کی زیر سرپرستی سپول میں اجلاس منعقد کرانے کا مطالبہ کیا۔ مولانا غلام رسول خاموش کارگزار مہتمم دارالعلوم دیو بند نے ۲۶/شوال ۱۴۲۹ھ کو ناظم کل ہند تحفظ ختم نبوت مولانا قاری سید محمد عثمان اور مولانا شاہ عالم کو پروگرام میں شرکت کی اجازت دی۔

سہارنپور کا سفر:

۲۶ شوال ۱۴۲۹ھ کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں حاضری ہوئی جہاں حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ساؤتھ میں منعقدہ تحفظ ختم نبوت کے پروگرام میں شرکت کے لئے سفر پہ تھے۔ حضرت الاستاذ مولانا سید محمد سلمان صاحب مظاہری ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے ملاقات کی اور پوری تفصیل پیش کرنے کے بعد پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ حضرت نے اپنی صحت کی معذوری بتاتے ہوئے شعبہ تحفظ ختم نبوت کے ناظم مولانا مفتی راشد قاسمی کو اجلاس میں شرکت کا حکم صادر کیا۔

لکھنؤ ورائے بریلی کا سفر:

۲۷/اگست ۲۰۰۸ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ حاضر ہو کر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملاقات کی اور بالتفصیل سپول کے حالات سے روشناس کرایا۔ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کو پروگرام میں شرکت درخواست کی حضرت نے اپنی صحت کی معذوری فرمایا لیکن اجلاس کے موقع پر ایک ''پیغام'' اور'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں'' کتاب تحریر فرمائی اور اپنی نمائندگی کے لئے حضرت مولانا محمد خالد غازیپوری استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو نامزد فرمایا۔

تحفظ ختم نبوت کے پروگراموں کا انعقاد:

۱۹/۲۰/۲۱/نومبر ۲۰۰۸ء کو تحفظ ختم نبوت اجلاس منعقد ہوا جس میں کوسی کمشنری پورنیہ کمشنری، ضلع بھاگل پور ومونگیر کے تقریباً 500 علماء کرام نے تربیتی کیمپ میں حصہ لیا اور آخری نشست میں تقریباً 35 تا 40 ہزار فرزندان ناموس رسالت

موجود تھے۔ ۱۵؍ دسمبر ۲۰۰۸ء کو تاتار پور، بھاگل پور میں ایک پروگرام منعقد کیا، ۱۶؍دسمبر کو غازیپور ضلع مونگیر میں بھی پروگرام منعقد کیا یہ وہ علاقہ ہے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا محمود بشیر آتا رہا ہے، یہاں تقریباً 400 گھرانہ قادیانی موجود ہے شریف عالم قادیانی ڈی ایم ضلع سپول اسی علاقہ کا باشندہ ہے جہاں جامعۃ القاسم نے تقریباً پانچ ہزار فرزندان توحید کو جمع کیا اور ایمان و یقین اور ناموس رسالت کی جہت پر تفصیلی پروگرام کا انعقاد کیا۔

۱۷؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو جمالپور اسٹیشن مونگیر اور اکرام نگر محلّہ سبحان، دلاور پور مونگیر کی شاہ جہانی جامع مسجد مونگیر اجلاس کا انعقاد ہوا جہاں تقریباً 25 ہزار لوگ شریک ہوئے۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا محمود بشیر کی سسرال ہے۔ جہاں بہت سارے لوگ پروگرام کے بعد قادیانیت سے تائب ہوئے اور آپس کے تال میل کے رشتہ کو ختم کیا، شادی بیاہ ختم کر دیا۔ ۱۸؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو چوڑھلی کھگڑیا میں پروگرام منعقد ہوا۔ نیز ۱۹/۲۰/۲۱؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو جامعہ انوار محمدیہ مہیش پور سپول میں سہ روزہ تحفظ ختم نبوت تربیتی کیمپ لگایا گیا جس کی آخری نشست میں تقریباً ۳۰ سے ۳۵ ہزار افراد شریک تھے۔ انہی ایام میں معلوم ہوا کہ ۲۶/۲۷؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو قادیان میں ایک صد سالہ پروگرام منعقد کیا جارہا ہے جس میں پانچویں خلیفہ مرزا قادیانی مرزا مسرور شریک ہورہا ہے۔ یہ کالی کٹ کیرالہ آچکا تھا جہاں ایک اسلامک سینٹر کا افتتاح بھی کیا ان ایام میں تحفظ ختم نبوت کے تمام پروگرام کی خبریں، کلکتہ، ممبئی، دہلی، لکھنؤ، پٹنہ، حیدرآباد وغیرہ میں پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا پر آتی رہیں اور قادیانیوں کے کئی دھمکی آمیز فون بھی آتے رہے لیکن اللہ کے فضل سے ان خبروں کی بنیاد پر حکومت ہند نے بہت ہی دانشمندانہ قدم اٹھاتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ مرزا مسرور کو ہندوستان سے باہر کر دیا۔ سپول و اطراف سپول سے تقریباً 2 ہزار لوگوں کو قادیان لے جانے کے لئے ٹرین بک کرا چکے تھے جس میں سے بڑی تعداد۔ **الحمد للّٰہ علی ذالک**۔ قادیانت سے تائب ہوکر اسلام میں داخل ہوئے۔

جامعۃ القاسم کی مطبوعات کی تقسیم:

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں شریک علماء کو سرٹیفیکیٹ کے ساتھ مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند سے قادیانیت پر مطبوعہ کتابیں خرید کر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے انھیں ۸۰۰ روپے کی کتابیں پیش کی، علاوہ ازیں جامعۃ القاسم کی مطبوعات: (۱) اسلام اور قادیانیت عقائد کی روشنی میں (۲) قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہے (۳) مجموعۂ رسائل (۴) قادیانی گروہ زندیقوں کی طرح تحریک ارتداد چلا رہا ہے (۵) قادیانیوں کی چال سے ہوشیار رہیں (۶) قادیانیت انگریزوں کا خود کاشتہ پودا (اردو، ہندی) (۷) عام مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سمجھانے کا طریقہ (ہندی) (۸) ایمان و کفر کی حقیقت (ہندی) (۹) قادیانیت کے متعلق علماء اسلام اور سرکاری عدالتوں کا فیصلہ (۱۰) قادیانی تحریروں کی روشنی میں (۱۱) قادیانیوں کی سیاسی و سماجی پوزیشن (۱۲) دین اسلام سے قادیانیوں کا کوئی تعلق نہیں

(ہندی) اور پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔ تاکہ فتنہ قادیانیت سے اہل علم طبقہ کو اچھی طرح باخبر کرا کر ناخواندہ طبقہ کو گمراہی سے بچایا جا سکے۔

جامعۃ القاسم کی مساعی کا اعتراف:

تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی ہمہ جہت سرگرمیوں کو دیکھ کر قادیانی اپنی بساط سمیٹنے پر مجبور ہوئے اور انہوں نے بجا طور پر اپنے ہفت روزہ اخبار ''بدر'' میں بھی لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں شمارہ نمبر 10 جلد نمبر 58 بتاریخ ۷/ربیع الاول ۱۴۳۰ھ بمطابق ۵/مارچ ۲۰۰۹ء صفحہ 5 پر کالم ''منقولات'' میں سامان عبرت کے عنوان سے یہ اعتراف کیا ہے کہ ''**سپول بہار کے جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے والے مولوی مفتی محفوظ الرحمٰن بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مغربی سپول بہار کے عبرت انگیز مضمون کا ایک حصہ ملاحظ فرمائیں، جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے احمدیت کی شدید مخالفت کی اور ابھی وہ ''قادیانی مشن'' کے خلاف دورہ کر ہی رہے تھے کہ کس طرح سیلاب کے عذاب نے ان کے اوران کے مدرسہ کو جو احمدیت کی مخالفت کا گڑھ تھا تباہ وبرباد کردیا۔ قرآن مجید میں خدا کے مامورین کی مخالفت کرنے والوں پر آنے والے سیلاب کے عذاب کا بھی ذکر موجود ہے وہی عذاب ان مخالفین پر بھی ٹوٹا ہے۔(ادارہ)**''

قابل ذکر ہے کہ شریف عالم قادیانی ڈی ایم جس مضبوطی کے ساتھ اپنا قدم جمائے ہوئے تھا اورانہیں جس درجہ کی حمایت مل رہی تھی وہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے زیر اہتمام ملک کے نامور علماء کرام جن میں دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم (وقف) دیوبند، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے ذمہ داروں کی معاونت اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ کی انتھک کوشش شامل ہیں اور بالخصوص بندہ عاجز کی شبانہ روز جدوجہد سے قادیانیوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ ان تمام خدمات کا سہرا مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے سر جاتا ہے۔ **وذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔**

شمالی بہار میں سیلاب سے جو تباہی وبربادی ہوئی ہے اس کا خاص مرکز ضلع سپول کے ہی دیہی علاقے اور مدھے پورہ، پورنیہ اورارریہ ہیں۔ واضح ہو کہ سیلاب کی قہر سامانی کا شکار جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ راست طور پر ہوا۔ اس علاقہ کی سیکڑوں غریب بستیاں اس طوفانی سیلاب میں بہہ چکی ہیں جس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کوسی ندی کا جو پشتہ ٹوٹا ہے اور جس نے یہ تباہی مچائی ہے وہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سے محض 30 کلومیٹر دوری کے فاصلہ پر ہے، اس پشتہ کے ٹوٹنے سے تقریباً 220 کلومیٹر کا علاقہ اس طرح پانی کی زد میں آیا کہ کچے مکانات بالکل بہہ گئے، یا منہدم ہو گئے، لوگوں کو اتنا وقت نہیں ملا کہ وہ اپنے غلے، جانور وغیرہ نکال کر محفوظ مقام پر رکھ سکیں، اس طوفان بلا خیز میں یا تو لوگوں نے اونچی سڑکوں پر پناہ لی یا پھر پختہ مکانات کی چھتوں پر۔ ارریہ، سپول پرتاپ گنج، نرپت گنج، سہرسہ ، مدھے پورہ، کٹیہار، کھگڑیا کے تقریباً 9000 گاؤں بالکل تباہ

ہو چکے ہیں، یہ اعداد وشمار سرکاری ہیں، حقیقی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے، سرکاری اعداد وشمار اور ذرائع ابلاغ کے مطابق اس سیلاب سے تقریبا 12 اضلاع کے ڈیڑھ کروڑ لوگ متاثر ہوئے جن میں 40 لاکھ لوگ بے گھر ہوئے، انسانی لاشیں بہتی ہوئی دکھائی دیتی رہیں۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی چھتوں پر تقریباً 10 ہزار افراد نے اولاً پناہ لی لیکن جب چاروں طرف سے سیلاب نے گھیر لیا تو انہیں بوٹ اور کشتی سے محفوظ مقامات پر لے جایا گیا۔

جامعۃ القاسم کے احاطہ میں چار فٹ سے زیادہ پانی تھا اور دارالاقامہ کے ساتھ جامعہ کی دیگر عمارتوں مثلاً لائبریری میں پانی گھس گیا، چونکہ طلبا کی چھٹی ہو چکی تھی اس لیے جانی اتلاف تو نہیں ہوا البتہ جامعہ کے گودام میں رکھے ہوئے غلوں کو نہیں نکالا جاسکا اور پانی کی وجہ سے سب تباہ و برباد ہو گیا۔ ہزاروں کتابیں پانی میں خراب ہو گئیں۔ صورتحال اس قدر خراب ہو گئی کہ علاقہ خالی ہو گیا، دکانیں بند، شہر تک آنے جانے کے ذرائع نہیں، ان حالات میں جامعہ کے اراکین نے 2 عدد موٹر بوٹ کا نظم کیا جس کا یومیہ کرایہ بھی ادا کرنا پڑا، اس کے علاوہ مصیبت کی اس گھڑی میں جامعہ کی ریلیف ٹیم علاقے میں ہنگامی طور پر پریشان اور بھوکے پیاسے لوگوں کو صرف انسانیت کی بنیاد پر کھانے کے پیکٹ تقسیم کیے۔ چاول، چوڑا، موڑھی، بچوں کے لیے دودھ کے پیکٹ، موم بتی، ماچس اور سیکڑوں پلاسٹک کے ترپال تقسیم کیے گئے۔

سیلاب کی تباہی نے علاقے میں بھکمری کی کیفیت پیدا کر دی تھی لیکن الحمدللہ ہندوستان بھر کی مختلف تنظیموں اور حکومت کی ریلیف وباز آبادکاری نے لوگوں کو بڑا حوصلہ دیا، ایسے وقت کا فائدہ اٹھا کر قادیانیوں نے بہت سے لوگوں کو ریلیف کے نام پر دام فریب میں لانا چاہا جب ہمیں اس کی اطلاع ہوئی تو ہم نے ایک بار پھر اس کی جانب توجہ دی اور گاؤں گاؤں بیداری کا کام کیا اور یہ تربیتی کیمپ بھی اسی سلسلے کی امتیازی کڑی ہے۔

❁ ❁ ❁

آپ کی خدمت ہمارا نصب العین   دیانت وامانت ہمارا شعار

دیا ٹراویلز اینڈ ٹور

حج بیت اللہ، عمرہ وزیارت کے علاوہ لوکل وانٹرنیشنل ہوائی جہاز کے ٹکٹوں اور ریلوے ٹکٹ، بسوں کے ٹکٹ کا رعایتی اور واحد مرکز علما وطلبا کے لیے خصوصی رعایت کا اہم پیکج بھی دستیاب ہے۔ ایک بار خدمت کا موقع دیکر آزمائیں۔

پرویز احمد اعظمی: 368, Ground Floor New Hostel, Matiamahal, Jama Masjid,Delhi-110006

Ph: 55697561,23267442 Fax: 011-23253413, Mob:9811007765-9818095027

وفیات

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ

علامہ اکرام علیؒ

حضرت مولانا اطہرؒ

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ — بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

شہنشاہ زبان و قلم

حضرت مولانا انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ

ولادت ۱۹۲۸ء وفات ۲۶/اپریل ۲۰۰۸ء مطابق ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۹ء

....مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بندہ ساؤتھ افریقہ کے سفر میں تھا کہ مولانا محمد یوسف انور سکریٹری امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا نے مجھے فون پر یہ خبر دی کہ شہنشاہ زبان وقلم اور اس صدی میں علمائے دیوبند کی آبرو سمجھی جانے والی شخصیت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری دنیا فانی سے رخصت ہو گئے۔ یہ خبر پوری دنیا کے لیے اندوہناک ہی نہیں بلکہ کربناک تو تھی ہی لیکن میرے لیے تو یہ ایسا حادثہ تھا جس کی کیفیت کو میں ہی محسوس کر سکتا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب کے انتقال کی خبر سن کر ذہن ودل میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ یقینی طور پر ایک فرد، ایک عالم دین ہی نہیں بلکہ ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا، ایک ایسی ذات سے دنیا محروم ہو گئی جو خود میں انجمن تھی۔ وہ پوری زندگی اپنے زبان وقلم سے ملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے جن کی خوبیوں اور گوناگوں خدمات کا احاطہ کرنا اس بے بساط قلم کی طاقت سے باہر ہے، ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کا غم تاحیات ستاتا رہے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا جو علمی مقام ہے اس پر یہ ناچیز قلم تو نہیں اٹھا سکتا البتہ میری نگاہوں نے دیکھا ہے کہ مسند حدیث پر بیٹھ کر وہ کس طرح علم وتحقیق کی ندیاں بہاتے تھے۔ حدیث، اصول حدیث، فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، فلسفہ اور تاریخ وتصوف کی باریک نکات کو اپنے شاگردوں کے سامنے انڈیل دیتے تھے۔ وہ طلبہ کے سامنے درسیات کی باتیں کرتے اور سیاستدانوں کے سامنے سیاست کی لیکن ہر بات میں علم وحکمت کے لعل وگہر چھلکتے تھے۔ وہ اپنے انداز وذوق کے منفرد شخصیت تھے۔ جب تقریر کرتے تو ایک سماں بندھ جاتا تھا، مجمع میں سناٹا طاری ہو جاتا تھا، کوئی عقل وخرد کی باتوں کو اخذ کرتا تو کوئی ان کے لب ولہجے اور اسٹائل پر متوجہ رہتا اور کوئی موتیوں کی طرح پروئے ہوئے جملوں کی ساخت پر دھیان دیتا، غرض ان کی تقریر ہشت رنگ ہوتی تھی اور ہر ذوق کے لوگوں کو متاثر کرتے تھے۔ اسی طرح جب وہ قلم اٹھاتے تھے تو فصاحت وبلاغت ان کی باندی معلوم پڑتی تھی، عام طور پر علماء کی تحریروں میں عربیت وفارسیت کی ثقالت محسوس ہوتی ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریروں میں چاشنی، روانی، سلاست اور جتنی اثر انگیزی محسوس ہوئی وہ کسی اور صاحب زبان کی تحریروں میں نظر نہیں آئی۔ وہ تقریر بھی اپنے منفرد لب ولہجے میں کیا کرتے تھے اور تحریر بھی ان کی ڈھلی ہوئی ہوتی تھی۔ ان کی زبان نہ اتنی آسان ہوتی کہ عامی معلوم ہو اور نہ اتنی مشکل کہ اسے سمجھنے میں دقت محسوس ہو، چنانچہ علماء کے علاوہ ادیب وشاعر اور قلمکار وصحافی بھی ان کی تحریروں کے عاشق تھے۔

حضرت شاہ صاحب اپنا ایک نظریہ اور موقف رکھتے تھے، جس کا

اظہار وہ حدیث کا درس دیتے وقت بھی کرتے تھے اور دوسرے امور میں بھی، اور اپنے موقف کے لیے وہ مضبوط دلیلیں بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ جب ائمہ احادیث کی رائے کا ذکر کرتے تو اسی کے ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی قائم کرتے، اسی طرح چاہے معاملہ سیاسی امور سے متعلق ہو یا شرعی امور سے متعلق اس میں وہ اپنی بے لاگ رائے دیتے تھے، اسی طرح جب تقسیم دارالعلوم دیوبند کا سانحہ پیش آیا تو اس وقت بھی وہ ان لوگوں میں نہیں رہے جو شورش کو صرف دیکھ رہے تھے اور غیر جانب داری کے خول میں اپنی خودساختہ تقویٰ بگھاڑ رہے تھے بلکہ انہوں نے اول وقت میں ایک موقف اپنایا اور اس پر قائم رہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حق پر ہیں اس لیے ان کے ساتھ وفاداری کا ثبوت پیش کرتے رہے اور صبر و تحمل کا دامن نہیں چھوڑا، پریشانیوں اور بے بسی کے دور میں بھی حضرت شاہ صاحب ثابت قدم رہے، ہر طرح کی پریشانیاں جھیلیں لیکن علم دین اور علم حدیث کی خدمت کو ہی اپنے لیے باعث فخر سمجھا۔ زندگی میں بے پناہ نشیب و فراز آئے لیکن حدیث، طالب حدیث سے اتنی محبت اتنا لگاؤ کے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، کسی چیز کی پرواہ نہیں کی اور اپنے اصول پر زندگی کی آخری سانس تک قائم رہے۔ احقر کا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے گہرا ربط رہا ہے اور سفر و حضر میں رفاقت کا بھی شرف رہا ہے اپنی خوردنوازی میں بے بے مثال تھے اور خوردوں کو آگے بڑھانے اور بننے و پنپنے کے گر سے واقف کراتے تھے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی ترقی میں حضرت شاہ صاحب کے مشورہ کا بڑا دخل ہے، اللہ رب العزت نے انھیں بڑی ذہانت اور اصابت رائے سے نوازا تھا۔

بہر حال حضرت کے سلسلہ میں کیا تحریر کروں یہ تو دل کے جذبات ہیں جو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں سامنے آرہے ہیں۔ حضرت کا اس دار فانی سے رخصت ہو جانا یقیناً ہمارے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب سے میری عقیدت تو اس وقت قائم ہوگئی تھی جب میرے اساتذہ ان کا غائبانہ ذکر کرتے تھے لیکن قریب سے انھیں دیکھنے کا اتفاق اس وقت ہوا جب میں بطور طالب علم دیوبند پہنچا، شوق عقیدت نے بہت جلد ہی ان سے قریب کر دیا، اس قدر قریب کہ تکلفات کی سبھی رکاوٹیں دور ہوگئیں اور یہاں تک کہ کبھی کبھی ہم خودسر ہوجاتے۔ شاہ صاحب اپنے چہیتے شاگردوں میں مجھے شمار کرتے۔ کبھی پذیرائی بھی کرتے تو کبھی دوران درس ہی ڈانٹ ڈپٹ دیتے، فراغت کے بعد بھی جب ان کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تو ان کی نگاہیں ملتفت رہتیں اور میں اپنے آپ میں فخر وانبساط محسوس کرتا۔ اب جی بیٹھا جارہا ہے کہ

اب وہ محبت وشفقت کا پھوارہ ہم پر کون لٹائے گا

کئی دہائیوں تک مختلف اسلامی علوم کا درس دینے والے حضرت شاہ صاحبؒ کے افکار و نظریات پر بحث کی جائے تو یہ ایک طویل موضوع ہوگا کیونکہ وہ کئی امور میں اپنے پیش رووٴں سے اختلاف رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انھیں متعدد بار تنقیدوں کا سامنا کرنا پڑا، وہ علماء کو دنیاوی امور سے باخبر بھی دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے درس وتدریس کے میدان میں بھی علم وخرد کے جواہر لٹائے اور دنیا وسیاست کے بام و در کا جائزہ لیا اور جب جہاں کچھ منفی چیزیں محسوس کرتے تو فوراً اس سے متعلقہ شخص یا پارٹی کو مطلع کرتے اور اس پر تنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ مولانا کی باضابطہ کانگریس پارٹی سے وابستگی تھی لیکن انہوں نے بارہا کانگریس پارٹی سے اختلاف کرتے رہے اور کئی موقع ایسا آیا جب انہوں نے پارٹی کے سربراہان پر تنقید بھی کی۔ بلاشبہ وہ اپنے طرز وانداز کے نرالے آدمی تھے۔

مدارس اور علماء کے سرخیل حضرت شاہ صاحب ایک برس قبل اس وقت اخبارات کی شہ سرخیوں میں آئے جب انہوں نے حکومت کے مجوزہ مرکزی مدرسہ بورڈ کی زبردست حمایت کی

، ہندوستان کے بڑے مدارس کے ذمہ داران اس بورڈ کی مخالفت کررہے تھے ایسے میں حضرت شاہ کا الگ لائن لینا بہت سوں کو گوارانہ ہوااورتنقیدیں شروع کردیں، لیکن جن لوگوں نے نئی دہلی میں منعقد مرکزی مدرسہ بورڈ کے اجلاس میں ان کی تقریر سنی وہ پوری طرح ان کا قائل ہوگیا تھا۔ان کا کہنا تھا کہ حکومت کے مجوزہ مدرسہ بورڈ پر محض شکوک وشبہات کی بنا پر خاک ڈالنا مناسب نہیں کیونکہ اگر علماء نے اس طرح کا رویہ اپنایا تو پھر کوئی بھی حکومت ہماری فلاح وبہبودگی کے لیے سامنے نہیں آئے گی۔ان کا کہنا تھا کہ ہندوستان میں دو محاذ ہے ایک کو ہم سیکولر کہتے ہیں اور دوسرے کو کمیونل، ظاہر ہے کہ ہمیں سیکولر محاذ کی حمایت بھی کرنی ہوگی اور اس سے ہی اپنی دادرسی بھی چاہنی ہوگی، اگر ہم نے کمیونل محاذ سے دشمنی کی اور سیکولر محاذ پر شک وشبہ کرتے رہے تو پھر ہمیں دونوں محاذوں پر خاک ڈالنا چاہیے اور جس دن مسلمانوں نے ایسا کیا تو پھر ہم علیحدگی پسند کہلائیں گے۔انہوں نے کہا تھا کہ حکومت جب کہہ رہی ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ کا انتظام وانصرام علماء کے ہاتھوں میں ہوگا تو ہمیں اندیشہائے دور دراز میں گرفتار ہونے کی بجائے حکومت کو اپنی کارکردگی پیش کرنے کا موقع دینا چاہیے ،انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جس دن حکومت اپنے موقف سے روگردانی کرے گی اور مدارس کے مقاصد پر ضرب پڑے گی اس دن میں پہلا آدمی ہونگا جو اس بورڈ کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے میدان میں آؤں گا۔افسوس کہ ان کے اس موقف کو علماء نہ سمجھ سکے اور نہ اس کی پذیرائی ہوسکی۔

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کے شاگردوں کی تعداد لاکھوں میں ہے جو دنیا کے مختلف خطوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔راقم الحروف بھی ان کے شاگردوں میں سے ایک ہے، وہ احقر کو بے حد عزیز رکھتے جب ملاقات ہوتی تو محبت سے قریب بلاتے ،کھانے کی فرمائش چاہتے اور دوران گفتگو میرا عمامہ اور دراز جبہ ان کی مزاح کا موضوع بھی بنتا لیکن اکثر میں نے دیکھا کہ بے حد محبت سے پیش آتے اور مجھے اس پر فخر ومسرت کا ایک گونہ احساس بھی ہوتا۔حضرت شاہ صاحب جامعۃ القاسم کا حال بھی معلوم کرتے اور بارہا کہتے کہ مجھے اپنے مدرسے میں لے چلو لیکن جب جب میں نے درخواست کی ان کی اپنی مصروفیت حائل ہوگئی۔حضرت شاہ صاحب کے اندر بلا کی ذہانت تھی، وہ دس سال پرانے شاگردوں کے نام بھی جانتے تھے اور کسی نہ کسی خاص ادا کے حوالے سے اس کو پکارتے تھے۔

اب شاہ صاحبؒ اس دنیا میں نہیں رہے لیکن ان کے علمی سرمایے ہی ہم سب کے لیے یادگار ہیں۔ان کی تصنیفات اور ملفوظات ہمارے لیے روشنی ورہنمائی کا کام دیں گے، اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کے مراتب بلند فرمائے اور کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو انہوں نے زندگی کے آخری لمحات تک خدمات انجام دی ہیں وہ ان کے لیے باعث نجات ہوں۔

شیخ الحدیث مولانا انظر شاہ کشمیری اسلاف کی آخری کڑی تھے، برابر مجھ سے محبت سے پیش آتے اور اہم مسائل پر اپنی رائے سے نوازتے ، انہوں نے عرصے دراز تک بخاری شریف کا درس دیا، ایک بے باک خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی کتابوں کے مصنف ومؤلف بھی تھے، ان کے ہزاروں شاگرد ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ یقینی طور پر ہندوستان کی آبرو تھے، اتحاد ویکجہتی کی لئے ہمیشہ کوشاں رہے، ایک بلند پایہ محدث، اور صاحب انشاء پرداز تھے، جب بخاری شریف کا درس دیتے تو ایک ایک نکات پر بالتفصیل بحث کرتے ،شاگرد ومتعلقین سے محبت وشفقت کے ساتھ پیش آتے ،اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور انکے پس ماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے ، دار العلوم دیوبند کو ان کا نعم البدل نصیب فرمائے۔آمین۔

❁ ❁ ❁

فخر المحد ثین حضرت علامہ محمد اکرام علیؒ

پیدائش: ۱۹۳۶ء وفات: ۸؍جنوری ۲۰۰۸ء مطابق ۲۸؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ء

آ ہ! گنجینۂ علوم سپرد خاک ہوا مگر دل ودماغ کے پردہ تک کو متاثر کر گیا۔

جس وقت حضرت علامہ محدث العصر، فرید الدھر، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف فقیہ زمن، امام الفنون حضرت مولانا علامہ محمد اکرام علی تادم آخر شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کے اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت کی خبر ملی تو دل ودماغ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ایسا لگا متاع گرانمایہ کھوگیا، دیکھنے والوں کی نظروں کے مطابق بے خودی، بے صبری اوراضطرار واضطراب چہرہ سے عیاں ہونے لگا، ہوش وخرد نے ساتھ چھوڑ دیئے، ہائے افسوس چمن علم افسردہ ہوگیا، ہائے وہ علم حدیث کا آفتاب عالم جو اپنی تمام تر رعنائیوں، دلکشی وتابانی کے ساتھ چار دہائی تک ضوفشانی کر رہا تھا۔

محقق دوراں، حضرت علامہ، دنیائے علم حدیث کا بے تاج بادشاہ، تحقیق وتدقیق کے میدان کا عظیم ترین شہسوار، عہد حاضر میں میدان فصاحت وبلاغت کا بلا شرکت غیرے قابل فخر سپوت، نازش امت محمدیہ، آبروئے محدثین کے آخری پاسبان وترجمان، علمی دنیا کا درخشندہ، ستارہ درس وتدریس اور ائمہ ومحدثین کے رموز کا عالم بے مثل نہ رہا۔

از ہر ہند دار العلوم دیوبند کے تمام اکابرین کی تمام تر نکتہ سنجیوں کو اپنے دامن علم وفضل میں سمیٹے اپنے علمی وتدریسی سفر کا آغاز کیا۔ جامعہ رحمانی مونگیر بہار کے تدریسی ایام میں حضرت علامہ کے علوم وکمالات کے انکشافات وعلمی جلال وکمال کا ظہور جامعہ رحمانی کی درسگاہوں میں جب شروع ہوا تو ہر چہار جانب اس کی شہرت ہونے لگی، تشنگان علوم سنت پروانہ وار شمع علوم نبوت پر گرنے لگے۔

حضرت علامہ حد درجہ با اخلاق وباکردار، مہذب ومتین، غیرت مند وخوددار تھے، گفتگو کا سلیقہ نہایت شستہ وشگفتہ، انداز تکلم نہایت عالمانہ وفاضلانہ، فصاحت وبلاغت کا اظہار جملوں سے ہی نہیں الفاظ سے بھی ہوتے ایسا لگتا رازی وغزالی، زمانہ وقت کا امام اعظم فقہ وحدیث کا درس درایتی وتحقیقی طور پر دے رہا ہے۔

پھر تحقیقی وتدریسی سفر اپنی تمام تر علمی وتحقیقی تابانیوں کے ساتھ سرزمین یوپی پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ فقاہت جس پہ نازاں، خطابت جس پہ قرباں، کا ورود مسعود سرزمین مفتاح العلوم مئو یوپی میں ہوتا ہے اور مبارک سرزمین مرجع محققین ومحدثین بن جاتی ہے۔ جب فضل وکمال کا شہرہ دور بہت دور تک سنا جانے لگا تو تشنگان علوم وفن کا ہجوم بڑھا اور بڑھتا ہی گیا اور حضرت علامہ سے علمی تحقیقی استفادہ کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہوگیا۔

بات وہاں تک جا پہنچی جہاں علوم کا ایسا چشمہ بہتا ہے جس کی مثال اس عالم میں نہیں ملتی۔ ایشیا کی عظیم ترین دینی تعلیمی

درسگاہ دارالعلوم دیوبند نے اپنے مایۂ ناز سپوت، علامہ زمن، حضرت مولانا محمد اکرام علی کو دارالعلوم تشریف لاکر فیوض علم حدیث عام کرنے کی دعوت دیدی۔

حضرت علامہ نہایت ظریفانہ وبلیغانہ اسلوب وانداز کے ساتھ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جسے چشم عالم نے دیکھا اور رشک کی نظر سے دیکھا۔ علمی غلغلہ وفضل وکمال دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث سے پھوٹ پڑا۔ علامہ کی ذات گرامی اس ہشت پہل ہیرا جیسی تھی جس کا ہر پہلو قابل رشک اور روشن تھا۔ علمی بھرّ امیں مبتلا لوگوں کے ہوش اڑ گئے، علامہ نے قیل وقال کو چھوڑا۔ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ جہاں زمانہ کا حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی کی روح تڑپ رہی تھی، وہ مسند درس جس پر ان بے بدل محدثین نے درس حدیث دیا تھا یعنی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی مبارک درس گاہ پہنچ کر علامہ اکرام علی صاحب نے درس حدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ اس وقت تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا ایوب اعظمی شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین کے فیوض سے طلبہ بہرہ مند ہورہے تھے۔

جامعہ تعلیم الدین قسمت میں یہ نعمت بے بدل تھی چنانچہ علامہ درس حدیث دینے لگے اور اپنے علم وتقویٰ کی روشن کرنیں بکھیر تے ہوئے وہیں کی خاک میں ہمیشہ کیلئے آرام فرما ہوگئے۔ چونکہ حضرت علامہ کی التفات وتوجہات اہل علم وعلماء اور اپنے خوردوں پر بہت زیادہ تھی۔

حضرت علامہ سے کسب فیض کے لئے جب بھی ڈابھیل حاضری ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ علامہ کی ذات گرامی مکمل طور پر ملتفت ہے۔ حد درجہ تعلق ولگاؤ کا اظہار فرماتے، گفت وشنید کا سلسلہ طویل ہوجاتا، چار چار پانچ پانچ گھنٹوں کی نشستیں ہوتیں۔ میں بھی خوب سیراب وفیضیاب لوٹتا۔ حضرت علامہ کو وطن مالوف میں ایک دینی ادارہ بنانے کی فکر دامن گیر تھی اور ہمیشہ اس کی جستجو میں رہتے، چنانچہ سرزمین بھاگلپور بہار کو ایک دارالعلوم چمپانگر کے نام سے ادارہ دیا جو حضرت العلام کی یادگار ہے۔

جامعة القاسم دارالعلوم الاسلامیه مدھوبنی سپول بہار اور **جمعیة الامام قاسم التعلیمیة الخیریة الاسلامیة هند** کے تمام اساتذہ وکارکنان وطلبہ متعلقین وعزیز گرامی قدر حضرت مولانا انعام صاحب کے اس عظیم غم والم میں برابر کے شریک ہیں اور اس عظیم خلاء علمی کا رب کائنات سے نعم البدل عطا فرمانے کی دعا کرتے ہیں۔

جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے رئیس ومہتمم حضرت مولانا احمد حسن بزرگ ومفتی اعظم گجرات حضرت اقدس حضرت مفتی محمد احمد خانپوری صاحب کے ساتھ بھی نہایت دردمندانہ اظہار تعزیت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں کو بھی اپنے عظیم ترین رفیق کی جدائی پر صبر وسکون عطا فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

شیخ الادب مولانا اطہر حسینؒ

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

پیدائش: ۱۳۵۲ھ وفات: ۲۶/ جمادی الاخری ۱۴۲۸ء

موت ایک زندہ حقیقت ہے جسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں لیکن موت اس کی ہے جس کے پیچھے پوری دنیا روئے سیدی و مربی بقیۃ السلف، حجۃ الخلف حضرت مولانا اطہر حسین رحمۃ اللہ کی نابغۂ روزگار شخصیت ایسی ہی تھی۔ 13/ جولائی کو جب اپنے وطن مالوف سے دہلی آرہا تھا تو علی گڑھ ٹونڈلا کے درمیان آل انڈیا دینی مدارس کے صدر مولانا محمد یعقوب بلندشہری سے بغرض مزاج پرسی فون کیا تو انہوں نے ہی یہ جانکاہ خبر سنائی حضرت مولانا کی وفات کی خبر سنتے ہی میں غم سے نڈھال ہوگیا اور تھوڑی دیر کے لئے اپنی زندگی کو مفلوج پایا۔ دہلی پہنچتے ہی جامعہ مظاہر علوم حاضر ہوا۔ اور حضرت کے آستانہ پر حاضر ہوکر فاتحہ پڑھا۔

میری ملاقات حضرت مولانا سے 1983ء میں پہلی بار ہوئی اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور حضرت والا سے روحانی استفادہ کرتا رہا۔ آپ کی پوری زندگی تعلیم وتربیت کے لئے وقف تھی آپ کا سب سے بڑا کارنامہ سہارنپور میں لکڑی کی صنعت سے وابستہ لوگوں کو دین سے جوڑنا ہے، آپ کی وفات کے بعد شہر کے علماء اور دانشوران نے بیک زبان تسلیم کیا کہ سہارنپور نے آج ایک ایسے عالم کو کھودیا ہے جن کی زندگی کا ہر لمحہ امت کی تربیت میں گذرتا تھا۔ جہاں آپ میدان سلوک وتربیت میں عظیم رتبہ کے مالک تھے وہیں آپ نے درس وتدریس میں بھی جو مقبولیت عامہ حاصل کی تھی وہ ہر اہل علم پر عیاں ہے۔ آپ کو اردو وعربی زبان پر یکساں عبور تھا آپ عربی زبان وادب کے ماہر استاذ ہونے کے ساتھ استاذ حدیث بھی تھے۔ آپ کے درس سے طلبہ پوری طرح مطمئن ہوجاتے تھے آپ کا تعلق جس خانوادے سے تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا آپ کے ایک ہاتھ میں سلوک وتربیت کی کنجی تو دوسری طرف حدیث وفقہ میں مہارت! ع

عجب قیامت کا حادثہ ہے اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے افق پہ مہر جبیں نہیں ہے

آپؒ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب قدس سرہ، سابق مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور کے فرزند ارجمند تھے فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ صاحب

مظاہری، سابق ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف سہارنپور کے برادر خورد تھے، اور میرے رفیق درس مولانا محمد سعیدی صاحب ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف سہارنپور کے والد بزرگوار تھے!

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گرہم عمر بھر رویا کئے

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولانا کی وفات سے جوخلاء پیدا ہوگیا ہے اس کی بھرپائی ممکن نہیں، لیکن حضرت مولانا نے جومشن اورنقوش چھوڑے ہیں ان کوزندہ رکھنا ہی ہم لوگوں کا عظیم سرمایہ ہے۔ اورمولانا کے لئے صدقۂ جاریہ ہے، حضرت مولانا آج ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کا مشن اوران کے اہداف اور تربیتی نقوش ہمارے سامنے ہیں جنہیں پورا کرکے حضرت کی روح کوتسکین پہنچاسکتے ہیں اور یہی ہماری طرف سے حضرت کے لئے سب سے بڑا اخراج عقیدت ہے!

اخیر میں ہم آپ سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اور مولانا کی وفات کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ جملہ پسماندگان کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ اور حضرت مولانا عبداللطیفؒ صاحب سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا اسعداللہ صاحب سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ سابق ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف سہارنپور کے جوار عافیت میں آسودۂ خواب حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ استاذ حدیث وادب جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے لئے مغفرت اور جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام کی دعامانگتے ہیں۔

یـأ یتهـا النفس المطمئنه إرجعی إلیٰ ربك راضيةً مرضية

غنچۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول (بہار) میں تعزیتی اجلاس اور ایصال ثواب کے مجلس کا انعقاد کرایا گیا، اور جمعیۃ الامام قاسم التعلیمیہ الخیریہ الاسلامیہ دہلی میں بھی ایصال ثواب نیز ایک تعزیتی میٹنگ کا بھی اہتمام کیا گیا۔

اب مزید ہم اللہ عزوجل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں جن کا تعلق نہ صرف ہم سے اور آپ سے بلکہ پوری امت سے تھا اپنی وسیع رحمت سے ڈھانپ لے، انہیں اصحاب جنت میں سے بنادے اور انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ اٹھائے اللہ ان کو اجر عظیم سے نوازے آمین ثم آمین۔

❁❁❁

میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

والدہ صاحبہ مرحومہ

ازقلم: مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری (امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

''جو آیا ہے وہ جانے ہی کے لئے آیا ہے'' یہ وہ حقیقت ودانائی سے بھرپور الفاظ ہیں جو مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کسی کی بھی وفات پر اپنی جانب سے بطور تعزیت لکھے جانے والے مکتوب میں تحریر فرماتے تھے۔

اسی اصول وضابطہ بلکہ قانون الہیہ کے مطابق میری والدہ مرحومہ بھی اٹھہتر (۷۸) سال اس دنیائے فانیہ میں رہ کر اور یہاں کے رنج وغم اور خوشی ومسرت کی ملی جلی اٹھہتر بہاریں دیکھ کر بستی حضرت نظام الدین میں واقع قبرستان پنج پیراں میں آسودۂ خاک ہوگئیں۔ والدہ مرحومہ حضرت شیخؒ کی زوجۂ اولی سے پانچویں اور آخری صاحبزادی تھیں۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے حالات زندگی سے واقف حضرات کو یہ معلوم ہے کہ آپ نے یکے بعد دیگرے دو نکاح فرمائے تھے پہلا نکاح ۲۹/صفر ۱۳۳۵ھ/ ۲۵/دسمبر ۱۹۱۶ء میں مولانا رؤف الحسن صاحب کاندھلوی کی صاحبزادی سیدہ امۃ المتین صاحبہ سے ہوا تھا۔اس نکاح سے اللہ تعالی نے آپ کو اولاد ذکور واناث تو بہت سی عطا فرمائیں لیکن ان میں زیادہ تر زندگی کی چند ہی بہاریں دیکھ کر اپنے والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بن گئیں، تاہم جو صاحبزادیاں حیات رہ کر حضرتؒ کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنیں وہ بعد میں والدہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی، والدہ مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی اور والدہ محمد شاہد سہارنپوری سے مشہور ومعروف ہوئیں، ان تین صاحبزادیوں کے علاوہ دو صاحبزادیاں اور بھی تھیں لیکن ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

زوجۂ اولی کی وفات کے بعد حضرتؒ کا دوسرا نکاح مسنونہ ۱۸/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ/ ۱۸/جون ۱۹۳۷ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کی صاحبزادی سیدہ عطیہ صاحبہ سے ہوا، جن سے ایک فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی اور دو صاحبزادیاں الحمدللہ حیات ہیں، اور صاحب اولاد ہیں۔

ولادت وتعلیم وتربیت: راقم سطور کی والدہ محترمہ سیدہ شاہدہ کی ولادت ۹/ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹/مارچ ۱۹۳۴ء کو سہارنپور میں ہوئی، خاندانی دستور وروایات کے مطابق تمام تر دینی ومذہبی تعلیم گھر کی چہار دیواری میں رہ کر حاصل کی، چنانچہ قرآن پاک اور ترجمہ قرآن پاک مکمل مسائل دینیہ کی کتابوں میں بہشتی زیور، تعلیم الاسلام، تبلیغی نصاب (فضائل اعمال) اور دیگر متفرق کتابوں میں اسلامی تواریخ پر فتوح الاسلام، فتوح الشام، حکایات صحابہ وغیرہ وغیرہ اور لکھنے پڑھنے کے لحاظ سے اردو نویسی ضروری حد تک تختی اور حساب کتاب وغیرہ وغیرہ سب گھر میں رہ کر گھر کی بڑی بوڑھی مستورات سے حاصل کیں۔

ترجمۂ قرآن پاک پڑھنے کے لئے حضرتؒ کے یہاں ہمیشہ گھر کی سب سے بڑی اور معمر خاتون متعین رہتی تھی اور ایک طرح

سے گویا ان کی حیثیت تمام گھرانے کے لئے استاذ تفسیر کی ہوتی تھی، چنانچہ طویل عرصے تک مولانا محمد صاحب کاندھلوی زادمجدہ کی والدہ محترمہ مرحومہ اس تفسیری خدمت پر مامورر ہیں، اللہ تعالی نے ان کو ترجمہ قرآن پاک پڑھانے کے معاملہ میں بڑا احسن شعور اور سلیقہ عطا فرمایا تھا۔ وہ اگر چہ حافظ نہیں تھیں لیکن اپنی مسند پر بیٹھے بیٹھے دور ہی سے غلط پڑھنے والی کو ٹوک دیا کرتی تھیں، ان کی وفات کے بعد خدمت قرآن پاک کی یہ سعادت والدہ مولانا محمد سلمان صاحب (ناظم اعلی جامعہ مظاہر علوم) کی طرف منتقل ہوگئی تھی، اپنی صحت کے زمانہ میں خاندان اور محلّہ کی کتنی بچیوں کو انہوں نے کلام اللہ شریف پڑھایا، اور ان کے سینوں میں یہ دولت منتقل کی اس کی صحیح تعداد خدائے پاک ہی کو معلوم ہے۔

برسبیل تذکرہ یہاں یہ بھی وضاحت کردوں کہ مخدومنا حضرت شیخ نے اپنی تمام صاحبزادیوں اوران سے وجود میں آنے والے نسبی سلسلہ کی کبھی بھی مکان اور مدرسہ سے باہر تعلیم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی، چنانچہ حق تعالی شانہ کے فضل وکرم سے ہمیشہ لڑکیوں کی تعلیم گھر کی چہار دیواری میں اورلڑکوں کی تعلیم مدرسہ تک محدود ومنحصر رہی، گویا دوسرے الفاظ میں حضرتؒ نے ہمیشہ چادراور چہار دیواری کا تحفظ کیا اور کرایا، اور پھر یہ اللہ جل شانہ کا فضل وکرم اور ایک مردمؤمن دین کے مخلص خادم داعی اور پوری ملت وامت کے شیخ الحدیث کی دعاؤں توجہات اور نیک نیتی کا ہی اثر وثمرہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر دل ودماغ میں حصول تعلیم کے معاملہ میں کسی احساس کمتری کا شائبہ اور خیال بھی پیدانہیں ہوا، اور ہمیشہ ع

من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآں در بغل

زندگی کا مطمح نظر اور مقصود نظر رہا۔ اللہ جل شانہ مستقبل میں بھی یہ خیر وبرکت ہم سب کے شامل حال رکھے۔ (آمین)

راقم سطور اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ والدہ مرحومہ کو اللہ تعالی نے بچپن ہی سے سوجھ بوجھ اور ذہانت وفراست سے بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، چنانچہ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ سب سے چھوٹی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ ہمیشہ حضرت شیخ کی لاڈلی اور منظور نظر بن کر رہیں۔

حضرتؒ نے اپنی بعض تالیفات میں کہیں کہیں ان کی سوجھ بوجھ اور بے تکلفانہ احساسات وخیالات کے دلچسپ واقعات بھی تحریر فرما رکھے ہیں، مثلاً حضرتؒ درس بخاری شریف میں حدیث مثل صلصلة الجرس کی تشریح وتوضیح میں آسمانی بجلی کی کڑک کا حوالہ دے کر جو قصہ سنایا کرتے تھے وہ آپ کی مطبوعہ تقریر بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

''میری بچی جو اس وقت صاحب زوج ہوچکی ہے جب وہ تین سال کی تھی تو دروازہ پر کھڑی تھی کہ ایک دم بجلی کڑکی مولوی نصیرالدین دروازہ پر تھے اس نے پوچھا کہ مولوی صاحب اس وقت کون سی دعا پڑھتے ہیں؟ وہ منہ دیکھنے لگے۔ اس نے کہا کہ میں نے تو اس لئے پوچھا کہ تم جلدی سے بتلا دوگے اچھا اب میں تم کو بتلاؤں وہ دعا یہ ہے، **ویسبح الرعد بحمده والملائكة من خيفته.**''

دوسرا واقعہ آپ بیتی میں حضرتؒ نے ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرما رکھا ہے:

''میری ایک چھوٹی بچی تھی جب اس نے قاعدہ بغدادی شروع کیا اور، آنَ، بَانَ کی تختی شروع کی تو اپنی والدہ مرحومہ کے سر ہوگئی، چار پانچ سال کی عمر تھی چھوٹی سی بچی اس کا مناظرہ اور ضد، مجھے بھی بڑا ہی اچھا لگا اس نے کہا کہ الف زبر آ، نون زبرنَ،

آ نَ/ ب الف زبر بَا، نون زبر نَ، بانَ/ تان/ ثان، اخیر تختی تک پڑھ کر جب اس کا نمبر آیا کہ ہمزہ الف زبر آ، نون زبر نَ، آ نَ تو اپنی والدہ مرحومہ سے الجھ پڑی اور بھولی بھالی زبان (جو مجھے)اب تک یاد ہے وہ بار بار الف، با کی تختی شروع سے پڑھتی اور حجت قائم کرتی، اوراخیر میں ہمزہ پرآ کر پھر جرح شروع کرتی کہ یہ آ نَ کیوں ہے؟ ہمزانَ ہونا چاہئے بہت ہی صبح سے دو پہر تک اپنی ماں سے لڑتی رہی کہ یہ ہمزانَ کیوں نہیں بنتا، ماں کے پاس تو کوئی جواب نہیں تھا اس نے تو یہ کہہ کر اپنی جان بچالی کہ جب تیرے ابا آئیں گے ان سے پوچھئے، کہنے لگی کہ میں تو ہمزان ہی یاد کروں گی، دو پہر کو مقدمہ پیش ہوا، جواب میرے پاس بھی بجز اس کے کیا تھا کہ ابھی تُو بچی ہے جب بڑی ہوگی تب پوچھنا''

بچپن کا ماحول: والدہ مرحومہ اوران کی تمام بہنوں اور سب سے بڑھ کر خود مخدومنا حضرت شیخ کا یہ دور عسرت وتنگی کا تھا، اگر چہ حضرتؒ کی سیدھی سادھی اور سادگی سے بھرپور حیات اور طرز حیات نے اس پر پردہ ڈال رکھا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ گاہ بگاہ اس فقیر آمیز شاہی کے کچھ ایسے روشن نمونے سامنے آجاتے تھے جن سے حضرتؒ کی شان اصلاح وتربیت آشکارا ہوجایا کرتی تھی، چنانچہ میری والدہ مرحومہ کا یہ واقعہ اس کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے، کہ بہت چھوٹی سی عمر میں ایک مرتبہ عید کے موقعہ پر ان کے پاس اپنے استعمال کے لئے نیا جوتا نہیں تھا انہوں نے اپنے قابل احترام والد سے نئے جوتے کی فرمائش کرڈالی یہ سن کر والد ماجد مرحوم نے ان کا پرانا جوتا لے کر اس پر اپنے ہاتھ سے سرسوں کا تیل لگا دیا جس سے اس پر وقتی طور سے کچھ چمک آگئی، اور پھر یہ فرما کر کہ ''لواب پہن لو یہ نئے بن گئے ہیں'' والدہ کو دے دیئے اور انہوں نے اس کو خوشی خوشی اپنے پاؤں میں ڈال لئے۔

حضرتؒ کی یہ تمام تنگی وعسرت اتباع سنت کے احترام میں اختیاری تھی، اضطراری نہیں تھی، اور محبت نبوی کی بنیاد پر اس میں آپ کے قصد وارادہ کو دخل تھا، جبر اور مجبوری نہیں تھی، اور پھر آپ نے اس میں اپنے اہل خانہ اور کم سن صاحبزادیوں کو بھی شامل فرما رکھا تھا، اس لئے کچھ ہی عرصہ بعد اللہ جل شانہ نے قبولیت اور مقبولیت سے ایسی سرفرازی عطا فرمائی کہ وہ عسرت وتنگی، فرحت وشادمانی سے مبدل ہوگئی، اور پھر پرانے جوتے کو سرسوں کے تیل سے نیا بنا کر پہننے والی پر حق تعالی شانہ کی طرف سے کشائش وکشادگی کی ایسی راہیں کھولی گئیں کہ چھ مرتبہ ان کو حرمین شریفین کی حاضری کی عزت سے نوازا گیا اور سخاوت وعنایت کا یہ حال تھا کہ (اپنے پہلے سفر حج کو چھوڑ کر) ان کے جتنے بھی حج ہوئے اس میں بڑے اہتمام اور ذوق وشوق کے ساتھ وہ نئے کپڑوں کے پچاس ساٹھ جوڑے بنا کر لے جاتیں اور ساکنان حرمین شریفین میں تقسیم کردیا کرتی تھیں۔

نکاح: حضرت شیخ بچیوں کے نکاح وشادی کے معاملہ میں بہت زیادہ حساس رہ کر ہمیشہ تعجیل کو پسند فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اپنی صاحبزادیوں کے نکاح میں بھی آپ نے اس کا لحاظ فرماتے ہوئے ہمیشہ عجلت فرمائی، چنانچہ والدہ مرحومہ کو بھی جب کہ ان کی عمر سترہ سال تھی، مؤرخہ ۲۰ / ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ / ۸ / فروری ۱۹۵۰ء چہار شنبہ میں حضرت مولانا حکیم سید محمد ایوب صاحب سہارنپوری کے فرزند مولانا سید محمد الیاس صاحب مظاہری سہارنپوری سے منسوب کر کے رشتۂ ازدواج میں منسلک فرمادیا تھا، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شدت بخار کے باوجود صرف نکاح پڑھانے کے لئے دیوبند سے تشریف لائے

اور مہر فاطمی پر یہ نکاح پڑھایا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مع دیگر حضرات مجلس نکاح میں تشریف فرما تھے۔

والدہ مرحومہ کے اس رشتۂ نکاح کی وضاحت میں حضرت شیخ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں:

''حکیم الیاس کے متعلق حکیم ایوب صاحب مجھ سے کئی دفعہ کہہ چکے تھے میں ہر دفعہ یہ کہتا تھا کہ تمہارے سب بچوں میں حکیم الیاس سے مجھے جتنی محبت ہے اتنی کسی سے نہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حکیم الیاس کو اللہ تعالی بہت ہی جزائے خیر دے ان کو بچپن سے مجھ سے بہت محبت تھی جب شادی کا ذکر تذکرہ بھی نہیں تھا اور میری دہلی کی آمد و رفت بہت کثرت سے تھی تو حکیم الیاس اللہ ان کو بہت جزائے خیر عطا فرمائے دن اور رات میں محض اطلاع پر اسٹیشن جاتا تھا، میں نے کئی دفعہ منع بھی کیا کہ محض اطلاع پر نہ آیا کرے۔'' (آپ بیتی جلد اول ص ۳۱۸)

انعقاد نکاح سے ایک ماہ بعد والدہ مرحومہ کی رخصتی عمل میں آئی، حضرتؒ نے اس کی تفصیل بھی آپ بیتی میں ان الفاظ کے ساتھ سپرد قلم فرما رکھی ہے:

''۸؍ جمادی الاولی ۱۳۶۹ھ ۲۶؍ فروری ۱۹۵۰ء یکشنبہ کو میں نے عشاء کے بعد جب سب سونے کے واسطے لیٹ گئے اپنی بچیوں سے کہا کہ الیاس کی گھر والی کو چائے پلا دیجیو، میرا خیال یہ ہے کہ اذان (فجر) پر میں خود پہنچا دوں گا اور حکیم ایوب صاحب کے پاس آدمی بھیجا وہ بھی سونے کو لیٹ گئے تھے اس لئے کہ سردی کا زمانہ تھا، گیارہ بج چکے تھے میں نے مولوی عبدالمجید مرحوم کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ اذان کے وقت میں مولوی الیاس کی گھر والی کو لے کر آؤں گا، گھر والوں سے کہہ دو کہ اذان کے وقت کوئی زنجیر کھٹکھٹاوے تو نام پوچھ کر دروازہ کھول دیں، کبھی مجھے دق (پریشان) ہونا پڑے، حکیم ایوب صاحب کا جواب آیا کہ مجھے تو انکار نہیں مگر تجھے اس وقت دقت ہوگی، اگر اجازت دے تو میں اور الیاس ایک رکشہ لے کر اس کو لے آویں اور کسی کو خبر نہ ہوگی، چنانچہ دوشنبہ کی صبح کو اذان کے بعد حکیم جی اور حکیم الیاس ایک رکشہ لے کر آ گئے اور عزیزہ کو مع ایک دو عزیزوں کے جو یہاں موجود تھے لے کر چلے گئے، خود ان کے گھر والوں کو بھی صبح کی نماز کے بعد پتہ چلا کہ بیگم گھر میں آ گئی۔'' (آپ بیتی جلد اول ص ۳۱۹)

اولاد: اس نکاح مسنونہ سے وجود میں آنے والے چار لڑکے اور لڑکیاں تو بالکل کم عمری میں ہی ذخیرۂ آخرت بن گئے تھے، بفضلہٖ تعالی اب جو حیات ہیں وہ یہ ہیں۔

راقم سطور (سید محمد شاہد) مولوی حافظ سید محمد راشد، مولوی حافظ سید محمد سہیل، مولوی حافظ سید محمد ساجد، نیز تین بیٹیاں، ہمشیرہ طاہرہ خاتون، (اہلیہ مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی نظام الدین دہلی) ہمشیرہ ساجدہ خاتون، (اہلیہ مولانا مفتی محمد خالد صاحب سہارنپوری) ہمشیرہ زاہدہ خاتون، (اہلیہ مولانا قاری محمد عمار صاحب سہارنپوری)

اسفار حج: حضرتؒ کی جملہ صاحبزادیوں نے حج فرض کی ادائیگی اپنے والد مخدوم کی حیات میں کر لی تھی، چنانچہ والدہ مرحومہ بھی ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں اس فریضہ سے سبکدوش ہوگئی تھیں، خاندان کی دیگر مستورات اور صاحبزادیوں کے ساتھ پورے قافلہ کا یہ سفر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب، حضرت مولانا محمد افتخار الحسن صاحب زاد مجدہ کی معیت میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید

حسین احمد مدنی کی زیر قیادت وزیر سیادت ہوا تھا، ۴؍شوال ۱۳۷۴ھ/ ۶؍جون ۱۹۵۵ء میں دہلی سے روانہ ہوکر براہ بمبئی جدّہ ہوتے ہوئے مکہ معظمہ اور پھر ادائیگی حج کے بعد مدینہ منورہ میں چالیس یوم قیام کے بعد ۱۸؍صفر ۵؍اکتوبر میں دہلی واپسی ہوئی، حضرت شیخ اس قافلے کے استقبال کے لئے ایک دن قبل مرکز نظام الدین دہلی پہنچ گئے تھے، اس حج فرض کے بعد والدہ صاحبہ مرحومہ نے ایک عمرہ اور چار حج کئے اور ان تمام سفروں میں بڑے ذوق وشوق وحلاوت کے ساتھ حرمین شریفین میں اپنا وقت گزارا۔

اس ایک عمرہ اور جملہ حجوں میں مولانا حکیم سید محمد الیاس صاحب آپ کے ساتھ رہے۔

تین خط: اپنے عام معمول کے مطابق اپنی دیگر بہنوں اور خاندانی مستورات کی طرح والدہ مرحومہ بھی حضرت شیخ سے بوقت ضرورت خط وکتابت کرتی رہتی تھیں، اس زمانہ میں خاندانی مستوارت کے اسفار دہلی، کاندھلہ میں مقیم اعزہ تک ہی محدود رہتے تھے، راقم سطور کی معلومات کے مطابق حضرتؒ کی سب سے زیادہ خط وکتابت محترمہ خالہ ذاکرہ صاحب (یعنی والدہ مولانا محمد زبیر الحسن صاحب کاندھلوی) سے ہوئی ہے کہ وہ ایک طویل عرصے تک اپنے شوہر نامدار حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ کی علالت کی وجہ سے ۱۹۴۷ء کے فسادات اور خطرات سے بھرپور زمانہ میں کاندھلہ میں مقیم تھیں۔

پیش نگاہ مضمون میں والدہ مرحومہ کے حضرتؒ کے نام لکھئے گئے تین خط پیش کئے جاتے ہیں، ان میں پہلے دو خط جو ابتدائی دور کے ہیں کاندھلہ سے سہارنپور لکھے گئے تھے، جب کہ تیسرا مکتوب جو آخری دور کا ہے، سہارنپور سے مدینہ منورہ بھیجا گیا تھا۔

اس آخری مکتوب میں اپنے مشفق ومکرم والد محترم کی ماہ رمضان المبارک میں ہندوستان عدم آمد پر جس انداز سے اپنے خیالات وجذبات اور اپنی بیکسی وبےبسی کا اظہار ہے اور نیز تینوں خطوں میں بھاری بھرکم القاب وآداب کے بجائے جس طرح کے ہلکے پھلکے اور سیدھے سادے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بطور خاص مطالعہ کے لائق ہیں۔

(۱) مکرم ومحترم بھائی جی صاحب السلام علیکم

گذارش یہ ہے کہ ہم سب آپ کی دعا سے بخیر ہیں امید ہے کہ آنجناب کے مزاج مبارک بھی بخیر ہوں گے، آپ کا گرامی نامہ صادر ہوا تھا، جواب میں تاخیر ہوئی معافی چاہتی ہوں، مولانا مدنی/حضرت رائے پوری سے اگر ملاقات ہوتو سلام کے بعد دعا کی استدعا کردیجئے! میرے لئے دعا آپ بھی کیجئے۔

معاذ، طلحہ بخیر ہیں سلام کہتے ہیں۔ والسلام۔ شاہدہ

(۲) مکرم ومحترم جناب والد صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے خدا سے کہ آپ خیریت سے ہوں گے یہاں اللہ کے فضل سے خیریت ہے، کئی روز ہوئے آپ کا گرامی نامہ ملا تھا، جب سے برابر خط لکھنے کا ارادہ کررہی تھی، مگر افسوس کہ پورا نہیں ہوسکا، کل بھائی یوسف بھائی انعام صاحب بھی تشریف لائے کل کو یا پرسوں کو بھوپال جائیں گے، آپا راشدہ بھی اللہ کے فضل سے خیریت سے ہیں، ان کے انجکشن لگ رہے ہیں، دعا کے واسطے کہتی ہیں، شاہد کا بھی دل اللہ کا شکر ہے لگ رہا ہے، بھائی یوسف صاحب فرمارہے ہیں کہ شوال میں تمہیں لے کر حج کو جائیں گے، اللہ کرے ان کی زبان کا کہنا پورا ہوجائے، امید ہے کہ گھر میں

سب خیریت ہوگی۔ یہاں دو دن سے خاصی گرمی ہورہی تھی مگر رات سے ہوا چل رہی ہے۔ فقط والسلام شاہدہ

(۳) مکرم ومحترم مخدوم ومعظم جناب والدصاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں، بندی اللہ کا شکر ہے بخیر ہے۔

میں نے آٹھ ماہ اس انتظار میں گذار دیئے کہ آپ رمضان میں تشریف لے آئیں گے، اب رمضان قریب آیا تو نہ آنے کی اطلاعات آرہی ہیں، جس نے اتنا طویل انتظار کیا ہو اب اس کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی، زاہدہ کی رخصتی آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے، رمضان سے پہلے اگر تشریف آوری ہو تو قبل رمضان ورنہ جب بھی تشریف آوری ہوگی اس کام کو آپ ہی پورا فرمائیں گے، ان دونوں میاں بیوی کو حج کرانا بھی آپ ہی کے ذمہ ہے، اللہ کرے آپ خیر وعافیت سے تشریف لے آئیں اور یہاں پھر رونق آجائے۔ مجھ بے کس اور بے بس کا سلام روضۂ شریفہ پر عرض کردیں تو کرم ہوگا۔ انشاء اللہ آپ کو اجازت بھی مل جائے گی کہ وہ اپنی امت کے حال پر بہت مہربان ہیں۔

والسلام آپ کی بیٹی۔ شاہدہ سہارنپور

والدہ مرحومہ شروع شروع میں حضرت شیخ کو ''والد صاحب'' کے تعظیمی لفظ سے مخاطب کرتی تھیں لیکن آخر میں خصوصاً وفات کے بعد ''بھائی جی'' کے محبت آمیز لفظ سے یاد کرنے لگی تھیں، حضرتؒ کی وفات کے بعد والدہ صاحبہ کے شدت تاثر اور احساس کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ آنسو ان کی پلکوں میں پوشیدہ رہتے تھے، اور حضرتؒ کا نام آتے ہی وہ پلکوں سے نکل کر چہرے پر بہنے شروع ہوجایا کرتے تھے، وہ اپنی حیات کے آخری سالوں میں حضرتؒ کا کوئی واقعہ اور کوئی تذکرہ بغیر آنسو بہائے سنانے پر قادر ہی نہیں رہی تھیں۔

شیخین جلیلین سے قلبی ربط وارتباط

ارتباط: والدہ مرحومہ اور ان کی چاروں بہنوں کا بچپن، ابتدائی نشو ونما اور شادی وبیاہ یہ سب اس دور سے وابستہ ہے جب کہ دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور رائپور میں امام وقت حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے فیوض وبرکات اور رشد وہدایت کا ایک دریا موجزن تھا، ان دونوں مقدس وبابرکت ہستیوں کی مسلسل آمد ورفت چونکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ پر ہوتی رہتی تھی اس لئے ان سب بہنوں کو حضرتؒ کے توسط اور واسطہ سے دعائیں لینے اور خدمت کرنے کے مواقع کثرت سے حاصل ہوتے تھے، اور خود حضرتؒ کا معمول یہ رہا کہ وہ کسی بھی مسرت وخوشی یا رنج وغمی کے موقعہ پر اپنی جانب سے خطوط لکھ کر ان دونوں بزرگوں کو ادعیہ صالحہ کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے اور پھر سب کے جواب میں رشد وہدایت کی ان دونوں بارگاہوں سے مادی ہدایا وتحائف کے ساتھ دعاؤں کی سوغات اور اوراد وظائف وتسبیحات جی لگا کر پڑھنے کی ہدایات بھی موصول ہوتی رہتی تھیں اور اس کے نتیجہ میں دینی تربیت واصلاح کی راہیں کشادہ ہوتی چلی جاتی تھیں۔

ان حضرات شیخین کی عنایات وشفقتوں اور فکری وقلبی توجہ وتعلق کا عالم یہ تھا کہ اگر صاحبزادیوں میں سے کوئی علیل ہوجاتی اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس کو معمولی علالت سمجھ کر دیوبند یا رائے پور خبر نہ کی جاتی تو اپنے ذرائع سے اطلاع پاتے ہی یہ حضرات سہارنپور تشریف لاکر سب سے پہلے عدم

اطلاع کا شکوہ کرتے اور پھر مریضہ کے لئے دعائے صحت فرماتے، خود میری والدہ مرحومہ کے حوالہ سے حضرت شیخ الاسلام کا ایسا ہی ایک محبت آمیز عتاب کا واقعہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کبیر میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں!

''آج ۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ/ ۱۴/ جون ۱۹۷۵ء میں جمعہ کی صبح کو جب کہ زکریا صبح کی نماز کے بعد مسجد سے گھر پہنچا تو دیکھا کہ شاہدہ گھر کے صحن میں ایک دم کھڑی گر گئی، بے ہوش گئی، بہت دیر میں ہوش آیا، ۲۸/ ذی قعدہ پنجشنبہ کی شام کو حضرت مدنی مع ریحانہ دفعۃً بلا اطلاع شاہدہ کی عیادت کے لئے آئے اور اطلاع نہ کرنے پر عتاب فرمایا، جمعہ کی شام کو واپس تشریف لے گئے۔''

قرب وفات کے اشارے: طبیعت وصحت کی بہترائی کے زمانہ میں جب کہ علالت کی کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوئی تھی، متواتر کچھ ایسے واضح اشارے اور منامات سامنے آئے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اب والدہ محترمہ کی زندگی کا چراغ زیادہ دن تک روشن نہیں رہ سکے گا، اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا کہ منامات اور اشارات آہستہ آہستہ واقعات اور مشاہدات بن کر سامنے آتے چلے گئے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ سے ان کی یہ کیفیت ہو چلی تھی کہ گھر میں جب بھی کسی کی موت وحیات کا تذکرہ چلتا تو بڑے وثوق سے کہہ دیا کرتی تھیں کہ ہم میاں بیوی میں پہلے میرا نمبر آئے گا، اور پھر اس کی وضاحت اس طرح کرتیں کہ میری ساری بہنیں اپنے شوہروں کی زندگی میں ہی اللہ کو پیاری ہوئیں پہلے آپا زکیہ گئیں پھر بھائی یوسف گئے پہلے آپا ذاکرہ گئیں پھر بھائی انعام گئے میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا کہ پہلے میں جاؤں گی۔

قرب وفات کی اطلاع کے طور پر متعدد منامات میں سے ایک منامی اشارہ تو یہ ہے کہ تقریباً ایک ماہ قبل اللہ کی ایک بندی نے خواب میں بہت خوبصورت سرخ رنگ کا قبہ نما ایک مکان دیکھ کر معلوم کیا کہ یہ کس کا ہے تو جواب ملا کہ یہ شاہدہ کا ہے، دیکھنے والی نے اپنا یہ خواب صبح کو والدہ مرحومہ کو سنایا تو بے ساختہ بولیں، بس میرا تو قبہ تیار ہوگیا، میں تو اب جا رہی ہوں۔

❁ ایک اشارہ اس طرح سامنے آیا کہ وفات سے قبل خواب دیکھا گیا کہ حضرت شیخ والدہ مرحومہ کے گھر کے سامنے سے گزر کر تشریف لے جا رہے ہیں، خواب دیکھنے والی نے سلام مسنون کے بعد درخواست کی کہ گھر میں تشریف لے آئیں تو فرمایا ابھی نہیں، پچیس دن بعد آؤں گا اور پھر پورے پچیسویں دن والدہ مرحومہ نے وفات پائی۔

❁ اسی طرح مرض وفات میں ان کے دہلی پہنچنے کے دوسرے ہی دن دیکھا گیا کہ کوئی صاحب کہہ رہے ہیں کہ یہاں ان کو ان کی مٹی لے کر آئی ہے۔

علالت اور وفات: والدہ محترمہ کو بفضلہٖ تعالی زندگی بھر کوئی قابل فکر وتشویش عارضہ لاحق نہیں ہوا، صحت ہمیشہ صاف وشفاف رہی، چلنے پھرنے میں کسی قسم کی کوئی محتاجی بھی نہیں تھی، اعزہ واقارب کے گھروں میں بے تکلف پیدل آیا جایا کرتی تھیں۔

راقم سطور سے بقائمی ہوش وحواس ان کی آخری ملاقات ۱۹/ ربیع الثانی ۱۵/ اپریل بدھ میں مولانا مفتی خالد صاحب کے مکان پر بعد عصر مجلس درود شریف میں ہوئی، خاندان کی دیگر مستورات بھی اس میں شریک تھیں، اس وقت تک کسی خطرناک علالت کا کوئی اثر ان پر نہیں تھا............ تاہم شب میں کسی وقت بخار کی

شدت کے ساتھ جسم پر ورم ہوکر سانس کی آمد ورفت میں دشواری محسوس ہوئی۔ ایک دن گھر پر رہ کر علاج ومعالجہ کیا گیا، ان کے قدیمی معالج ڈاکٹر محسن ولی سے دہلی میں رابطہ کر کے دوائیں تجویز کرائی گئیں اس کے بعد سہارنپور کے مشہور معالج داکٹر سنجیو کمار متل کے زیر علاج رہیں اسی عرصہ میں دہلی سے مولانا زبیر الحسن صاحب مع اہلیہ وعزیزان مولوی زہیر الحسن ومولوی صہیب الحسن وغیرہ عیادت کے لئے بھی آئے، دو دن تک کوئی فائدہ کی شکل نہ دیکھ کر ۲۰/اپریل/۲۴/ربیع الثانی دوشنبہ میں ایمبولینس گاڑی کے ذریعہ دہلی لے جا کر وہاں کے مشہور ومعروف ہسپتال ''رام منوہر لوہیا'' میں بغرض علاج رکھا گیا، وہاں بھی تین یوم ایمرجنسی وارڈ میں رہ کر آئی، سی، یو، میں منتقل کردی گئیں، ڈاکٹر محسن ولی صاحب کو اللہ جل شانہ بے حد جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنے تمام تعلقات واثرات استعمال کر کے علاج ومعالجہ میں کوئی کمی وکوتاہی نہیں ہونے دی،، اس عرصہ میں صحت میں برابر اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، جس کے لئے بہت سی تدبیریں اختیار کی جاتی رہیں لیکن ہر تدبیر پر تقدیر غالب آتی گئی یہاں تک کہ ۶/جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ/۲/مئی ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ............شام چار بجے داعی اجل کو لبیک کہہ کر عالم آخرت کو سدھار گئیں، اسی وقت جنازہ مرکز نظام الدین لایا گیا اور وہیں بعد نماز مغرب غسل وتکفین ہوکر بعد نماز عشاء ۱۰/۴ رکھمبہ میں حضرت مولانا محمد افتخار الحسن صاحب زید مجدہ کے حکم پر مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلوی کی زیر امامت نماز جنازہ ہوکر بستی حضرت نظام الدین کے قدیمی قبرستان پنج پیران میں صبح قیامت تک کے لئے بطور امانت سپرد خاک کردی گئیں۔

سہارنپور، کاندھلہ، جلال آباد وغیرہ سے تمام اعزہ بروقت پہنچ گئے تھے، حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلہ سے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب سہارنپور سے اپنے ضعف وعلالت طبع کے باوجود تشریف لے آئے تھے۔ **رحمها اللّٰه تعالى رحمةً واسعةً اللهم اغفرلها وأرحمها وأدخلها في الجنة.**

ہندوستان کے تقریباً تمام شہروں اور صوبوں میں اہل تعلق ومحبت نے اپنے اپنے مدارس اور تبلیغی مرکزوں اور مسجدوں میں جمع ہوکر یٰسین شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ بڑی مقدار میں پڑھ کر والدہ مرحومہ کو اس کا ثواب بخشا۔ حرمین شریفین نیز ہندوستان، انگلینڈ، افریقہ، زامبیا، پاکستان، باربڈوز وغیرہ میں ہزار مرتبہ سے زائد کلام پاک ختم ہونے کی اطلاعات موصول ہوئیں، ہندوستان میں صرف ایک ہی صاحب نے اپنی نگرانی میں تیس کلام پاک اور مدینہ منورہ میں ایک ہی صاحب نے اپنی نگرانی میں چالیس کلام پاک ختم کئے اور کرائے، جنوبی افریقہ میں اسلامی ریڈیو کی نشریات میں ان کے انتقال کی خبر آجانے پر بڑی تعداد میں لوگوں نے تعزیتی فون کئے اور قرآن پاک ختم کئے۔

عادات و معمولات: روزمرّہ کی متعینہ تلاوت قرآن پاک اور نوافل وغیرہ کے ساتھ درود شریف، منزل، حزب الاعظم اور حصن حصین کا خصوصی اہتمام تھا تمام گھروں میں گاہ بگاہ ہونے والے درود ناریہ، درود تنجینا اور قرآن پاک وغیرہ کے ختمات میں اہمیت کے ساتھ شرکت کرتیں۔ اپنے گھر میں بھی وقتاً فوقتاً ان ختمات کا اہتمام کر کے امت محمدیہ مرحومہ پر آنے والے مصائب کے خاتمہ کے لئے دعائیں کرتیں۔

❁ ہمارے لمبے چوڑے خاندان میں ہونے والی شادیوں اور تقریبات میں بہتر سے بہتر تحفہ بھیجنے کی کوشش کرتیں، کبھی کبھی

خاموشی سے معلوم بھی کرالیتیں کہ تمہارے یہاں کی شادی میں میرا ارادہ فلاں سامان یا فلاں زیور بھیجنے کا ہے اگر یہ دلہن کے پاس موجود ہے تو ایسی دوسری چیز کوئی اور بتلادو جو اس کے پاس نہ ہو۔

❁ ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں تمام شب بیدار رہ کر تراویح اور نوافل اور تلاوت قرآن پاک کا آخر تک وہی معمول رہا جس کا تذکرہ حضرتؒ نے اپنی تالیف فضائل رمضان میں کر رکھا ہے، اپنے چھوٹے چھوٹے نواسوں اور پوتوں سے باری باری نوافل پڑھواتیں اور خود اس میں شریک رہتیں۔

❁ ماہ رمضان المبارک میں عموماً عزیزان مولوی حافظ محمد سہیل سلمہ یا مولوی حافظ محمد ساجد سلمہ ان کو تراویح میں کلام پاک سنایا کرتے تھے اگر کبھی یہ دونوں عمرہ پر ہوتے یا شہر کی مسجد میں تراویح کے لئے متعین ہو جاتے تو پھر ان ہی کے ذمہ ہوتا تھا کہ وہ گھر کے لئے کسی اچھے سے حافظ کا انتظام کریں، اور والدہ صاحبہ مرحومہ پورے رمضان اس کی سحری وافطاری اور چائے کا نظم اپنے ذمہ رکھتیں، ختم قرآن پاک پر مٹھائی منگواتیں، حافظ کو نقد انعام کے ساتھ عید کے لئے نئے کپڑوں کا ایک جوڑا اس کے لئے تیار کراتیں۔

راقم سطور کی یادداشت میں ان کا کوئی رمضان ایسا نہیں ہے جو بغیر حافظ اور تراویح کے گذرا ہو۔

❁ ایک اہم بات (معلوم نہیں کہ اس کا لکھنا مناسب بھی ہے یا نہیں) یہ تھی کہ مخدومنا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ منامیہ بڑا قوی اور مضبوط تھا، بہت کثرت سے آپ کو خواب میں دیکھتیں اور ملنے والی ہدایات کی روشنی میں فیصلہ کرلیا کرتی تھیں، خود راقم سطور کو جامعہ مظاہر علوم کے سخت مشکل اور جاں گداز معاملات میں اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ صبح کو بلا کر کہہ دیا کرتی تھیں کہ رات بھائی جی آئے تھے، وہ یہ فرما گئے ہیں، کبھی اس طرح کہتیں کہ بھائی جی فرما رہے تھے کہ شاہد سے کہو فلاں جگہ کی خیر وخبر لے وہاں گڑبڑ ہو رہی ہے۔

والدہ صاحبہ مرحومہ کو حق تعالیٰ شانہ بے حد جزائے خیر عطا فرمائے، جنت کی بہاریں اور نعمتیں مرحمت فرمائے کہ انہوں نے ہم سب بہن بھائیوں کی بہتر سے بہتر طور پر تربیت ونگرانی فرمائی ہمارے معاملات ومسائل کو بہت شوق اور ذوق کے ساتھ حل فرمایا موقع بموقعہ بہتر سے بہتر نصیحتیں کر کے ہمارے شعور وآگہی کو پختگی بخشی، چنانچہ یہ احقر جب کبھی اپنے ماحول اور گردوپیش کی شاہ خرچیوں یا فضول خرچیوں پر اپنے چھوٹوں کو تنبیہ کرتا تو وہ بہت ہنس کر یہ جملہ کہہ دیا کرتی تھیں کہ!

''شاہد تم اور زبیر دورِ فقر کی پیداوار ہو جب کہ یہ سب دور شاہی کی پیداوار ہیں، اس لئے تم دونوں کے اور ان سب کے مزاج میں فرق ہے''

الـعـظـمة لله کہ ساری عمر ان کی محبت اور شفقت ہم بہن، بھائیوں کی اور عمر میں بڑے ہونے کے اعتبار سے راقم سطور کی سب سے زیادہ خدمت کرتی رہی، لیکن آہ کہ آج اس کے سوا کیا کہا جائے، اور کیا لکھا جائے کہ!

عمر بھر تیری محبت میری خدمت کر چکی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

سید محمد شاہد غفرلہ
۱۰/ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

❁ ❁ ❁

تعارف وتبصرہ

مبصر: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

نام کتاب : اسلامی قانون نکاح وطلاق
مؤلف : مولانا یعقوب اسماعیل منشی قاسمی
ضخامت : 175 صفحات
دوسرا ایڈیشن: 2005
ناشر : شرعی کونسل زیر انتظام مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ

ہندوستان میں ملنے کا پتہ:

دفتر معارف قاسم جدید این 93 سیلنگ کلب روڈ، لین نمبر 2 بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی

اسلام میں نکاح وطلاق کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ قوانین اسلامی میں اس موضوع پر مفصل بحث اور اس کے ہر ہر پہلو پر احکامات موجود ہیں، تاہم نکاح وطلاق کے تعلق سے دنیا کے مختلف حصوں میں طرح طرح کی روایت اور عرف وعادت عام ہے جن کی وجہ سے مختلف قسم کی مشکلات درپیش آتی رہتی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ''اسلامی قانون نکاح وطلاق'' نہ صرف ان مسائل کی رہنمائی کرتی ہے بلکہ مغربی سماج میں نکاح وطلاق کے تعلق سے جو غلط روایات رائج ہیں اس پر شرعی رہنمائی بھی کرتی ہے۔

نکاح کی اہمیت وفضیلت، نکاح کے اصول وآداب اور نکاح سے متعلق شرعی احکامات نیز طلاق وخلع اور نزاعی امور میں اسلام نے جو قابل قبول حل پیش کیا ہے اس پر مصنف نے قرآن وحدیث اور فقہی ماخذ کے حوالے سے تفصیلی بحث پیش کی ہے۔ نکاح میں معیار انتخاب، کفو کی بحث، تعدد ازدواج، طلاق کے اثرات، زن وشوہر کے ایک دوسرے پر حقوق، طلاق کے تعلق سے قوانین اسلامی کا رخ ومزاج، مطلقات کے مسائل ومشکلات جیسے امور پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب میں طلاق کے وقوع کی شرائط پر خاصی طویل بحث کی گئی ہے اور اس بات پر مصنف نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ اسلام کس طرح سماج کی تشکیل چاہتا ہے اور خاندانی امور میں کس طرح افراط وتفریط کے بجائے صراط مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے۔

مصنف نے برطانوی سماج میں درآئی برائیوں اور اس کے منفی نتائج کی بھی نشاندہی کی ہے اور امت اسلامیہ کو مغربی تہذیب کی یلغار کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی بھی تلقین کی ہے۔ مولانا یعقوب اسماعیل منشی نے نہایت عرق ریزی سے اس موضوع پر کام کیا ہے اور اس میں برطانوی سماج کے حوالے سے مسائل کو دیکھا اور پرکھا ہے اور اس سلسلے میں اسلامی ہدایات سے عوام کو روشناس کرنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف ان علماء میں ہیں جو مغرب کی

چمک دمک سے کبھی متاثر نہ ہوئے بلکہ یہ فکر دامن گیر رہی کہ کس طرح مغربی ممالک میں آباد مسلمانوں کو اسلامی خطوط پر چلنے کے لیے آمادہ کیا جائے، وہ ایک عرصے سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور وہاں دینی، دعوتی اور علمی وتحقیقی امور انجام دے رہے ہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے اور خاص طور پر انہوں نے علمی میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس تعلق سے ان کی حیثیت انفرادی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مولانا یعقوب اسماعیل منشی مدظلہ اپنا علمی سفر جاری رکھیں گے اور امت کو رہنمائی ملتی رہے گی۔ زیرنظر کتاب کی اہمیت عوام کے لیے بھی ہے اور علما کے لیے بھی، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اس سے مسلمانوں کا ہر طبقہ یکساں طور پر مستفید ہوگا۔

(۲)

نام کتاب : **برطانیہ واعلیٰ عروض البلاد پر اوقات صبح صادق وشفق کی تحقیق**

مصنف : **مولانا یعقوب اسماعیل منشی قاسمی**

ضخامت : **320 صفحات**

ملنے کا پتہ : **مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ ڈیوزبری، برطانیہ**

شریعت مطہرہ کے بنیادی ارکان خمسہ میں نماز کو اولیت حاصل ہے۔ نماز کی فرضیت کا سبب وقت ہے اور نماز کو وقت کی پابندی سے ادا کرنا ناگزیر ہے۔ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: إن الصلوٰة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً (نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے اندر فرض کیا گیا ہے) نماز پنجگانہ کے اوقات کے سلسلے میں اس فلکی نظام کے تحت دنیا کے طول وعرض میں پھیلے ممالک میں اختلاف مسلمہ امر ہے۔ ابتداء اسلام سے ہی فقہا نے نماز پنجگانہ خاص طور سے ابتدا وقت اس اس کے انتہا وقت کے سلسلے میں تحقیق وتفتیش کا سلسلہ جاری رکھا۔ دور نبوی میں احکام شرع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عملی طور پر صحابہ کرام کے سامنے پیش کرتے رہے۔ بعد میں جب اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تو یہاں انہیں اوقات صلوٰۃ کے سلسلے میں نمایاں فرق کا سامنا ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ اہم کام ہر کس وناکس کے بس سے باہر ہے۔ اس لیے اس عظیم ذمہ داری کو فقہا شرع نے بحسن وخوبی نبھانے کا اہتمام کیا۔

زیر تبصرہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں فاضل مؤلف حضرت مولانا یعقوب اسماعیل منشی قاسمی نے علم ہیئت وفلکیات کے مبادیات، برطانیہ میں اوقات صبح صادق کے بارے میں معروف مفتیان کرام کے فتاویٰ، غیر معتدل الایام علاقوں کے لیے نمازوں کے احکام، غیر معتدل الاوقات علاقوں میں تقدیر کی مختلف صورتوں کے فقہی دلائل، برطانیہ میں صبح صادق وشفق کے چار مختلف اوقات اور ان کا جائزہ، حزب العلماء کے مشاہدات، صبح وشفق اور اس کی بنیاد پر مرتب کردہ دونوں ٹائم ٹیبل کا تجزیہ، برطانیہ میں صبح وشفق کے مشاہدات، برطانیہ میں وقت نماز عشا کے بارے میں تحقیق اور اوقات مثل مثلین کی تحقیق جیسے اہم جلی عناوین کے تحت مفصل ومدلل بحث کی ہے۔

(۳)

نام کتاب : **تالیفات مرغوب**

مولف : **حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری**

ناشر : **جامعۃ القرات کفلیہ ضلع سورت، گجرات**

صفحات : **495**

قیمت : **درج نہیں**

علوم شرعیہ کی نشر و اشاعت میں سرزمین گجرات کے علماء و اکابرین کا نمایاں حصہ ہے۔علم حدیث، فقہ، تفسیر، عقائد جیسے اہم موضوعات پر علماء گجرات نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس سے ہر صاحب علم و دانش واقف ہے۔

یہ بات مسلم ہے کہ انسان کے صلاح وفلاح کا دارومدار عقائد پر ہے، اگر کوئی شخص دنیا کے تمام علوم وفنون میں مہارت حاصل کرلے لیکن اس کے عقیدہ میں کھوٹ ہو تو اس کا سارا عمل رائگاں سمجھا جائے گا، زیرہ تبصرہ کتاب '' تالیفات مرغوب'' سرزمین گجرات کے مشہور ومعروف عالم دین مفتی مرغوب احمد لاجپوری کی تین کتابوں کا مجموعہ ہے، پہلی کتاب توحید الاسلام ہے جس میں مقدمہ کتاب میں ضروری تمہیدات کی تین فصلیں ہیں اور باب اول میں دو فصلیں ہیں، فصل اول میں پچیس دلائل عقلیہ وشواہد نظریہ مسلسل بیان کرنے کے بعد ایک فرضی مناظرہ وجود باری تعالیٰ پر لکھا گیا ہے، فصل دوم میں دس براہین عقلیہ توحید باری پر بالترتیب مرقوم ہیں جبکہ باب دوم قرآن پاک سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر دس دلائل نقلیہ عقلی پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں، اخیر میں خاتمہ کے عنوان کے تحت دین حق کا صحیح معیار بتا کر دین اسلام کو حق کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے۔

دوسری کتاب '' جمع الاربعین فی تعلیم الدین'' ہے جس میں دین کے مختلف شعبوں کے احکامات پر مشتمل چالیس صحیح احادیث کا نہایت ہی جامع مجموعہ، آسان ترجمہ مفید و معلومات افزا تشریح کے ساتھ موقع کی مناسبت سے جمع کیا گیا ہے۔عربی، فارسی اور اردو کے اشعار نے اس مجموعہ کی اہمیت میں اضافہ کردیا ہے، اسے چالیس احادیث کا نام دیا گیا ہے لیکن شرح حدیث کے دوران فاضل مؤلف نے مزید احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

تالیفات مرغوب میں شامل تیسری کتاب '' سفینۃ النجات فی ذکر مناقب السادات'' ہے اس میں نہایت خوش اسلوبی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے فضائل، خصوصیات بنی فاطمہ، حضرات صحابہ کرام اور صلحائے امت کی نظروں میں اہل بیت کا احترام قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے ساتھ ہی اکابر اہل بیت کے تفصیلی حالات، نادر حکایات، ان کے کشف وکرامات اور ان کی علمی جلالت شان کو نہایت دلچسپ انداز میں جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو خود مؤلف کی علمی جلالت شان پر دلالت کرتا ہے، ان تینوں مجموعوں کا نام تالیفات مرغوب رکھا گیا ہے ہر ایک مجموعہ پر مولانا مرغوب احمد لاجپوری جو مؤلف کتاب کے نبیرہ ہیں، نے وقیع علمی کام کیا ہے۔اس سے کتاب کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے ایسی کتابیں دین سے وابستہ لوگوں کے لیے بہترین غذا ہیں۔کتاب کی معنویت پر تو کوئی کلام ہی نہیں کیا جاسکتا، کتاب کی ظاہری آراستگی بھی خوب ہے، کتابت وطباعت بھی معیاری ہے، توقع کی جاتی ہے کہ ارباب علم وفضل کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ ❁❁❁

ہندونیپال کی سرحد پر رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ کی عظیم درسگاہ

جامعة القاسم درالعلوم الاسلامية

شمالی بہار کی عظیم درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سے واقفیت رکھنے والے حضرات! اس کی دینی، علمی، ملی اور قومی خدمات سے بخوبی واقف ہیں، مختصر مدت میں بے سروسامانی اور ہر سال سیلاب کی وجہ سے پیدا نامساعد حالات کے باوجود جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں اور منظّم ماحول کا بہت سے اہل ذوق، صاحب علم وفضل، دانشوارانِ قوم وملت نے بارہا معائنہ فرما کر اطمینان کا اظہار فرمایا اور خلوص ومحبت کے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے جیسا کہ معائنہ رجسٹر اور اکابر کی تحریریں اس کی شہادت دیتی ہیں۔ **فللّٰہ الحمد علی ذلک.**

بفضلِ ربی جامعہ روز بروز ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے، اس وقت جامعہ اور اس کے مکاتب میں 2700/ طلبا زیر تعلیم ہیں۔ درجہ حفظ وتجوید کی چار درسگاہوں کے علاوہ ابتدائی اردو پرائمری سیکشن اور ابتدائی فارسی وعربی سے لے کر مشکوٰۃ وجلالین شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی تعلیمی وفلاحی سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں۔

دس ایکڑ زمین میں پانچ عمارتیں مختلف شکلوں میں قائم ہیں۔ اس وقت حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ کی یادگار ''رواقِ الیاس'' کی عمارت کی دوسری منزل زیر تعمیر ہے۔ مسجد امام قاسم بھی تکمیل کے مرحلے میں ہے۔ اس کے علاوہ اساتذہ کے قیام کے لیے دارالاساتذہ اور درسگاہ کے لیے مستقل عمارت کی تعمیر زیر منصوبہ ہے۔

یہ سب کچھ اللہ کی نصرت، حضرات اکابر کی دعاؤں اور خلوص ومحبت کا فیضان ہے۔ اگر آئندہ مخلصین ومعاونین حضرات کی توجہ وعنایات رہیں تو جامعہ ان شاء اللہ ترقی کے منازل طے کرتا رہے گا۔

مفتی محفوظ الرحمان عثمانی: بانی ومہتمم، جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، مدھوبنی سپول (بہار)

Jamia Ph. +91-9931906068 / 9939751011
Delhi Contact Ph:+91-11-26981876, Fax: +91-26982907

ADDRESS FOR CHEQUES & DRAFTS
"Jameatul Qasim Darul uloomil islamia"
A/C 11786910219. (State Bank of india, Pratap Ganj-4717)

جامعة القاسم دارالعلوم الاسلامیه

میں

تشریف لانے والے حضرات اکابر علماء، ائمہ، دانشوران ملت اور سیاست کے ماہرین

- حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)
- حضرت مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- حضرت مولانا سید نظام الدین امیر شریعت، جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- حضرت مولانا محمد قمرالزماں الہٰ آبادی سرپرست بیت المعارف الہٰ آباد
- حضرت مولانا غلام محمد وستانوی مہتمم جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراشٹر
- حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ
- حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری ناظم اعلیٰ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا عبدالرحیم بستوی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب مبلغ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا یعقوب اسماعیل منشی قاسمی صدر مجلس تحقیات شرعیہ ڈیوزبری، انگلینڈ
- حضرت مولانا عبدالغنی صاحب، مانچسٹر انگلینڈ
- حضرت مولانا عیسیٰ منصوری چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم، لندن، انگلینڈ
- حضرت مولانا مفتی احمد دیولا مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر بھروچ، گجرات
- حضرت مفتی عباس داؤد بسم اللہ، نائب مفتی جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات
- حضرت قاری سماعیل بسم اللہ، بانی ومہتمم جامعۃ القرات کفلیۃ گجرات
- حضرت مولانا ابراہیم صاحب مظاہری، بانی ومہتمم جامعہ قاسمیہ کھڑوڈ بھروچ، گجرات
- حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی چترویدی شیخ الحدیث جامعہ امداد الاسلام میرٹھ
- حضرت مولانا سفیان قاسمی نبیرہ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی محدث دارالعلوم دیوبند (وقف)

- حضرت مولانا فریدالدین قاسمی، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند (وقف)
- حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف قاسمی امام وخطیب جامع الحبتور، دبئی
- حضرت مولانا قاری رکن الدین صاحب، استاذ تحفیظ القرآن جامع غریر، دبئی
- حضرت مولانا راشد قاسمی ناظم مجلس تحفظ ختم نبوت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور
- حضرت مولانا صغیر احمد رحمانی، رکن مسلم پرسنل لابورڈ
- حضرت مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار
- حضرت مولانا سہیل احمد ندوی، معاون ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار
- حضرت مولانا نورالحق رحمانی، استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار
- حضرت مولانا نسیم احمد، شیخ الحدیث جامعہ نورالاسلام میرٹھ
- حضرت مولانا عصمت اللہ رحمانی، امام خطیب مسجد خیر ولین کولکاتہ
- حضرت مولانا ایوب صاحب فلاحی، استاذ جامعہ قاسمیہ کھڑوڈ بھروچ، گجرات
- حضرت قاری محمد الیاس کھنڈ، اٹالوا، بھروچ گجرات
- حضرت مولانا دبیر عالم قاسمی، استاذ جامعۃ القرأت کفلیۃ، گجرات
- حضرت مولانا مفتی عقیل صاحب قاسمی، استاذ حدیث جامعہ حسینیہ راندیر، سورت، گجرات
- حضرت مولانا عارف صاحب قاسمی، استاذ حدیث جامعہ حمیدیہ پانولی بھروچ گجرات
- حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد میمن مہتمم دارالقرآن احمد آباد، گجرات
- جناب الطاف بھائی مسجد فلاح پرسٹن، انگلینڈ
- جناب حنیف بھائی مسجد فلاح پرسٹن، انگلینڈ
- جناب پروفیسر عبدالمتین صاحب، نگراں مولانا رحمانی ٹیکنکل سینٹر پٹنہ
- جناب پروفیسر احمد سجاد رانچی یونیورسٹی جھارکھنڈ
- حضرت مولانا قاری عبداللہ بخاری، امام وخطیب جامع مسجد مونگیر

ان کے علاوہ بہت سے ملک کے ممتاز علماء اور سیاستداں جامعہ کا مشاہدہ کر کے اپنے تاثرات تحریر کر چکے ہیں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ:

• ہمارے گھروں میں دین کی باتیں ہوں! • مجالس اور لوگوں کی زبان پر ہمیشہ اصلاحی باتوں کا تذکرہ ہو! عوام وخواص میں ہمیشہ اصلاح کی فکر لاحق ہو! • پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ، تعلیمات نبوی اور اسلاف کی پاکیزہ روایات سے معاشرہ کو روشناش اور اس کے تئیں بیداری پیدا کی جائے۔

تو آگے آیئے! 'ان مقاصد حسنہ کی تکمیل کے لیے' 'ماہنامہ معارف قاسم جدید' کی علمی وفکری بیداری مہم میں شامل ہوجایئے۔

ممبر بن کر اور بنا کر

اس عظیم مہم کو کامیاب بنانے میں معاون بنیں

یقیناً آپ کا تعاون ''معارف قاسم جدید'' کی ترقی کا ضامن بن سکتا ہے۔

ہندوستان میں سالانہ زرتعاون صرف ۲۰۰/ روپے اور بیرو ممالک میں ۷۵/ ڈالر

اس کے علاوہ آپ مندرجہ ذیل طریقہ سے بھی تعاون کر سکتے ہیں

- اہل خیر حضرات کو اشتہار کی طرف توجہ دلائیں۔
- اپنی جانب سے علاقے کے بااثر حضرات، دینی اداروں، ملی تنظیموں اور لائبریریوں کے نام رسالہ جاری کرائیں۔
- معارف قاسم جدید میں کاروباری اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔
- ممبر سازی کے لیے جو نمائندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ان کا بھرپور تعاون کریں۔
- پانچ آدمیوں کو ممبر بنا کر اپنا ایک سال کے لیے رسالہ مفت جاری کرائیں۔

یقین ہے کہ ہمارے قارئین کا پرخلوص تعاون ہمیں برابر حاصل رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

:ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی'' این 93/ سیلنگ کلب روڈ، لین نمبر۲، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی۔110025

جامعۃ القاسم کے شب وروز

ھندونیپال کی سرحد پر واقع رشد وھدایت اور تعلیم وتربیت کی عظیم درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ ،مدھوبنی وایہ پرتاپ گنج ،ضلع سپول بہار ایک عرصے سے تعلیم وتبلیغ اور دینی سرگرمیوں کا مرکز ھے اور یہاں دینی واصلاحی پروگرام منعقد ھوتے رھتے ھیں جن کی مکمل تفصیلات تو یہاں پیش نہیں کی جاسکتی البتہ کچھ جھلکیاں پیش کی جارھی ھیں۔

جامعہ کے تعلیمی سال کا آغاز:

سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی جامعہ کا تعلیمی سلسلہ نہایت آب وتاب کے ساتھ شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ کو شروع ہوا اور مختلف علمی تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ طلبہ نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے میں پیش پیش رہے۔ شروع سال میں اساتذہ جامعہ نے الگ الگ جماعتوں کو درسیات کے علاوہ بھی مطالعہ کے رجحان کو بڑھانے کے لیے طلبہ کی رہنمائی کی اور طلبہ کے مطالعہ کے لیے ایک نشانہ متعین کیا گیا۔ ابتدائے سال میں طلبہ کا ایک عام اجلاس منعقد کیا گیا جس میں اساتذہ نے طلبہ کو نصیحتیں کیں۔ اجلاس کے خطاب کرتے ہوئے جامعۃ القاسم کے مہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ ''آپ ہمارے مستقبل ہیں اور آپ کے ہی ہاتھوں میں ملک وملت کا مستقبل ہے۔ آج آپ کو تربیت حاصل کرنے کا موقع ہے اس لیے اپنے اوقات کو ضائع کیے بنا علوم اسلامی کے حصول میں لگ جائیں اور امت کے لیے اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں۔'' مہتمم صاحب نے اساتذہ سے بھی مخاطب ہوکر کہا کہ آپ اس ملک کی تعمیر کررہے ہیں اور امت کو بہترین تحفہ پیش کرنے جارہے ہیں اس لیے آپ کو بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ طالبان علوم نبوت کے بہتر مستقبل کے معمار کے طور پر اپنا کردار ادا کریں۔''

جامعۃ القاسم کا سالانہ اجلاس:

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کا ایک روزہ سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت مولانا صبغۃ اللہ قاسمی نے کی۔ اس اجلاس میں قرآن کی عظمت، جہیز و تلک کی لعنت پر بصیرت افروز تقاریر ہوئیں، ساتھ ہی ساتھ قادیانیت کے بڑھتے قدم کو روکنے کے لئے غور خوض ہوا۔ اس اجلاس میں علاقے کے عالم دین مولانا عبدالمتین رحمانی کے علاوہ مولانا طفیل احمد شریک ہوئے۔ اجلاس کو خطاب

کرتے ہوئے مولانا عبدالمتین رحمانی نے کہا کہ علم کی دولت حاصل کرکے ہی دین و دنیا میں سرخروئی حاصل کی جاسکتی ہے۔آج علم کی حصولیابی کے لئے جدو جہد چل رہی ہے جس میں مدارس اہم رول ادا کر رہے ہیں۔

انہوں نے جامعۃ القاسم دارالعلوم اسلامیہ مدھوبنی کے بانی و مہتمم مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مولانا نے اس علاقے میں دارالعلوم کی شکل میں علم کا مینار تعمیر کیا ہے۔جس سے علم کی روشنی ہرطرف پھیل رہی ہے اورقوم وملت کےلوگ اس سے فیضیاب ہورہے ہیں۔مولانا عبدالمتین رحمانی نے مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مدرسہ کی ترقی وتوسیع کی دعائیں کیں۔

اس سالانہ اجلاس میں مولانا طفیل احمد،مولانا حمیدالدین مظاہری نائب ناظم دارالعلوم ہذا،صدر مدرس مولانا ضیاءاللہ رحمانی،مفتی انور،مفتی جاوید اختر،مولانا حبیب الرحمٰن،مولانا اسرائیل وغیرہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔آخر میں طلباء کوان کی نمایاں کامیابی حاصل کرنے پر انعام واکرام سے نوازا گیا۔اجلاس کا اختتام دعائیہ کلمات سے ہوا۔

دنیا کا سب سے بڑا ہتھیار علم:

مولانامحمد سالم قاسمی

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے زیر اہتمام تعلیمی بیداری کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کہا کہ علم کا ہتھیار دنیا کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔بغیر علم کے مسلح ہتھیار سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے میں مسلمانوں سے خاص طور سے گزارش کروں گا کہ وہ علم کے میدان میں اپنے بچوں بچیوں کو لائیں جس سے وہ بہتر طریقے سے حالات کا مقابلہ کرسکیں اورعلم کی دولت سے مالا مال ہوکر ماحول کوبہتر بناسکیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ اسلام عالمگیر اور دائمی مذہب ہے۔اسلام میں فطرت انسانی کی پوری رعایت رکھی گئی ہے جوبھی ملک ہو جوبھی دور آئے جیسی بھی آب وہوا ہو اسلام ہر شعبہ حیات میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔انسان اپنی فطرت پر قائم رہےاور ماحول سے متاثر نہ ہوتو اسلام اس کے دل کی آواز ہوگا۔اسلام نے بلا امتیاز رنگ ونسل ذات وبرادری محض انسانیت کی بنیاد پر اکرام و احترام کا پیغام دیا ہے۔انہوں نے اس علاقے میں مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی غیر معمولی خدمات کوسراہتے ہوئے کہا کہ انہوں نے اس علاقے میں ایک بڑا ادارہ قائم کرکے علم کا ایک روشن چراغ آپ کو دیا ہے جس کی لو بڑھانا اوراس سے استفادہ کرنا سب کی ذمہ داری ہے۔

اس اجلاس میں مولانا صغیر احمد رحمانی سابق استاد حدیث جامعہ رحمانی مونگیر نے بھی علم حاصل کرنے پرزور ڈالا۔اس موقع پر مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے اپنے استقبالیہ کلمات میں کہا ہے کہ آپ حضرات کی آمد اور قدموں کی برکت سے ادارہ ہر طرف علم کی روشنی پھیلانے کی کوشش کرے گا۔اس تقریب میں ناظم مولانا محمودالحسن، مولانا حبیب الرحمٰن، مفتی محمد جاوید اختر، مولانا حمیدالدین،مولانا ضیاءاللہ اور دیگر علماء کرام کے علاوہ یوتھ جنتا دل یو کے ضلع صدر رمیش سنگھ،سماجی کارکن شاہجہاں شاد نے بھی شرکت کی اور آس پاس کے سیاسی اور سماجی کارکنوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جامعۃ القاسم کودیکھ کر بے حد خوشی ہوئی:

.........مولانا غلام محمد وستانوی

جامعۃ القاسم میں منعقد ایک استقبالیہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے ممتاز عالم دین اور جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر کے مہتمم حضرت مولانا غلام محمد وستانوی نے کہا کہ انتہائی سخت حالات میں مدارس اسلامیہ دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں ، کیونکہ انہیں ہر دن کنواں کھود کر پانی پینے جیسے حالات سے گزر کر مدارس کو چلانا پڑرہا ہے۔اس کے باوجود اپنوں کی بے رخی اور اغیار کی ریشہ دوانیوں کا بھی سامنا ہے،اسی کے ساتھ اپنے ان بھائیوں کی تنقید کا بھی سامنا ہے جو نام نہاد روشن خیالی کے زعم میں مدارس کے نصاب ونظام کو ہی فرسودہ قرار دے رہے ہیں۔مولانا وستانوی نے فرمایا کہ اہل مدارس کو چاہیے کہ وہ مشکل حالات میں ثابت قدمی کا ثبوت پیش کریں اور تعلیم وتبلیغ کی مہم میں مصروف رہیں۔

حضرت مولانا غلام محمد وستانوی جو سیکڑوں مدارس کے بانی اور ذمہ دار ہیں اپنے تجربات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ مدارس کے علماء یقینی طور پر علمی جہاد کررہے ہیں ۔انہوں نے جامعۃ القاسم کی عمارتوں اور وسیع وعریض احاطہ کو دیکھ کر جامعہ کے بانی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہاں کا منظر دیکھ کر خوشی ہوئی اور توقع ہے کہ تعلیم وتدریس کا یہ ادارہ آئندہ مزید ترقی کی منزلیں طے کرے گا۔انہوں نے اس موقع پر دعا کی اور طلبہ واساتذہ کو نصیحتیں کیں اور چونکہ انہیں مدرسہ اسلامیہ دین بندھی ضلع سپول کے اجلاس میں شریک ہونا تھا،اس لیے وہ وہاں کے لیے رخصت ہوگئے۔ان کے ہمراہ آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن کے صدر حضرت مولانا محمد اسرارالحق قاسمی ودیگر علما بھی موجود تھے۔

صحافت کے میدان میں مدارس کے طلباء آگے آئیں:

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

دارالعلوم دیوبند وقف میں مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کا طلبہ واساتذہ سے خطاب:

دارالعلوم وقف دیوبند کے بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ، نیپال کے طلباء کی مشترکہ انجمن ''بزم طیب'' کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا۔جس کی شروعات شاعر اسلام مولانا قاری احسان محسن کی نعت پاک سے ہوئی۔اس موقع پر طلباء سے خطاب کرتے ہوئے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کے مہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ طلباء مدارس صحافت وخطابت کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں اور اسلام کا صحیح تعارف دنیا کے سامنے پیش کریں،مولانا نے قلم وزبان کے ذریعہ بھی اسلام کی خدمت کو افضل بتایا اور کہا کہ آج کے مشینی عہد میں جدید وسائل کے ذریعہ بھی اسلام کی خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ تقاریر وتحریر آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔اس لئے طلباء مدارس کو چاہئے کہ تحریری وتقریری پروگراموں میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیں۔صدر اجلاس مولانا محمد اسلام قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم وقف نے کہا کہ مغربی تہذیب کا مقابلہ کرنے کے لئے علماء کا تیار ہونا بے حد ضروری ہے انہوں نے

طلباء سے صحافت کے میدان میں نمایاں کردار نبھانے کی اپیل کی۔ دارالعلوم وقف کے استاذ عربی ادب مولانا شمشاد رحمانی قاسمی نے کہا کہ طلباء مدارس اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے دینی علوم حاصل کرنے کے لئے ان کو منتخب کیا۔ لہٰذ اتعلیم کے ساتھ اپنے اندر دینداری اور تواضع پیدا کریں۔ اجلاس میں ماہنامہ ترجمان طیب کا رسم اجراء بھی عمل میں آیا، اجلاس میں مولانا عبدالمتین، مولانا عبداللہ ابن القمر، احتشام الحسن، مولانا محمد ابراہیم بستوی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ نظامت مولوی طہٰ اظہر قاسمی نے انجام دی جبکہ مظاہر علوم سہارنپور کے استاذ مولانا طہٰ مظاہری کی دعاء پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

افرادسازی میں دینی مدارس کا اہم رول:

مفتی ثمین اشرف

جامعۃ القاسم سپول میں دبئی کے امام مفتی ثمین اشرف قاسمی کا خطاب:

ہندونیپال کی سرحد پر قائم دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کے وسیع میدان میں 'پیغام انسانیت اور مدارس اسلامیہ' کے عنوان پر اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے دبئی متحدہ عرب امارات جامع مسجد الحستور کے امام وخطیب مولانا ثمین اشرف قاسمی نے کہا کہ افرادسازی میں دینی مدارس کا اہم رول ہے۔ مالی وسائل کی کمی کے باوجود یہ مدارس علم دین کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔ متحدہ عرب امارات اور خلیجی ممالک میں جو ادارے قائم ہیں انہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور ان کے پاس وسائل کی بھی کمی نہیں۔ لیکن ہندوستان میں بے سروسامانی کے عالم میں مدارس دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا ثمین اشرف نے کہا کہ انسانیت کے بغیر کوئی فرد مکمل نہیں ہوسکتا۔ مذہب اسلام نے خدمت خلق کو ایک بہت بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شہر سے دور اور بنیادی سہولتوں سے محروم نیپال کے اس سرحدی علاقے میں جامعۃ القاسم کی خدمات اور اس کے بانی ومہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی شب وروز کی محنت کو دیکھ کر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں رسول پاک ﷺ کی تعلیمات اور بزرگان دین کے اصول پر دینی خدمات پارہی ہیں۔ آج کے اجلاس میں قرب و جوار کے تقریباً 2 ہزار سے زائد سامعین موجود تھے۔ جلسہ کی صدارت مدرسہ کے بانی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کی۔ انہوں نے صدارتی خطاب میں کہا کہ مسلمانوں کا اخلاق بہتر اور بلند ہونا چاہئے۔ اسی اسلحہ کے ذریعہ دنیا کو فتح کیا جاسکتا ہے۔ انسانیت کا پیغام اسی کے ذریعہ پوری دنیا کو دیا جاسکتا ہے۔ اجلاس سے خطاب کرنے والوں میں مولانا حمیدالدین، مفتی عقیل احمد، قاری شمشیر عالم وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ مدرسہ کے ناظم مولانا محمود الحسن ایوبی نے ادارہ کی تعلیمی وتعمیری خاکہ پیش کیا۔ جبکہ مولانا یوسف انور نے زیر تعمیر عالیشان مسجد کے سلسلے میں تفصیلات سے روشناس کرایا۔ واضح ہو کہ عوامی تعاون سے چلنے والا یہ ادارہ شمالی ہندوستان کا مثالی ادارہ ہے جہاں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا بھی نظم ہے۔

اسلامی نظریات طاقت کے ذریعہ ختم نہیں کئے جاسکتے:

مولانا عیسیٰ منصوری

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی، پرتاپ گنج، سپول میں دو روزہ ''پیام انسانیت کانفرنس'' کامیابی کے

ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ لندن سے تشریف لائے ورلڈ اسلامک فورم کے چیئر مین مولانا عیسیٰ منصوری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن عالم انسانیت کے لئے امن کا پیغام دیتا ہے۔ پوری دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ قرآن نے انسانوں کو برابری کا درجہ دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی نظریات کو طاقت کے ذریعہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جب بھی نظریات اور طاقت کی لڑائی ہوتی ہے تو طاقت کی ہار ہوجاتی ہے اور آئیڈیولوجی باقی رہ جاتی ہے۔ مولانا منصوری نے کہا کہ مدارس میں دینی علوم کے ساتھ عصری تعلیم بھی دی جانی چاہئے تا کہ یہاں کے فارغین حالات اور زمانے کو سامنے رکھ کر اسلام کی تبلیغ کرسکیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول پاک ﷺ کے زمانے میں علم سیاست، علم ریاضی، علم تجارت اور سماجی علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ مولانا منصوری نے بتایا کہ 33 برس قبل جب وہ لندن پہنچے تو وہاں انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ لندن میں جو ہندوستانی مسلمان رہتے ہیں ان کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ اسی کے پیش نظر انہوں نے ورلڈ اسلامک فورم کی بنیاد ڈالی۔ جس کا خاطر خواہ فائدہ نظر آرہا ہے۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے ناظم مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نے کہا کہ علم کے میدان میں مسلمان پیچھے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو پیغام دیا کہ اس وقت ملک میں بھائی چارگی، مساوات اور امن کی ضرورت ہے۔ تا کہ ملک کا ماحول بدلے اور برائیاں دور ہوں۔

اس موقع پر دیگر کئی اکابر علماء نے خطاب کیا۔ نظامت کے فرائض جامعہ کے بانی و مہتمم مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے انجام دی۔ مولانا مفتی ثناء الہدیٰ نائب ناظم امارت شرعیہ پٹنہ، مولانا یوسف انور قاسمی دہلی، مولانا اسلام قاسمی دارالعلوم دیوبند، مولانا سلیم کریم ساؤتھ افریقہ، سابق ممبر پارلیمنٹ مہندر نارائن سردار، سابق ایم ایل اے ذاکر انور، سیارام یادو، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی وغیرہ نے خطاب کیا۔ اس موقع پر پورنیہ کمشنری کے مختلف علاقوں سے ہزاروں مرد و خواتین نے شرکت کی۔

اصلاح معاشرہ کے لیے علماء کو مہم چلانا چاہیے:

مولانا سعید الرحمن اعظمی

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے زیر اہتمام ''پیام انسانیت کانفرنس'' منعقد ہوئی جس میں خطاب کرتے ہوئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی نے فرمایا کہ آج مسلم معاشرہ میں غیر اسلامی بہت سی چیزیں داخل ہوگئی ہیں اور طرح طرح کے رسم و روایات میں لوگ الجھ گئے ہیں اس لیے اصلاح معاشرہ کے لیے علماء کو مہم چلانا چاہیے۔ انہوں نے برادران وطن سے ربط و ہم آہنگی پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم ایک اچھے شہری اسی وقت ثابت ہوسکتے ہیں جب ہم اپنے برادران وطن سے اچھے روابط رکھیں اور اچھے سلوک کے لیے جانے جائیں۔ علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ برادران وطن کے سامنے اسلامی تعلیمات پیش کرتے رہیں اور یہ واضح کردیں کہ اسلام دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے نفرت نہیں سکھاتا بلکہ ہم آہنگی اور رواداری اسلامی اخلاق کا خاصہ ہے۔

حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی نے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی جملہ سرگرمیوں کو اپنی نگاہوں سے دیکھ

کر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی اس پسماندہ علاقہ میں تعلیم سرگرمیوں کی ایک دنیا آباد کردی ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔انہوں نے فرمایا کہ عوام کو چاہیے کہ علوم اسلامی کی اس عظیم درسگاہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے ہرممکنہ تعاون وحمایت کریں۔

اس موقع پر حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کے دست مبارک سے 'رواق ابوالحسن علی میاں ندوی' کا سنگ بنیاد بھی رکھا گیا۔اجلاس میں سیاسی وسماجی قائدین اور بڑی تعداد میں علماء نے شرکت کی۔اس کے علاوہ 15 ہزار سے زائد عوام موجود تھے۔

شمالی بہار میں قادیانیت کے بڑھتے قدم تشویش ناک:

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

۵ جون ۲۰۰۸ کو ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول کے بانی ومہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے یہ انکشاف کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈالدیا کہ شمالی بہار کے محض چار اضلاع میں پانچ سو سے زائد مسلمانوں نے قادیانیت قبول کرلیا ہے۔

مفتی عثمانی نے بتایا کہ یوں تو ایک عرصے سے اس علاقے کے غریب اور سیدھے سادے مسلمان عیسائی مشنریوں اور قادیانی مبلغین کے نشانے پر ہیں لیکن جب سے ضلع سپول کے ضلع مجسٹریٹ کی حیثیت سے محمد شریف عالم آئے ہیں قادیانیت کا زور کافی بڑھ گیا ہے، کیونکہ ڈی ایم شریف عالم مع اہل خانہ خود نہ صرف قادیانی ہیں بلکہ وہ قادیانیوں کے امیر کی حیثیت سے بہار میں کام کررہے ہیں۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے میڈیا کے ذریعہ عام مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ قادیانی فرقہ گمراہ اور کافر ہے جس پر علماء امت کا اجماع ہے اس لئے مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

مفتی عثمانی جامعۃ القاسم کے اساتذہ وکارکنان کو قادیانیت کے بڑھتے قدم کو روکنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کرنے میں مصروف ہوگئے اور اس کے لئے انہوں نے سماجی وسیاسی سطح پر بھی مؤثر جدوجہد کی۔اس سلسلے میں جامعۃ القاسم کے احاطے میں تحفظ ختم نبوت کا باضابطہ دفتر قائم کردیا گیا اور ایک ذیلی دفتر دارالحکومت دہلی میں بھی سرگرم ہوگیا۔مفتی عثمانی کی قیادت میں علاقے کے مسلمانوں کو متوجہ کرنے اور قادیانیت قبول کرنے والوں کو تائب کرنے کی مہم چلائی گئی اور سپول، سہرسہ، ارریہ، کشن گنج، مدھے پورہ اور پورنیہ کے مختلف مواضعات کا دورہ کیا گیا اور مبلغین کو مامور کیا گیا کہ وہ قادیانیت کی حقیقت سے عام مسلمانوں کو آگاہ کریں۔

دوسری طرف مفتی عثمانی نے ایک ہزار سے زائد خطوط ہندوستان کے ممتاز علماء و زعماء ملت کو روانہ کیا جس میں قادیانیت کے بڑھتے اثر و رسوخ سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں دعوت دی گئی کہ وہ بھی اپنی سطح سے اس باطل مہم کی سرکوبی کے لئے کوشش کریں۔اسی کے ساتھ ساتھ مفتی عثمانی اور انکے احباب نے علاقے کے سینئر سیاسی لیڈر اور مرکزی وزیر جناب تسلیم الدین سمیت درجنوں سیاستدانوں اور اہل اقتدار سے ملاقات کر کے صورت حال سے آگاہ کیا اور ضلع مجسٹریٹ شریف عالم کی مہم پر قدغن لگانے کی اپیل کی۔جناب تسلیم الدین نے اس مسئلہ کو غور سے سنا۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی وزیر اعلیٰ سے ملاقات

جامعۃ القاسم کے مہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ بہار جناب نتیش کمار سے بھی ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ سپول کے ڈی ایم شریف عالم قادیانی ہیں اور وہ اپنے عہدے واثر ورسوخ کا استعمال کرتے ہوئے علاقے کے لوگوں کو قادیانی بننے پر مجبور کر رہے ہیں، یہاں تک کہ ترقیاتی کاموں کی ٹھیکیداری بھی انہیں لوگوں کو دی جارہی جو قادیانیت قبول کر چکے ہیں یا قبول کرنا چاہتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے کافی غور سے وفد کی باتیں سنیں اور جلد کارروائی کرنے کا وعدہ کیا۔ جامعۃ القاسم کے تحفظ نبوت مہم کے دفتر سے ایک خصوصی مکتوب وزیر اعظم ہند ڈاکٹر منموہن سنگھ، یو پی اے کی چیئر پرسن سونیا گاندھی اور وزیر داخلہ شیوراج پاٹل سمیت متعدد اہم لیڈران کو روانہ کیا گیا۔ جامعۃ القاسم کی قادیانیت کے خلاف مہمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈی ایم شریف عالم کے ٹرانسفر کا آرڈر جاری ہو چکا ہے۔

شمالی بہار میں سیلاب کی تباہ کاری اور جامعۃ القاسم کی باز آباد کاری:

ماہ اگست ۲۰۰۸ء کو شمالی بہار میں جو تباہ کن سیلاب آیا اس کا اصل مرکز ضلع سپول اور مدھے پورہ ہی تھا۔ سیلاب نے لاکھوں انسانوں کو بے گھر اور ہزاروں گاؤں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ لاکھوں لوگ سڑکوں و کھلے آسمان کے نیچے زندگی گذارنے پر مجبور ہوگئے، ہزاروں افراد کی جانیں گئیں اور کروڑوں مویشی ہلاک ہوئے اور کروڑوں ہیکٹر زمین میں لگی فصلیں تباہ و برباد ہوگئیں۔

اس مصیبت کی شدت کو جامعۃ القاسم کے اساتذہ اور طلباء سے زیادہ کون محسوس کرسکتا ہے کیونکہ سیلاب کی قہر سامانی کا شکار خود جامعۃ بھی ہوا جہاں دارالاقامہ، مسجد، درسگاہیں پانی میں ڈوب گئیں اور بے پناہ نقصانات ہوئے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں پاس پڑوس کے سیلاب متاثرین کے لئے جامعہ ہی پناہ گاہ تھا اور سیکڑوں لوگوں نے جامعہ کی چھتوں پر پناہ لے رکھی تھی۔ چنانچہ جامعہ کی طرف سے انہیں ہر ممکنات سہولت بہم پہنچائی گئی۔

سیلاب کی تباہی نے پورے شمالی بہار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور ہر طرف آہ وبکا اور چیخ و پکار کی کیفیت تھی اور بچاؤ بچاؤ کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ ایسے حالات میں جامعۃ القاسم کے اساتذہ اور کارکنان نے راحت و بچاؤ کے کام میں زبردست خدمت انجام دی۔ سیلاب میں پھنسے لوگوں کو باہر نکالنے اور انکی مدد کے لئے جامعہ کارکنان پیش پیش رہے۔

جامعہ کی طرف سے دس ریلیف ٹیموں نے مختلف علاقوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کو باہر نکالا اور انکے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ جامعہ کی چار ٹیم میڈیکل ایڈ پہونچانے میں مصروف تھی۔ ابتداء جامعہ کی ریلیف ٹیموں نے فاربس گنج، نرپت گنج، چھاتہ پور، بسنت پور، راگھو پور، بھرگامہ، رانی گنج، ارریہ کے اطراف اور مواضعات میں مصیبت کے مارے لوگوں کو چاول، چنا، چوڑا، موم بتی ماچس، صابن، کپڑا، تیل اور دیگر ضروری اشیاء تقسیم کی۔ ❁ ❁ ❁

ہماری مطبوعات

نام کتاب	مصنف	مرتب
مقامات مقدسہ	قاری محمد طیبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
چند نامور علماء	مولانا بدرالحسن قاسمی	عبدالقادر شمس قاسمی
زکوٰۃ اور اس کا مصرف (اردو/انگریزی)	مولانا ابوالکلام آزاد	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
خطبہ حجۃ الوداع (اردو/انگریزی)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قاضی مجاہد الاسلام حیات وخدمات		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سیرت النبی		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجاہد کی للکار	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی حقیقت	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
ہندوستان میں مدارس اسلامیہ (اردو/انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
دہشت گردی اور اسلام (اردو/انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی (زیر ترتیب)	
محمد رسول اللہ کے بعد کوئی نبی نہیں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر رسائل ومجلّات طباعت کے مرحلے سے گذر کر جلد ہی منظر عام پر آنے والے ہیں۔

کتابوں کے لیے رابطہ کریں:

At & Po: Madhubani, G.P.O. Paratap Ganj - 852125, Distt: Supaul (Bihar)
Ph: +91-9931906068, 9939751011
Delhi Office: N-93, IInd Floor, Sailing Club Road, Lane No. 2
Batla House Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Ph: +91-11 26981876, Fax: 26982907, Mob: +91-9811125434, 9818026741

ردقادیانیت کے موضوع پر

جامعة القاسم کی مطبوعات

قادیانیت کی حقیقت (اردو/انگریزی/ہندی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور قادیانیت عقائد کی روشنی میں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجموعۂ رسائل	علامہ ٹانڈویؒ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانی گروہ زندیقوں کی طرح تحریک ارتداد چلا رہا ہے		مولانا قاری محمد عثمان
قادیانیوں کی چال سے ہوشیار رہیں!		مولانا قاری محمد عثمان
قادیانیت انگریزوں کا خود کاشتہ پودا (اردو، ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان
عام مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سمجھانے کا طریقہ (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان
ایمان اور کفر کی حقیقت (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان
قادیانیت کے متعلق علمائے اسلام اور سرکاری عدالتوں کا فیصلہ		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
قادیانی تحریروں کی روشنی میں قادیانیوں کی سیاسی وسماجی پوزیشن		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
دین اسلام سے قادیانیوں کا کوئی تعلق نہیں (ہندی)		مولانا شاہ عالم گورکھپوری

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر رسائل ومجلّات طباعت کے مرحلے سے گذر کر جلد ہی منظر عام پر آنے والے ہیں۔

کتابوں کے لئے رابطہ کریں

Jamiatul Qasim Darul Uloom -il- Islamia
At & Po: Madhubani, G.P.O. Paratap Ganj - 852125, Distt: Supaul (Bihar)
Ph: +91-9931906068, 9939751011
Delhi Office: N-93, IInd Floor, Sailing Club Road, Lane No. 2
Batla House Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Ph: +91-11 26981876, Fax: 26982907, Mob: +91-9811125434, 9818026741

ممبرشپ فارم

جس مدت کے لیے ممبرشپ چاہیے اس کے سامنے صحیح نشان لگائیں

☐ سالانہ فیس .... (300/-)

☐ دوسال کے لیے .... (580/-)

☐ تین سال کے لیے .... (850-)

☐ تاحیات .... (10,000/-)

نام: .... ولدیت: ....

مکمل پتہ: ....

ملک: .... پن کوڈ: .... ٹیلیفون نمبر: ....

عمر: .... پیشہ: ....

معارف قاسم جدید کی ممبرشپ کے لیے ہے۔

منی آرڈر رچیک رڈرافٹ نمبر: .... تاریخ: ....

بذریعہ: .... روپئے: .... بھیج رہا ہوں رہی ہوں۔

نوٹ: یہ شرح صرف ہندوستان کے لیے ہے۔

چیک رڈرافٹ ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' دہلی کے نام سے بنوائیں۔

برائے مہربانی اس فارم کو بھر کرڈاک سے معارف قاسم جدید این 93 دوسری منزل، لائن ۲، سلنگ کلب روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی – ۲۵ کے پتہ پر ارسال کریں۔

نرخ اشتہار

آخری ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	3200/- روپئے
اندرونی ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	2000/- روپئے
مکمل صفحہ	(اندرونی)	1200/- روپئے
آدھا صفحہ		600/- روپئے

پیغام

مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بموقع سه روزه تربیتی کیمپ، تحفظ ختم نبوت کانفرنس، منعقده: ۱۹/۲۰/۲۱/ نومبر ۲۰۰۸ء

الحمد للّٰہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد، و علی آله و صحبه و علی من تبعهم باحسان و دعا بدعوتهم الی یوم الدین، أما بعد:

برادران اسلام!

ادھر چند برسوں سے قادیانیت کے فتنہ نے ہندوستان، پاکستان اور دنیا کے دوسرے ممالک میں پھر سے سر اٹھایا ہے، ان کا مرکز لندن اور پیرس وغیرہ میں ہے جس کی وہ سرپرستی کر رہا ہے، یہ کام کس کے اشارہ پر ہو رہا ہے اس کو سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے، اس وقت دنیا کی مسلم دشمن طاقتیں کھل کر اسلام کو ختم کرنے یا نور حق کو بجھانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں اور ان کے بعض لوگ تو برملا کہتے ہیں کہ ہمیں تو اسلام کو توڑنا یا ختم کرنا ہے، اس لئے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے جتنے طریقے ہو سکتے ہیں ان کے لئے بڑے مصارف اٹھائے جارہے ہیں، ایسے حالات میں قادیانیت کا فتنہ پوری قوت کے ساتھ سر اٹھا رہا ہے اور جگہ جگہ اس کے کار پرداز پیسے اور غلط بیانی کے ذریعہ اس میں مبتلا کرنے کا سلسلہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے دیہاتوں میں جہاں عموماً کم پڑھے لکھے اور دین سے ناواقف لوگ ہیں، مسجدوں میں قبضہ اور اماموں کو اونچی تنخواہ کی لالچ دیکر اپنے کو صحیح داعی حق ظاہر کر کے اسلام کی دیوار میں نقب لگا رہے ہیں، ہم سب پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس خطرہ سے آگاہ کریں اور اپنے ان اسلاف کی پیروی کریں جنہوں نے گذشتہ صدی میں جب یہ فتنہ زور پکڑ رہا تھا، جس کی سرپرستی برطانوی سامراج کر رہا تھا، مقابلہ کیا اور فتنہ کو تقریباً ختم کر دیا تھا، آج ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہ فتنہ پھر ابھر رہا ہے، اس کا ہم پھر سے مقابلہ کریں۔

اس کا مقابلہ کرنا زیادہ دشوار اس لئے نہیں ہے کہ اس میں جھوٹ اور لالچ سے کام لیا جاتا ہے، اس کے اس دھوکہ کو واضح کر دیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ خاتم النبیین اور رسول برحق سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی نبوت کے مقابلہ میں یہ جھوٹی نبوت کھڑی کی گئی ہے، اور اس میں جھوٹی باتوں کا سہارا لیا گیا ہے، اور اس طرح لوگوں کے ایمان کو خطرہ میں ڈالا جارہا ہے، یہ باتیں اتنی واضح ہیں کہ اس کو لوگوں کو بتا دینا ہی اس فتنہ کے روک دینے کے لئے مفید ہے، لیکن اس کے لئے کوشش کرنے اور وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ ہم سب کا فریضہ ہے جو حضرت خاتم الرسل سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) کے ماننے والے ہیں، یہ آپ کی عزت پر حملہ ہے، ایسی صورت میں کسی بھی صاحب ایمان کے لئے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ایسے موقع پر وہ چپ رہے اور مقابلہ نہ کرے۔

ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب کو کہ وہ اس کے لئے علماء کا تربیتی کیمپ اور ایک عظیم اجتماع منعقد کر رہے ہیں تاکہ اس فتنہ کے شر کو سب کے سامنے کھول کر بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

میں اپنی صحت کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے اس میں حاضر نہیں ہو پا رہا ہوں، لہٰذا اپنے الفاظ اور زبان سے شرکت کا شرف حاصل کر رہا ہوں، اور میری طرف سے کوئی نمائندہ میرے ان الفاظ کے ساتھ شریک اجتماع ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ مفید بنائے۔

(محمد رابع حسنی ندوی) دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ

۱۴۲۹/۱۰/۳۰ھ تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

۲۰۰۸/۱۰/۳۱ء

ملت اسلامیہ کے دردمندوں اور بہی خواہوں کے نام دردمندانہ گذارش

الحمد للّٰہ حمداً کثیراً اما بعد!

آج اسلام مخالف قوتوں کے سامنے علماء اور مدارس ایک چیلنج بن کر کھڑے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک یہ بوریہ نشیں علماء اور بے سروساماں مدارس زندہ رہیں گے اسلام سربلند رہے گا اور دینی سرگرمیاں پوری قوت سے جاری رہیں گی۔ ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت دین کی خدمت میں مدارس کا ایک جال پھیلا ہوا ہے، ہندو نیپال کی سرحد پر رشد وہدایت اور تعلیم وتبلیغ کی عظیم درسگاہ **جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ** اسی سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر شمالی بہار میں سرگرم عمل ہے۔

ملت اسلامیہ کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کے لیے ایک بڑی خوشی کا موقع ہے کہ تحفظ ختم نبوت کی ذمہ داری جو پوری ملت اسلامیہ پر عائد ہے،اسی تناظر میں کوسی کمنشنری، پورنیہ کمنشنری اور بھاگلپور کمشنری میں دعوت وتبلیغ، کتابوں، پمفلٹوں اور حضرات اکابر علماء کرام کی تقاریر ودینی مجالس، علماء کی تربیتی کیمپ اور کانفرنسوں کے ذریعہ تحفظ ختم نبوت کا یہ کام **کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند** کے زیر نگرانی **جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ** نے پوری تندہی کے ساتھ انجام دیا، جس سے ان تینوں کمشنریز کے مسلمان الحمد للہ دینی ڈگر پر ہی نہیں، بلکہ بڑی تعداد میں وہ لوگ جو اپنی ناخواندگی اور معیشت کی تنگی کی بناء پر قادیانی ہوگئے تھے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر لوٹ آئے۔**فجزاء ھم اللّٰہ خیر الجزاء.**

درآں حالیکہ کوسی ندی کے قہر (سیلاب) نے اس علاقے کے لوگوں کی معیشت کو تباہ وبرباد کر دیا ہے، خبر رساں ایجنسی یو این آئی کے مطابق ۳ کروڑ سے زائد افراد متاثر ہوئے، جبکہ ۴۰ لاکھ لوگ بے گھر ہوئے اور تقریباً ۹ ہزار گاؤں متاثر ہوئے جب کہ ۱۵۹۶ گاؤں بہہ گئے۔ اس ہولناکی کو دیکھ کر امت کے دردمندوں نے ان کا تعاون بھی کیا، اس کے باوجود آج بھی بڑی تعداد میں یہاں کے لوگ معاونت کے محتاج ہیں۔ اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ دے۔ آمین

قابل ذکر ہے کہ جامعہ کی خدمات کا دائرہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے صرفہ میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔ 2008-2009 میں جامعہ کے اخراجات چورانوے لاکھ باسٹھ ہزار تین سو ایک (Rs. 94,62,301.00) روپے سالانہ سے زیادہ ہے۔ جامعہ کے احاطے میں ایک عظیم الشان "**جامع امام قاسم**" (مسجد) زیر تعمیر ہے جو سولہ ہزار اسکوائر فٹ ہے۔ چھت کی ڈھلائی کا کام باقی ہے۔ اس کے علاوہ "**رواق الیاس**" کی دوسری وتیسری منزل کی تعمیر کا کام بھی باقی ہے، جبکہ جامعہ میں طلبا کی بڑھتی ہوئی تعداد اور اساتذہ اور مہمانان رسول کی رہائش کچے کمروں او رٹین کے شیڈوں میں ہے، جو موسم کے اعتبار سے تکلیف کا باعث ہے اسی کے پیش نظر "**مرکز الامام ابی الحسن علی الندوی**" کے نام سے ایک عمارت کا سنگ بنیاد حضرت اقدس مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے علاوہ ڈیڑھ درجن علماء کرام کے ہاتھوں رکھا جا چکا ہے تاکہ اساتذہ اور طلبا کو رہائش اور درسگاہوں میں سہولت ہو، جس میں کثیر رقوم کا صرفہ آئے گا، جو ان شاء اللہ حضرات معاونین کے تعاون سے جلد ہی پورا ہونے کی توقع ہے۔ نیز زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے ارباب جامعہ نے ایک ہائی اسکول (KosiHumanHighSchool) اور "**زکریا ہاسپیٹل**" کے قیام کا بھی فیصلہ کیا ہے، جو اہل ثروت کے لیے سنہری موقع ہے، لہٰذا جامعہ کے اخراجات اور بجٹ کی تکمیل اور تعلیمی وتعمیری منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے آپ سے خصوصی تعاون کی درخواست ہے اور گزارش ہے کہ اس دینی مشن کو تقویت واستحکام بخشنے کے لیے ہر ممکنہ تعاون فرمائیں۔ اللہ ہمارا اور آپ کا حامی وناصر ہے۔

الحمد للہ جامعہ کو حضرت اقدس مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری نواسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی سرپرستی حاصل ہے۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ

جامعہ کا تعاون کیسے کریں؟

آپ اپنی سہولت کے مطابق جامعہ کا تعاون مندرجہ ذیل طریقوں سے کرکے اجر عظیم کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

ایک دن کے کھانے پر خرچ تقریباً (سات سو طلبا)	14,000
ایک ماہ کے کھانے پر خرچ (سات سو طلبا)	4,20,000
ایک سال کے کھانے پر خرچ (سات سو طلبا)	39,20,000
ایک حافظ بنانے پر خرچ مع پوشاک، لحاف و بستر (4 سال)	28,400
ایک عالم بنانے پر خرچ مع پوشاک، لحاف، بستر و کتاب (8 سال)	56,800
ایک بچی کے نکاح پر خرچ	25,000
ایک بیوہ کی کفالت کا خرچ (1 سال)	14,000
ایک ہینڈ پمپ مع سمرسیبول کا خرچ	21,000
ایک صحت مند بڑے جانور کی قربانی کا خرچ	7,000
ایک مفلوک الحال انسان کا گھر تعمیر کرانے کا خرچ	56,000
ایک بیت الخلاء کی تعمیر کا خرچ	21,000
رواق الیاس کے ایک کمرہ کی تعمیر کا خرچ	75,000
جامع امام قاسم (مسجد) کے ایک مصلیٰ (سنگ مرمر) کا خرچ	17,500
ایک درجہ کے طلبہ کی درسی کتابوں پر خرچ	70,000
درجہ حفظ کی ایک درسگاہ کی تعمیر پر خرچ	84,000
ایک طالب علم کے لباس مع لحاف و بستر کا خرچ	5,000
ایک مدرس کی ایک ماہ کی تنخواہ	4,000
ایک مدرس کی ایک سال کی تنخواہ	48,000
مکتب کے ایک مدرس کی ایک ماہ کی تنخواہ	3,000
مکتب کے ایک مدرس کی سالانہ تنخواہ	36,000

ڈرافٹ یا چیک پر صرف یہ لکھیں:(For Cheque & Draft)

Jamiatul Qasim Darul Uloom -il- Islamia

A/c: **01090007045** State Bank of India Pratap Ganj, Branch Cod:4717